اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

# شمائلِ ترمذی

مع اُردو شرح

# خصائلِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلفہ

امام المحدّثین حافظ محمّد بن عیسیٰ بن سُورَۃ ترمذی

از:

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

اسلامی کُتب خانہ

اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

# شمائلِ ترمذی

مؤلفہ

امام المحدثین حافظ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی

مع اردو شرح

# خصائلِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

از: حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

اسلامی کتب خانہ

الحمد مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ ○ اردو بازار لاہور

نام کتاب ——— شمائلِ ترمذی مع اردو شرح خصائلِ نبوی ﷺ

مؤلفہ ——— امام المحدثین حافظ محمد بن عیسٰی بن سورۃ ترمذی

از: ——— حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

ناشر ——— اسلامی کتب خانہ

طابع ——— ممتاز احمد

پرنٹر ——— لٹل سٹار پرنٹرز

صحتِ متن، کتابت، تصحیح، طباعت اور جلد بندی میں انتہائی احتیاط کے باوجود بہ تقاضائے بشریت سہو کے امکانات موجود رہتے ہیں۔ غلطی کی نشاندہی پر ادارہ مشکور ہوگا۔

جزاک اللہ خیراً ——— اراکین ادارہ

# فہرست مضامین

# تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم**

حامداً ومصلیاً ومسلماً! بندہ ناچیز کو اواخر ۱۳۴۳ھ میں بامتثال حکم اقدس آقائی ومولائی حضرت الحاج مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ بذل المجہود فی حل ابی داؤد کی طباعت کے لیے متفرق طور پر چند روز شہر دہلی میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں میرے ایک کرم فرما جناب محترم محمد عثمان صاحب زاد مجدہم نے شمائل ترمذی کے مختصر سے ترجمہ کا حکم کیا۔ میں اپنی نااہلیت کا معترف' ہرگز بھی اس کا اہل نہیں تھا۔ اور اسی وجہ سے اس سے قبل کسی تحریر یا تقریر کی کبھی نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ لیکن ممدوح نے اپنے حسن ظن کی بناء پر میری کسی معذرت کو بھی قبول نہ کیا۔ میں اپنے عجز وقصور کی وجہ سے ہرگز بھی امتثال نہ کرتا' مگر چونکہ موصوف کے میرے والد ماجد صاحب نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ سے خصوصی مراسم تھے اور بمقتضائے حدیث

**((ان من ابر البر صلة الرجل اهل ودابيه بعد ان يولى))** [رواہ مسلم]

''بہترین صلہ رحمی والد کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک ہے۔''

اس لیے مجھے اس کے بغیر چارہ کار ہی نہ ہوا کہ اپنی حیثیت کے موافق مختصر سا ترجمہ لکھ کر پیش کروں اور ناظرین سے اپنے اقرار عجز کے بعد عرض کروں کہ ان اوراق کی پریشانی عبارت اور الفاظ کی غرابت' مضامین کی پراگندگی کے تسامح فرماتے ہوئے اصل مقصد اور آقائے عالم سید البشر نبی اکرم علیہ الف الف صلوت وتحیات کے اخلاق' اوصاف عادات' معمولات کی طرف توجہ فرمائیں کہ عقل مند شخص بدنما برقعہ کی وجہ سے حسین چہرہ سے بے توجہی نہیں کرتا' اور سمجھ دار آدمی بدمزہ چھلکے کی وجہ سے لذیذ گودے کو نہیں پھینکتا۔

اس ترجمہ میں چند امور کا خاص طور سے اہتمام کیا گیا ہے:

1. اکثر مضامین اکابر قدماء کے کلام سے لیے گئے ہیں اور خود رائی وغیرہ سے احتراز کیا گیا۔
2. جمع الوسائل ملا علی قاری حنفی کی' شیخ عبدالرؤف مناوی مصری کی' مواہب لدنیہ شیخ ابراہیم

بیجوری کی، تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس رسالہ کا زیادہ تر ماخذ رہی ہے۔

③ ترجمہ چونکہ عوام کے لیے کیا گیا اس لیے مطلب خیز ترجمہ کیا گیا، لفظی ترجمہ کی پابندی نہیں کی گئی۔

④ ترجمہ سے زائد امور بطور فائدہ کے ذکر کیے گئے اور ان کے شروع میں ف کا لفظ بھی لکھ دیا۔

⑤ اکثر جگہ ترجمہ سے زائد امور جو ربط کے لیے بڑھائے گئے وہ (قوس) میں لکھے گئے۔

⑥ احادیث کا اگر بظاہر آپس میں تعارض معلوم ہوا تو اس کو مختصر طور سے رفع کیا گیا۔

⑦ اختلاف مذاہب کا بھی مختصر طور پر کہیں کہیں ذکر کیا گیا۔ مذہب حنفیہ کو اکثر جگہ خاص طور سے ذکر کیا ہے کہ قرب و جوار کے باشندے اکثر حنفی ہیں۔

⑧ حنفیہ کے قول کی دلیل بھی کہیں کہیں حسب ضرورت مختصر طور سے ذکر کر دی گئی۔

⑨ جس جگہ حدیث میں کسی غزوہ یا قصہ کی طرف اشارہ تھا، فائدہ میں اس قصہ کو مختصر طور سے ذکر کر دیا گیا۔

⑩ جس حدیث کی باب سے مناسبت خفی تھی اس کو بھی واضح کیا گیا۔

⑪ جو مضامین اختصار کی وجہ سے یہاں ذکر نہیں کیے گئے، اکثر جگہ ان کتب کا حوالہ لکھ دیا، جہاں وہ مفصل مل سکتے ہیں، تا کہ شائقین کو تلاش میں سہولت رہے۔

⑫ ان سب امور میں اختصار کو نہایت مدنظر رکھا گیا کہ پڑھنے والوں کی طبائع طول سے اکتا نہ جائیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

زکریا عفی عنہ کاندھلوی

مقیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، وارد حال دہلی

۸/ جمادی الاخری ۱۳۴۴ھ جمعہ

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده و نصلي على رسوله الكريم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى قال الشيخ الحافظ ابو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذى

# باب ما جاء في خلق رسول الله ﷺ

## حضور اقدسؐ کے حلیہ مبارک کا بیان

(فائدہ) مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں وہ احادیث ذکر فرمائی ہیں' جو حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے جمال مبارک کو کما حقہ' تعبیر کر دینا یہ ناممکن ہے۔ نور مجسم کی تصویر کشی قابو سے باہر ہے لیکن اپنی ہمت و وسعت کے موافق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو ضبط فرمایا جس کا کچھ بیان یہ ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا پورا جمال ظاہر نہیں کیا ورنہ آدمی حضور ﷺ کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امت پر نہایت ہی بڑا احسان ہے کہ حضور ﷺ کے کمالات معنوی علوم و معارف کے ساتھ ساتھ کمالات ظاہری حسن و جمال کی بھی امت تک تبلیغ فرمائی کہ یہ منم و خیال یار کے لیے معین و مددگار ہوتا ہے۔ نامراد عاشق جب وصال سے محروم ہوتا ہے تو محبوب کے گھر بار اور خط و خال کو یاد کر کے اپنے کو تسلی دیا کرتا ہے اور عادات و حالات ہی سے دل بہلایا کرتا ہے' امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے چار سو احادیث لے کر اس رسالہ کو مرتب فرمایا اور ان چار سو احادیث کو چھپن بابوں پر تقسیم فرما کر اس باب اول میں چودہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) اخبرنا ابو رجاء قتيبة بن سعيد عن مالك بن انس عن ربيعة بن ابى عبدالرحمن عن انس بن مالكؓ انه سمعه يقول كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ وَلَا بالْاَبْيَضِ الْاَمْهَقِ وَلَا بِالْاٰدَمِ وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ وَلَا بِالسَّبْطِ بَعَثَهُ تَعَالىٰ عَلىٰ رَأْسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ

عَشْرَ سِنِيْنَ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ فَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَأْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً وَلَيْسَ فِيْ رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت لمبے قد کے تھے نہ پستہ قد (جس کو ٹھگنا کہتے ہیں بلکہ آپ کا قد مبارک درمیانہ تھا) اور نیز رنگ کے اعتبار سے نہ بالکل سفید تھے چونہ کی طرح' نہ بالکل گندم گوں کہ سانولا پن آجائے۔ (بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن پرنور اور کچھ ملاحت لیے ہوئے تھے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ بالکل پیچدار (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن تھا) چالیس برس کی عمر ہو جانے پر حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کو نبی بنایا' اور پھر دس برس مکہ مکرمہ میں رہے (اس میں کلام ہے جیسا کہ فوائد میں آتا ہے) اس مدت کے درمیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بھی نازل ہوتی رہی۔ اس کے بعد دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور پھر ساٹھ سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا۔ اس وقت آپؐ کے سر اور آپ کی داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہ تھے (اس کا مفصل بیان باب فی شیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے گا)''

ف: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک درمیانہ تھا لیکن میانہ پن کے ساتھ کسی قدر طول کی طرف کو مائل۔ چنانچہ ہند بن ابی ہالہ وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ ان دونوں روایتوں پر اس حدیث سے اشکال ہوتا ہے جس میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جماعت میں کھڑے ہوتے تو سب سے زیادہ بلند نظر آتے لیکن یہ درازی قد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ معجزہ کے طور پر تھا تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسا کمالات معنویہ میں کوئی بلند مرتبہ نہیں ہے اسی طرح صورت ظاہری میں بھی کوئی بلند محسوس نہ ہو' نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام دس برس اس حدیث میں ذکر ہوا ہے اور اسی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ساٹھ سال کی ذکر کی گئی ہے لیکن یہ روایت ان سب روایات کے خلاف ہے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تیرہ برس بتلایا گیا ہے اور تریسٹھ سال کی عمر ذکر کی گئی۔ بعض روایات میں پینسٹھ سال کی عمر آئی ہے چنانچہ اواخر کتاب میں تینوں روایتیں آنے والی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تریسٹھ سال کی روایتیں زیادہ ہیں۔ علماء نے ان احادیث میں دو طرح جمع فرمایا ہے اول یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور تین سال بعد رسالت ملی۔ اس کے دس سال بعد مکہ مکرمہ میں قیام ہوا۔ اس بناء پر اس حدیث میں ان تین سال کا ذکر چھوٹ گیا جو نبوت اور رسالت کے درمیان تھے۔ دوسری توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ عموماً اعداد میں کسر کو شمار نہیں کیا

جایا کرتا اسی بناء پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں دونوں جگہ دہائیاں ذکر کردیں اور کسر کو چھوڑ دیا اور پینسٹھ سال والی روایات میں سنہ ولادت اور سنہ وفات کو مستقل شمار کیا گیا۔ غرض سب روایات کا حاصل ایک ہی ہے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اصح قول کے موافق تریسٹھ سال کی ہوئی اس لیے باقی روایات کو بھی اسی طرح راجع کیا جائے گا۔

**(۲) حدثنا حمید بن مسعدة البصری حدثنا عبدالوهاب الثقفی عن حمید عن انس بن مالكؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبْعَةً وَلَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ حَسَنَ الْجِسْمِ وَكَانَ شَعْرُهٗ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَلَا سَبْطٍ اَسْمَرَ اللَّوْنِ اِذَا مَشٰى يَتَكَفَّأُ**

''دوسری روایت میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد تھے نہ زیادہ طویل نہ کچھ ٹھگنے۔ نہایت خوبصورت معتدل بدن والے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے (بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن تھا) نیز آپ گندمی رنگ تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستہ چلتے تو آگے کو جھکتے ہوئے چلتے۔''

ف: اس حدیث میں خود حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ مبارک کو گندمی فرماتے ہیں۔ پہلی روایت بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تھی، اس میں اس کی نفی کی گئی تھی وہاں ترجمہ میں اس کی طرف اشارہ بھی کردیا تھا، دونوں میں کچھ تعارض نہیں حاصل دونوں روایتوں کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ بالکل گندمی نہیں تھا کہ جس کی وجہ سے روشنی اور حسن میں کچھ کمی آئے بلکہ وہ چمک دمک اور خوبروئی تھی کہ اپنے ساتھ تھوڑی سی گندمیت کو بھی ملائے ہوئے تھی۔ نیز اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کے بارے میں یتکفأ کا لفظ واقع ہوا ہے۔ اس کے ترجمہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض لوگ جلدی چلنے کا ترجمہ فرماتے ہیں اور بعض لوگ آگے کو جھکنے کا ترجمہ کرتے ہیں اور بعض شراح قوت سے قدم اٹھانے کا ترجمہ کرتے ہیں۔ تینوں ترجمے صحیح ہیں اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار تینوں صفتوں کے ساتھ متصف ہوتی تھی اور لفظ بھی تینوں معنی کو محتمل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیز رفتاری کے ساتھ چلتے تھے۔ محبوبین زمانہ کی طرح عورتوں کی چال نہیں چلتے تھے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت جھک کر چلنے کی تھی، متکبرانہ رفتار سینہ نکال کر نہیں چلتے تھے، نیز مردانہ رفتار پاؤں زمین سے اٹھا کر چلتے تھے نہ یہ کہ زمین پر پاؤں گھسیٹتے ہوئے چلیں۔

**(۳) حدثنا محمد بن بشار یعنی العبدی حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة**

عن ابی اسحٰق قال سمعت البراء بن عازبؓ یقول کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مَرْبُوْعًا بَعِیْدَ مَابَیْنَ الْمَنْکِبَیْنِ عَظِیْمَ الْجُمَّۃِ اِلٰی شَحْمَۃِ اُذُنَیْہِ عَلَیْہِ حُلَّۃٌ حَمْرَآءُ مَارَاَیْتُ شَیْئًا اَحْسَنَ مِنْہُ

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد میانہ قد تھے (قدرے درازی مائل جیسا کہ پہلے گزر چکا) آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے اوروں سے زیادہ فاصلہ تھا (جس سے سینہ مبارک کا چوڑا ہونا بھی معلوم ہوگیا) گنجان بالوں والے تھے' جو کان کی لو تک آتے تھے' آپ پر ایک سرخ دھاری کا جوڑا یعنی لنگی اور چادر تھی۔ میں نے آپ سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔''

ف: اس حدیث میں رجلًا مربوعًا کا لفظ ہے جس کا ترجمہ جیم کے پیش کے ساتھ مرد کا کیا گیا۔ یہ صحیح ہوسکتا ہے اس قسم کے الفاظ کلام عرب میں ربط کے واسطے آ جاتے ہیں لیکن چونکہ اس میں کوئی خاص صفت ظاہر نہیں ہوتی اس لیے بعض محدثین کی رائے ہے کہ یہ لفظ جیم کے زیر کے ساتھ ہے جس کے معنی سیدھے پن اور ٹیڑھے پن کے درمیان کے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس صورت میں یہ صفت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بالوں کی ہوگی' جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کچھ تھوڑی سی پیچیدگی لئے ہوئے تھے۔ اس حدیث سے بعض علماء نے سرخ کپڑے کا مرد کے لیے مطلقاً پہننا جائز قرار دیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے جو کپڑے کی تعیین کے بعد علماء سے تحقیق کی جاسکتی ہے' علماء نے لکھا ہے کہ صحابیؓ نے اس حدیث میں کسی چیز کو آپؐ سے حسین نہیں دیکھا اس لیے کہا تا کہ انسان کے علاوہ چاند سورج وغیرہ ہر چیز کو شامل ہو جائے۔

(۴) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا وکیع حدثنا سفیان عن ابی اسحٰق عن البراء بن عازب قال مَا رَاَیْتُ مِنْ ذِیْ لِمَّۃٍ فِیْ حُلَّۃٍ حَمْرَآءَ اَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَہٗ شَعْرٌ یَضْرِبُ مَنْکِبَیْہِ بَعِیْدَ مَا بَیْنَ الْمَنْکِبَیْنِ لَمْ یَکُنْ بِالْقَصِیْرِ وَلَا بِالطَّوِیْلِ

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ میں نے کسی پٹھوں والے کو سرخ جوڑے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مونڈھوں تک آ رہے تھے' آپؐ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کا حصہ زیادہ چوڑا تھا' اور آپؐ نہ زیادہ لمبے تھے نہ ٹھگنے۔''

ف: حضور ﷺ کے مبارک بالوں کے بارے میں یہ روایت پہلی روایت سے مختلف ہوگئی اس لیے کہ اس میں کان کی لو تک ذکر کیا تھا۔ لیکن حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لیے کہ بال ایک حالت پر نہیں رہا کرتے کبھی کم ہوتے ہیں، کبھی زائد ہو جاتے ہیں اور قصداً بھی کبھی کم کیے جاتے ہیں، کبھی بڑھائے جاتے ہیں۔

**(۵) حدثنا محمد بن اسمعیل حدثنا ابونعیم حدثنا المسعودی عن عثمان بن مسلم بن هرمز عن نافع ابن جبیر بن مطعم عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال لم یَکُنِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِیْلِ وَلَا بِالْقَصِیْرِ شَثْنُ الْکَفَّیْنِ وَالْقَدَمَیْنِ ضَخْمُ الرَّأْسِ ضَخْمُ الْکَرَادِیْسِ طَوِیْلُ الْمَسْرُبَۃِ اِذَا مَشٰی تَکَفَّأَ تَکَفُّؤًا کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ لَمْ اَرَقَبْلَہٗ وَلَا بَعْدَہٗ مِثْلَہٗ**

''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے، نہ کوتاہ قد ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پر گوشت تھے (یہ صفات مردوں کے لیے محمود ہیں اس لیے کہ قوت اور شجاعت کی علامت ہیں، عورتوں کے لیے مذموم ہیں) حضور ﷺ کا سر مبارک بھی بڑا تھا اور اعضا کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں۔ سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ جب حضور اقدس ﷺ چلتے تھے گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ جیسا نہ حضور ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔''

ف: اس قسم کی عبارت سے کہ میں نے فلاں جیسا کبھی نہیں دیکھا مبالغہ مقصود ہوا کرتا ہے اس کے مثل نہ ہونے میں۔ لیکن حضور ﷺ کے اوصاف میں مبالغہ نہیں اس لیے کہ وہاں کمالِ جمال ہی تعبیر سے باہر ہے۔ مناوی نے لکھا ہے کہ ہر شخص یہ اعتقاد رکھنے کا مکلف ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا جسم مبارک جن اوصاف جمیلہ کے ساتھ متصف ہے کوئی دوسرا ان اوصاف میں حضور ﷺ جیسا نہیں ہو سکتا اور یہ محض اعتقادی چیز نہیں ہے۔ سیر، احادیث و تواریخ کی کتابیں اس سے لبریز ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے کمالات باطنیہ کے ساتھ جمال ظاہری بھی علی الوجہ الاتم عطا فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو شعر نقل کیے گئے ہیں، جن کا مطلب یہ ہے کہ زلیخا کی سہیلیاں اگر حضور اقدس ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ دیتیں۔ بالکل سچ فرمایا صحابہ رضی اللہ عنہم مرد و عورت حضور ﷺ کے عشق میں جس قدر غرق تھے اس کا کچھ شائبہ دیکھنا ہو تو میری کتاب ''حکایات صحابہ'' کا باب

۸ دیکھو۔

(٦) حدثنا سفين بن وكيع حدثنا ابى عن المسعودى بهذا الاسناد نحوه بمعناه حدثنا احمد بن عبدة الضبى البصرى وعلى بن حجر وابوجعفر محمد بن الحسين وهو ابن ابى حليمة والمعنى واحد قالوا حدثنا عيسى بن يونس بن عمر بن عبدالله غفرة قال حدثنى ابراهيم بن محمد من ولد على بن ابى طالب قَالَ كَانَ عَلِيٌّ اِذَا وَصَفَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَّغِطِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ وَكَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ وَلَا بِالسَّبْطِ كَانَ جَعْدًا رَجِلًا وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُكَلْثَمِ وَكَانَ فِيْ وَجْهِهٖ تَدْوِيْرٌ اَبْيَضُ مُشْرَبٌ اَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ اَهْدَبُ الْاَشْفَارِ جَلِيْلُ الْمُشَاشِ وَالْكَتَدِ اَجْرَدُ ذُوْ مَسْرُبَةٍ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ اِذَا مَشٰى تَقَلَّعَ كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ وَاِذَا الْتَفَتَ اِلْتَفَتَ مَعًا بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ اَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا وَاَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً وَاَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً وَاَكْرَمُهُمْ عَشِيْرَةً مَنْ رَاٰهُ بَدِيْهَةً هَابَهٗ وَمَنْ خَالَطَهٗ مَعْرِفَةً اَحَبَّهٗ يَقُوْلُ نَاعِتُهٗ لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ قال ابو عيسى سمعت ابا جعفر محمد بن الحسين يقول سمعت الاصمعى يقول فى تفسير صفة النبى ﷺ الممغط الذاهب طولا قال وسمعت اعرابيا يقول فى كلامه تمغط فى نشابته اى مدها مدا شديدا والمتردد الداخل بعضه فى بعض قصرا واما القطط فالشديد الجعودة والرجل الذى فى شعره حجونة اى تثن قليلا واما المطهم فالبادن الكثير اللحم والمكلثم المدور الوجه والمشرب الذى فى بياضه حمرة والادعج الشديد سواد العين والاهدب الطويل الاشفار والكتد مجتمع الكتفين وهو الكاهل والمسربة هو الشعر الدقيق الذى كانه قضيب من الصدر الى السرة والشثن الغيظ الاصابع من الكفين والقدمين والتقلع ان يمشى بقوة والصبب الحدور تقول انحدرنا فى صبوب وصبب وقوله جليل المشاش يريد رءوس المناكب والعشرة الصحبة والعشير الصاحب والبديهة

**المفاجاة يقال بدهته بامر اى فجئة**

''ابراہیم بن محمد جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں' (یعنی پوتے ہیں) وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کا بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لمبے تھے نہ زیادہ پستہ قد بلکہ میانہ قد لوگوں میں سے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نہ بالکل پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لیے ہوئے تھے' نہ آپؐ موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرہ کے البتہ تھوڑی سی گولائی آپ کے چہرہ مبارک میں تھی (یعنی چہرہ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لمبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید سرخی مائل تھا۔ آپؐ کی مبارک آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز' بدن کے جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں موٹی تھیں۔ (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے) اور ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پر گوشت تھی' آپؐ کے بدن مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے۔ (یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر بال زیادہ ہو جاتے ہیں' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازو پنڈلیاں وغیرہ ان کے علاوہ اور کہیں بال نہ تھے) آپؐ کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی' آپؐ کے ہاتھ اور قدم مبارک پر گوشت تھے۔ جب آپؐ تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں جب آپؐ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن مبارک کے ساتھ توجہ فرماتے۔ (یعنی یہ کہ صرف گردن پھیر کر کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے کہ اس طرح دوسرے کے ساتھ لاپرواہی ظاہر ہوتی ہے اور بعض اوقات متکبرانہ حالت ہو جاتی ہے بلکہ سینہ مبارک سمیت اس طرف توجہ فرماتے۔) بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بھی فرمایا ہے کہ جب آپؐ توجہ فرماتے تو تمام چہرۂ مبارک سے فرماتے' کنکھیوں سے نہیں ملاحظہ فرماتے تھے مگر یہ مطلب اچھا نہیں' آپؐ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ ختم کرنے والے تھے نبیوں کے' آپؐ سب سے زیادہ سخی دل والے تھے اور سب سے زیادہ سچی زبان والے' سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے۔ (غرض آپؐ دل و زبان' طبیعت' خاندان اوصاف ذاتی اور نسبی ہر چیز میں سب سے افضل تھے) آپؐ کو جو شخص یکا یک دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا۔ (یعنی آپؐ کا وقار اس قدر زیادہ تھا کہ اول وہلہ میں دیکھنے

والا رعب کی وجہ سے ہیبت میں آ جاتا تھا) اول تو جمال وخوبصورتی کے لیے بھی رعب ہو جاتا ہے۔

شوق افزوں مانع عرض تمنا داب حسن
بارہا دل نے اٹھائے ایسی لذت کے مزے

اس کے ساتھ جب کمالات کا اضافہ ہو تو پھر رعب کا کیا پوچھنا۔ اس کے علاوہ حضور اقدس ﷺ کو جو مخصوص چیزیں عطا ہوئیں، ان میں رعب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا، اور جو شخص پہچان کر میل جول کرتا تھا وہ (آپ کے اخلاق کریمہ واوصاف جمیلہ کا گھائل ہو کر) آپ کو محبوب بنالیتا تھا۔ آپ کا حلیہ بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور ﷺ جیسا باجمال وباکمال نہ حضور ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا (ﷺ)

(٧) حدثنا سفیٰن بن وکیع قال حدثنا جمیع بن عمیر بن عبدالرحمن العجلی املأ علینا من کتابه قال حدثنا رجل من بنی تمیم من ولد ابی هالة زوج خدیجة یکنی ابا عبدالله عن ابن لابی هالة عن الحسن بن علی قال سالت خالی هند ابن ابی هالة وکان وصافا عن حلیة النبی ﷺ وانا اَشْتَهِیْ ان یصف لی منها شیئا اتعلق به فقال کان رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا یَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ اَطْوَلَ مِنَ الْمَرْبُوْعِ وَاَقْصَرَ مِنَ الْمُشَذَّبِ عَظِیْمَ الْهَامَةِ رَجِلَ الشَّعْرِ اِنِ انْفَرَقَتْ عَقِیْقَتُهٗ فَرَقَهَا وَاِلَّا فَلَا یُجَاوِزُ شَعْرُهٗ شَحْمَةَ اُذُنَیْهِ اِذَا هُوَ وَفَّرَهٗ اَزْهَرَ اللَّوْنِ وَاسِعَ الْجَبِیْنِ اَزَجَّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغَ مِنْ غَیْرِ قَرَنٍ بَیْنَهُمَا عِرْقٌ یُدِرُّهُ الْغَضَبُ اَقْنَی الْعِرْنَیْنِ لَهٗ نُوْرٌ یَعْلُوْهُ یَحْسِبُهٗ مَنْ لَمْ یَتَاَمَّلْهُ اَشَمَّ کَثَّ اللِّحْیَةِ سَهْلَ الْخَدَّیْنِ ضَلِیْعَ الْفَمِ مُفَلَّجَ الْاَسْنَانِ دَقِیْقَ الْمَسْرُبَةِ کَاَنَّ عُنُقَهٗ جِیْدُ دُمْیَةٍ فِیْ صَفَاءِ الْفِضَّةِ مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ بَادِنٌ مُتَمَاسِکٌ سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ بَعِیْدُ مَا بَیْنَ الْمَنْکِبَیْنِ ضَخْمُ الْکَرَادِیْسِ اَنْوَرُ الْمُتَجَرَّدِ مَوْصُوْلُ مَا بَیْنَ اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ یَجْرِیْ کَالْخَطِّ عَارِی الثَّدْیَیْنِ وَالْبَطْنِ مِمَّا سِوٰی ذٰلِکَ اَشْعَرُ الذِّرَاعَیْنِ وَالْمَنْکِبَیْنِ وَاَعَالِی الصَّدْرِ طَوِیْلُ الزَّنْدَیْنِ رَحْبُ الرَّاحَةِ شَثْنُ الْکَفَّیْنِ وَالْقَدَمَیْنِ سَائِلُ الْاَطْرَافِ اَوْ قَالَ شَائِلُ الْاَطْرَافِ خَمْصَانُ الْاَخْمَصَیْنِ مَسِیْحُ الْقَدَمَیْنِ یَنْبُوْا عَنْهُمَا

الْمَاءُ اِذَا زَالَ زَالَ قَلْعًا يَخْطُوْا تَكَفِّيًا وَيَمْشِيْ هَوْنًا ذَرِيْعُ الْمِشْيَةِ اِذَا مَشٰى كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ وَاِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ جَمِيْعًا خَافِضُ الطَّرْفِ نَظْرُهٗ اِلَى الْاَرْضِ اَكْثَرُ مِنْ نَظْرِهٖ اِلَى السَّمَاءِ جُلُّ نَظْرِهِ الْمُلَاحَظَةُ يَسُوْقُ اَصْحَابَهٗ وَيَبْدَءُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ))

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک دریافت کیا اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کو بہت ہی کثرت اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے۔ مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصاف جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں ان کے بیان کو اپنے لیے حجت اور سند بناؤں اور ان اوصاف جمیلہ کو ذہن نشین کرنے اور ممکن ہو سکے تو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں' حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت سات سال کی تھی اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ میں اپنی کم سنی کی وجہ سے تامل اور کمال تحفظ کا موقع نہیں ملا تھا) ماموں جان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف کے متعلق یہ فرمایا کہ آپؐ خود اپنی ذات والاصفات کے اعتبار سے بھی شاندار تھے اور دوسری کی نظروں میں بھی بڑے رتبہ والے تھے' آپ کا چہرہ مبارک ماہ بدر کی طرح چمکتا تھا آپ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا لیکن لانبے قد والے سے پست تھا' سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا' بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ اگر سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے ورنہ آپؐ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے تھے (یہ مشہور ترجمہ ہے اس بناء پر یہ اشکال پیش آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قصداً مانگ نکالنا روایات سے ثابت ہے اس اشکال کے جواب میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس کو ابتدائے زمانہ پر حمل کیا جائے کہ اولاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اہتمام نہیں تھا' لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک یہ جواب اس لیے مشکل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ مشرکین کی مخالفت اور اہل کتاب کی موافقت کی وجہ سے مانگ نہ نکالنے کی تھی' اس کے بعد پھر مانگ نکالنی شروع فرما دی' اس لیے اچھا ترجمہ جس کو بعض علماء نے ترجیح دی ہے وہ یہ ہے کہ اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے تھے اور اگر کسی وجہ سے بسہولت نہ نکلتی اور کنگھی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو اس وقت نہ نکالتے' کسی دوسرے وقت جب کنگھی وغیرہ موجود ہوتی نکال لیتے) جس زمانہ میں

حضور ﷺ کے بال مبارک زیادہ ہوتے تھے تو کان کی لو سے متجاوز ہو جاتے تھے۔ آپ کا رنگ مبارک نہایت چمک دار تھا اور پیشانی مبارک کشادہ' آپؐ کے ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے۔ دونوں ابرو جدا جدا تھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے' ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی' جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی' آپ کی ناک مبارک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمک اور نور تھا' ابتداءً دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا (لیکن غور سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے ورنہ فی نفسہٖ زیادہ بلند نہیں ہے آپؐ کی داڑھی مبارک بھرپور اور گنجان بالوں کی تھی' آنکھ مبارک کی پتلی نہایت سیاہ تھی' رخسار مبارک ہموار ہلکے تھے گوشت لٹکے ہوئے تھے' آپ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔ (یعنی تنگ منہ نہ تھا) آپؐ کے دندان مبارک باریک آبدار تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل بھی تھا' سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی' آپؐ کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے اور رنگ میں چاندی جیسی صاف اور خوبصورت تھی' آپؐ کے سب اعضاء نہایت معتدل اور پر گوشت تھے اور بدن گٹھا ہوا تھا پیٹ اور سینہ مبارک ہموار تھا لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا' آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے زیادہ فصل تھا' جوڑوں کی ہڈیاں قوی اور کلاں تھیں (جو قوت کی دلیل ہوتی ہے) کپڑا اتارنے کی حالت میں آپؐ کا بدن مبارک روشن و چمکدار تھا' چہ جائیکہ وہ حصہ جو کپڑوں میں محفوظ ہو' (بندہ کے نزدیک یہ ترجمہ اچھا ہے) ناف اور سینہ کے درمیان ایک لکیر کی طرح سے بالوں کی باریک دھاری تھی' اس لکیر کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ مبارک بالوں سے خالی تھا' البتہ دونوں بازوؤں اور کندھوں اور سینہ مبارک کے بالائی حصہ پر بال تھے آپؐ کی کلائیاں دراز تھیں اور ہتھیلیاں فراخ۔ نیز ہتھیلیاں اور دونوں قدم گداز پر گوشت تھے' ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لمبی تھیں۔ آپؐ کے تلوے قدرے گہرے تھے۔ اور قدم ہموار تھے کہ پانی ان کے صاف ستھرا ہونے اور ان کی ملاست کی وجہ سے ان پر ٹھہرتا نہیں تھا فوراً ڈھل جاتا تھا۔ جب آپ چلتے تو قوت سے قدم اٹھاتے اور آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے قدم زمین پر آہستہ پڑتا زور سے نہیں پڑتا تھا۔ آپؐ تیز رفتار تھے اور ذرا کشادہ قدم رکھتے' چھوٹے چھوٹے قدم نہیں رکھتے تھے' جب آپؐ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا پستی میں اتر رہے ہیں

جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن سے پھر کر توجہ فرماتے۔ آپؐ کی نظر نیچی رہتی تھی' آپ کی نگاہ بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔ (اس میں یہ اشکال ہے کہ ابوداوٗد شریف میں روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ آسمان کی طرف اکثر دیکھا کرتے تھے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ عادت شریفہ تو زمین ہی کی طرف نگاہ رکھنے کی تھی لیکن چونکہ وحی کا بھی انتظار رہتا تھا اس لیے اس کے انتظار میں گاہ بگاہ آسمان کی طرف بھی ملاحظہ فرماتے تھے ورنہ عام اوقات میں عادت شریفہ نیچی نظر رکھنے کی تھی

ادھر قاتل کی نظریں شرم سے اوپر نہیں اٹھتیں
ادھر بسمل کھڑا ہے ہاتھ پر میت لیے دل کی

آپ کی عادت شریفہ عموماً گوشۂ چشم سے دیکھنے کی تھی' یعنی غایت شرم و حیاء کی وجہ سے پوری آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے' چلنے میں صحابہؓ کو اپنے آگے کر دیتے تھے اور آپؐ پیچھے رہ جاتے تھے جس سے ملتے سلام کرنے میں خود ابتداء فرماتے۔''

ف: حضور ﷺ کا پیچھے رہ جانا علماء نے اس کو تواضع پر حمل فرمایا ہے لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک اگر یہ حالت سفر پر محمول ہو تو انسب ہے اس لیے کہ حضور ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ سفر میں پسماندگان اور ضعفاء کی خبر گیری کے لیے آپؐ پیچھے رہا کرتے تھے' یہ حدیث بہت طویل ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کا حلیہ' اخلاق' عادات' جملہ انواع مذکور ہیں' امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے مضامین کی مناسبتوں سے اس کو کئی بابوں میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس کا کچھ حصہ حضور اکرم ﷺ کی گفتگو کے باب میں اور کچھ حصہ حضور ﷺ کی تواضع کے ذکر میں آئے گا۔

**(۸) حدثنا ابو موسی محمد بن المثنی حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن سماك بن حرب قال سمعت جابر بن سمرةؓ يقول كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَلِيْعُ الْفَمِ اَشْكَلُ الْعَيْنِ مَنْهُوْسُ الْعَقِبِ قَالَ شُعْبَةُ قُلْتُ لِسِمَاكٍ مَا ضَلِيْعُ الْفَمِ قَالَ عَظِيْمُ الْفَمِ قُلْتُ مَا اَشْكَلُ الْعَيْنِ قَالَ طَوِيْلُ شَقِّ الْعَيْنِ قُلْتُ مَا مَنْهُوْسُ الْعَقِبِ قَالَ قَلِيْلُ لَحْمِ الْعَقِبِ**

''جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ فراخ دہن تھے' آپؐ کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے' ایڑی مبارک پر بہت کم گوشت تھا۔''

ف: اہل عرب مرد کے لیے فراخ دہنی پسندیدہ سمجھتے ہیں اور بعض لوگوں کے نزدیک اس جگہ فراخ

دہنی سے فصاحت مراد ہے۔ آنکھوں کی تعریف میں جو ترجمہ کیا گیا وہ صحیح قول کے موافق لکھا گیا ورنہ اس حدیث کے ترجمہ میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک کے ایک راوی سے فراخ چشم کا ترجمہ نقل کیا ہے' وہ اہل لغت کے نزدیک غلط ہے

خمار آلودہ آنکھوں پر ہزاروں میکدے قربان
وہ قاتل بے پئے ہی رات دن مخمور رہتا ہے

(۹) حدثنا هناد بن السری حدثنا عبثر بن القاسم عن اشعث یعنی ابن سوار عن ابی اسحق عن جابر بن سمرةؓ قال رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ لَیْلَةِ اَضْحِیَانٍ وَعَلَیْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَیْهِ وَاِلَی الْقَمَرِ فَلَهُوَ عِنْدِیْ اَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سرخ جوڑا زیب تن فرماتے' میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپؐ کو' بالآخر میں نے یہ ہی فیصلہ کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاند سے کہیں زیادہ جمیل وحسین اور منور ہیں۔''

دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا
مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

(۱۰) حدثنا سفیٰن بن وکیع حدثنا حمید بن عبدالرحمن الرواسی عن زهیر عن ابی اسحاق قَالَ قَالَ سَاَلَ رَجُلُ نِ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ اَکَانَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ السَّیْفِ قَالَ لَا بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ

''ابواسحاق کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک تلوار کی طرح شفاف تھا؟ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ بدر کی طرح روشن گولائی لیے ہوئے تھا۔''

ف: تلوار کی تشبیہ میں یہ نقصان تھا کہ اس سے زیادہ طویل ہونے کا شبہ پیدا ہوتا تھا نیز اس کی چمک میں سفیدی غالب ہوتی ہے نورانیت نہیں۔ اس لیے حضرت براء رضی اللہ عنہ نے تلوار سے انکار کر کے چاند سے تشبیہ دی۔ یہ تشبیہات سب تقریبی ہیں ورنہ ایک چاند کیا ہزار چاند میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نور نہیں ہوسکتا۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے کہ اگر تجھے ممدوح کو عیب ہی لگانا ہے تو اسے چودھویں

رات کے چاند سے تشبیہ دے دے اس کے عیب لگانے کے لیے یہ ہی کافی ہے۔

**(۱۱) حدثنا ابوداؤد المصاحفی سلیمان بن سلم حدثنا النضر بن شمیل عن صالح بن ابی الاخضر عن ابن شهاب عن ابی سلمة عن ابی هریرة ؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْيَضَ كَاَنَّمَا صِيْغَ مِنْ فِضَّةٍ رَجِلَ الشَّعْرِ**

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر صاف شفاف حسین وخوبصورت تھے گویا کہ چاندی سے آپ کا بدن مبارک ڈھالا گیا ہے۔ آپ کے بال مبارک قدرے خمدار گھونگریالے تھے۔''

ف: سب سے پہلی روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی گزر چکی ہے اس میں بالکل سفید رنگ کی نفی کی گئی تھی اس لیے اس حدیث سے یہ مراد نہیں کہ چاندی کی طرح سے بالکل سفید رنگ تھے بلکہ سفیدی سرخی مائل تھی اور چمک وحسن غالب تھا۔

**(۱۲) حدثنا قتیبه بن سعید اخبرنا اللیث بن سعد عن ابی الزبیر عن جابر بن عبدالله اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَيَّ الْاَنْبِيَاءُ فَاِذَا مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ كَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ وَرَاَيْتُ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَرَاَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شَبَهًا صَاحِبُكُمْ يَعْنِيْ نَفْسَهُ الْكَرِيْمَةَ وَرَاَيْتُ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شَبَهًا دِحْيَةُ**

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ مجھ پر سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پیش کیے گئے یعنی مجھے دکھائے گئے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا تو وہ ذرا پتلے دبلے بدن کے آدمی تھے گویا کہ قبیلہ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہیں' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں عروہ بن مسعود ان سے زیادہ ملتے جلتے معلوم ہوئے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے میں خود ہی ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوں' ایسے ہی جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ان لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں دحیہ کلبی ہیں۔''

ف: یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء علیہم السلام کو دیکھنا یا شب معراج میں ہوا ہے یا خواب کی حالت میں ہوا ہے۔ بخاری شریف میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں اور اس اختلاف میں کوئی اشکال نہیں ہے اس

لیے ہوسکتا ہے کہ دونوں مرتبہ دیکھا ہو۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں ہلکے بدن کا ترجمہ اپنے نزدیک راجح قول پر کیا ورنہ بعض علماء نے اس کے ترجمہ میں اور بھی اقوال فرمائے ہیں۔ ان تین انبیاء علیہم السلام کا ذکر اس لیے فرمایا کہ حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام بنی اسرائیل کے انبیاء میں تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام علاوہ ازیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں تھے جملہ عرب ان کو زیادہ مانتے تھے۔

**(۱۳) حدثنا محمد بن بشار عن سفین ابن وکیع المعنی واحد قالا اخبرنا یزید بن ھارون عن سعید الجریری قال سمعت ابا الطفیلؓ یقول رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَا بَقِیَ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَحَدٌ رَاٰہُ غَیْرِی قُلْتُ صِفْہُ لِیْ قَالَ کَانَ اَبْیَضَ مَلِیْحًا مُقَصَّدًا**

''سعید جریری کہتے ہیں کہ میں نے ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں میں اب روئے زمین پر میرے سوا کوئی نہیں رہا۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ حلیہ بیان کیجیے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفید رنگ تھے ملاحت کے ساتھ یعنی سرخی مائل اور معتدل جسم والے تھے۔

ف: ابوالطفیلؓ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے اخیر میں وفات پائی ہے۔ ان کی وفات ۱۱۰ ہجری میں ہوئی ہے۔ اسی بناء پر انہوں نے کہا کہ اب میرے سوا کوئی دیکھنے والا نہیں رہا۔ علماء فرماتے ہیں کہ روئے زمین کی قید اس لیے لگائی کہ آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے دیکھنے والوں میں موجود تھے۔

**(۱۴) حدثنا عبداللہ بن عبدالرحمن اخبرنا ابراھیم بن المنذر الحزامی اخبرنا عبدالعزیز بن ثابت الزھری حدثنی اسمٰعیل بن ابراھیم بن اخی موسیٰ بن عقبۃ عن کریب عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْلَجَ الثَّنِیَّتَیْنِ اِذَا تَکَلَّمَ رُاِیَ کَالنُّوْرِ یَخْرُجُ مِنْ بَیْنِ ثَنَایَاہُ**

''ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دانت مبارک کچھ کشادہ تھے یعنی ان میں کسی قدر ریخیں تھیں گنجان نہ تھے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تکلم فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا۔''

ف: علماء کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ یہ تشبیہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا اس کو نور کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ لیکن علامہ مناوی کی رائے یہ ہے کہ کوئی حسی چیز تھی تشبیہ

نہیں جو بطور معجزہ کے حضور اقدس ﷺ کے دانتوں کے درمیان سے نکلتی تھی

حیا سے سر جھکا لینا ادا سے مسکرانا دینا
حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا

الغرض حلیہ مبارک میں ہر ہر چیز کمال حسن کو پہنچی ہوئی تھی

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین بہار توزد اماں گلہ دارد

یعنی جیسے آپ جمال معنوی میں منتہا پر تھے' ایسے ہی جمال ظاہری میں بھی انتہا پر تھے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ بِقَدْرِ حُسْنِہٖ وَجَمَالِہٖ

❀❀❀

# باب ما جاء فی خاتم النبوة

## باب حضور اقدس ﷺ کی مہر نبوت کا بیان

ف: یہ مضمون حضور اقدس ﷺ کے حلیہ شریف کے ذیل میں ہونے کی وجہ سے پہلے باب کا جزو ہونا چاہیے تھا مگر شدت اہتمام کی وجہ سے اور نیز اس وجہ سے کہ یہ معجزہ اور علامات نبوت سے بھی ہے اس کو علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔ مہر نبوت حضور ﷺ کے بدن مبارک پر ولادت ہی کے وقت سے تھی جیسا کہ فتح الباری نے بواسطہ یعقوب بن حسن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا ہے اور حضور ﷺ کی وفات میں جب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو شک ہوا تو حضرت اسماءؓ نے مہر نبوت کے نہ ہونے سے وصال پر استدلال کیا کہ اس وقت وہ نہیں رہی تھی۔ چنانچہ مناوی نے اس قصہ کو مفصل نقل کیا ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس مہر نبوت پر کچھ لکھا ہوا تھا یا نہیں۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس پر (محمد رسول اللّٰہ) لکھا ہوا تھا' اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر (سر فانت المنصور) لکھا ہوا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم جہاں چاہے جاؤ تمہاری مدد کی جائے گی۔ بعض اکابر کی رائے یہ ہے کہ یہ روایتیں ثبوت کے درجہ کو نہیں پہنچی ہیں۔ اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا حاتم بن اسمٰعیل عن الجعد بن عبدالرحمن قال سمعت السائب ابن یزید یقول ذَهَبَتْ بِیْ خَالَتِیْ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِیْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَأْسِیْ وَدَعَالِیْ بِالْبَرَكَةِ وَتَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وُضُوْءِهٖ وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَنَظَرْتُ اِلَی الْخَاتَمِ الَّذِیْ بَیْنَ كَتِفَیْهِ فَاِذَا هُوَ مِثْلُ زِرِّ الْحَجَلَةِ

''سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ کو میری خالہ حضور اقدس ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا کہ یہ میرا بھانجہ بیمار ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے دعائے برکت فرمائی (بعض علماء کے نزدیک حضور ﷺ کا سر پر ہاتھ مبارک پھیرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے سر میں کوئی تکلیف تھی لیکن بندۂ ضعیف کے نزدیک اچھا یہ معلوم

ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا ان کے سر پر ہاتھ مبارک کا پھیرنا شفقت کے لیے تھا اس لیے کہ ۲ ہجری میں ان کی ولادت ہے تو حضور اقدس ﷺ کے وصال کے وقت تک بھی ان کی عمر آٹھ نو سال سے زائد کی نہیں تھی اس لیے یہ ہاتھ مبارک پھیرنا شفقت کا تھا۔ جیسے کہ بزرگوں کا معمول ہوتا ہے۔ اور علاج کے لیے حضور اقدس ﷺ نے وضو کا پانی پلوایا' جیسا کہ آگے آتا ہے یا کوئی اور تجویز فرمائی' بالخصوص جب کہ بخاری شریف کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاؤں میں کوئی تکلیف تھی ) اور حضور اکرم ﷺ نے وضو فرمایا تو میں نے حضور اقدس ﷺ کے وضو کا پانی پیا ( حضور اقدس ﷺ کا یہ وضو ممکن ہے کہ اپنی کسی غرض سے ہو لیکن ظاہر یہ ہے کہ ان کی دوا اور پانی پلانے ہی کی غرض سے حضور ﷺ نے وضو فرمایا ) میں اتفاقاً یا قصداً حضور ﷺ کے پس پشت کھڑا ہوا تو میں نے مہر نبوت دیکھی جو مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی ( جو کبوتر کے بیضہ کے برابر بیضوی شکل میں اس پردہ میں لگی ہوئی ہوتی ہے جو مسہری پر لٹکایا جاتا ہے۔ علماء اس لفظ کے ترجمہ میں مختلف ہوئے ہیں جس کا میں نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ بعض لوگوں نے اور طرح سے ترجمہ فرمایا ہے لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے جو مسلم شریف کے مشہور شارح ہیں اس معنی کو ترجیح دی ہے )''

ف: اس حدیث میں اگر وضو کے پانی سے وضو کا بچا ہوا پانی مراد ہے تب تو کوئی اشکال واختلاف ہی نہیں اور گر وضو کا وہ پانی مراد ہے جو بدن سے گرتا ہے جس کو ماء مستعمل کہتے ہیں تب بھی کوئی اشکال اس جگہ اس لیے نہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے تو فضلات تک بھی پاک ہیں' پھر ماء مستعمل کا کیا ذکر۔

(۲) حدثنا سعید بن یعقوب الطالقانی اخبرنا ایوب بن جابر عن سماك بن حرب عن جابر بن سمرة قال رَاَیْتُ الْخَاتَمَ بَیْنَ کَتِفَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غُدَّةً حَمْرَاءَ مِثْلَ بَیْضَةِ الْحَمَامَةِ

''جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی مہر نبوت کو آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دیکھا' جو سرخ رسولی جیسی تھی اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی تھی۔''

ف: مہر نبوت کی مقدار اور رنگ میں روایتیں کچھ مختلف ہیں۔ قرطبی نے ان میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ وہ کم وزیادہ بھی ہو جاتی تھی اور رنگ میں مختلف ہوتی رہتی تھی' بندۂ ناچیز کے نزدیک دوسری طرح جمع یہ بھی ممکن ہے کہ فی الحقیقت یہ سب تشبیہات ہیں اور تشبیہ ہر شخص کی اپنے ذہن کے موافق

ہوتی ہے جو تقریبی حالت ہوتی ہے اور تقریب کے اختلاف میں اشکال نہیں ہوتا بندہ کے نزدیک یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے۔

**(۳) حدثنا ابو مصعب المدنی اخبرنا یوسف ابن الماجشون عن ابیه عن عاصم بن عمر بن قتادہ عن جدته رمیثةؓ قالت سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ اَشَاءُ اَنْ اُقَبِّلَ الْخَاتَمَ الَّذِیْ بَیْنَ کَتِفَیْهِ مِنْ قُرْبِهٖ لَفَعَلْتُ یَقُوْلُ لِسَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ یَوْمَ مَاتَ اهْتَزَّ لَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ**

"رمیثہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مضمون سنا اور میں اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنی قریب تھی کہ اگر چاہتی تو مہر نبوت کو چوم لیتی۔ وہ مضمون یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ان کی موت کی وجہ سے حق تعالیٰ جل شانہ کا عرش بھی ان کی روح کی خوشی میں جھوم گیا۔"

ف: اس میں اختلاف ہے کہ عرش کی حرکت کی کیا وجہ اور کیا معنی؟ مشہور قول یہ ہے جس کے موافق ترجمہ لکھا گیا۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ عرش کے جھومنے سے مراد اہل عرش ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ عرش سے مراد سعد رضی اللہ عنہ کا اپنا تخت ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر راجح قول اول ہی ہے۔ یہ سعد بن معاذؓ بڑے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں۔ ان کے اور بھی فضائل کتب حدیث میں آتے ہیں ہجرت سے قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تعلیم و تبلیغ کے لیے مدینہ طیبہ بھیجا تھا ان کے ہاتھ پر یہ مسلمان ہوئے اپنی برادری کے سردار تھے اس لیے ان کے مسلمان ہوتے ہی تمام خاندان اسی روز مسلمان ہوگیا۔ سب سے اول جس خاندان نے مدینہ منورہ میں اسلام قبول کیا وہ یہی خاندان ہے۔ ۵ھ میں ان کا وصال سینتیس سال کی عمر میں ہوا۔ ستر ہزار فرشتے ان کے جنازہ کی نماز میں شریک ہوئے تھے لیکن باوجود ان سب کے حدیث شریف میں آتا ہے کہ قبر کی تھوڑی دیر کی تنگی ان کے لیے بھی پیش آئی۔ بڑی عبرت کی جگہ ہے آدمی کو عذاب قبر سے کسی طرح غافل نہیں ہونا چاہیے ہر وقت اس سے توبہ کرتے رہنا چاہیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جب کسی قبر پر گزر ہوتا تو اس قدر روتے کہ داڑھی مبارک تر ہو جاتی تھی۔ کسی نے عرض کیا کہ جنت اور دوزخ کا بھی تذکرہ ہوتا ہے اس پر تو آپ نہیں روتے اس پر اس قدر روتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے جو اس سے نجات پالے اس کے لیے اس کے بعد کی ساری منزلیں سہل ہو جاتی ہیں اور جو اس کے عذاب سے خلاصی نہ پا سکے اس کے لیے اس کے

بعد کی منزلیں اور بھی زیادہ دشوار ہو جاتی ہیں۔ نیز میں نے حضور ﷺ سے یہ بھی سنا ہے کہ میں نے جتنے مناظر دیکھے ہیں ان میں قبر کا منظر سب سے زیادہ ہولناک پایا (مشکوٰۃ) اللھم احفظنا منه امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس جگہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قصہ سے نہیں بلکہ اس حدیث میں مہر نبوت کا ذکر آ گیا اس لیے انہوں نے ذکر فرما دیا اور حضرت رمیثہ رضی اللہ عنہا کی غرض مہر نبوت کے بیان کرنے سے اپنے قریب ہونے کا بیان ہے کہ میں بہت ہی قریب تھی جب کہ میں نے یہ مضمون سنا، سننے میں کسی قسم کی غلطی وغیرہ کا احتمال نہیں۔

(۴) حدثنا احمد بن عبدة الضبی وغلی بن حجر وغیر واحد قالوا انبانا عیسی بن یونس عن عمر بن عبدالله مولی غفرة قال حدثنی ابراهیم بن محمد من ولد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ اِذَا وَصَفَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ وَقَالَ بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ

''ابراہیم بن محمد جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضور اقدس ﷺ کی صفت بیان کیا کرتے تو یہ یہ صفتیں بیان کرتے' اور حدیث مذکورہ سابق ذکر کی۔ منجملہ ان کے یہ بھی کہتے کہ حضور ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت تھی' اور آپ خاتم النّبیین تھے۔''

ف: یہ حدیث پہلے باب میں مفصل گزر چکی ہے اس لیے یہاں مختصر طور سے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور چونکہ اس میں مہر نبوت کا ذکر تھا اس لیے اس کو خاص طور سے ذکر کر دیا۔ یہ وہی حدیث ہے جو باب اول کے آٹھویں نمبر پر گزری ہے۔

(۵) حدثنا محمد بن بشار حدثنا ابو عاصم حدثنا عذرة بن ثابت حدثنی علباء بن احمر الیشکری قال حدثنی ابو زید عمرو بن اخطب الانصاری رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا زَيْدٍ اُدْنُ مِنِّیْ فَامْسَحْ ظَهْرِیْ فَمَسَحْتُ ظَهْرَهٗ فَوَقَعَتْ اَصَابِعِیْ عَلَى الْخَاتَمِ قُلْتُ وَمَا الْخَاتَمُ قَالَ شَعَرَاتٌ مُجْتَمِعَاتٌ

''علبا ابن احمر کہتے ہیں کہ مجھ سے عمرو بن اخطب صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے کمر ملنے کے لیے ارشاد فرمایا میں نے حضور ﷺ کی کمر ملنی

شروع کی تو اتفاقاً میری انگلی مہر نبوت پر لگ گئی۔ علبا کہتے ہیں کہ میں نے عمرو سے پوچھا کہ مہر نبوت کیا چیز تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ چند بالوں کا مجموعہ تھا۔''

ف: یہ پہلی روایات کے خلاف نہیں ہوئی اس لیے کہ اس کے اطراف میں بال بھی تھے۔ انہوں نے صرف ان کا ذکر کر دیا۔

(٦) حدثنا ابو عمار الحسین بن حریث الخزاعی حدثنا علی بن حسین بن واقد حدثنی ابی حدثنی عبدالله بن بریدة قال سَمِعْتُ اَبِیْ بُرَیْدَةَ یَقُوْلُ جَاءَ سَلْمَانُ الْفَارِسِیُّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ بِمَائِدَةٍ عَلَیْهَا رُطَبٌ فَوَضَعَهَا بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا سَلْمَانُ مَا هٰذَا فَقَالَ صَدَقَةٌ عَلَیْكَ وَعَلٰی اَصْحَابِكَ فَقَالَ ارْفَعْهَا فَاِنَّا لَا نَاكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ فَرَفَعَهَا فَجَاءَ الْغَدَ بِمِثْلِهٖ فَوَضَعَهٗ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا هٰذَا یَا سَلْمَانُ فَقَالَ هَدِیَّةٌ لَّكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ ابْسُطُوْا ثُمَّ نَظَرَ اِلَی الْخَاتَمِ عَلٰی ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاٰمَنَ بِهٖ وَكَانَ لِلْیَهُوْدِ فَاشْتَرَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِكَذَا وَكَذَا دِرْهَمًا عَلٰی اَنْ یَّغْرِسَ لَهُمْ نَخْلًا فَیَعْمَلَ سَلْمَانُ فِیْهِ حَتّٰی تُطْعِمَ فَغَرَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النَّخْلَ اِلَّا نَخْلَةً وَّاحِدَةً غَرَسَهَا عُمَرُ فَحَمَلَتِ النَّخْلُ مِنْ عَامِهَا وَلَمْ تَحْمِلْ نَخْلَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا شَانُ هٰذِهِ النَّخْلَةِ فَقَالَ عُمَرُؓ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا غَرَسْتُهَا فَنَزَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَغَرَسَهَا فَحَمَلَتْ مِنْ عَامِهٖ

بریدة بن الحصیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک خوان لے کر آئے جس میں تازہ کھجوریں تھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ سلمان یہ کیسی کھجوریں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر صدقہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے اس لیے میرے پاس سے اٹھا لو (اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ ہم لوگ سے کیا مراد ہے بعض کے نزدیک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جسے جمع کے لفظ سے تشریفاً تعبیر فرمایا اور بعض کے نزدیک جماعت انبیاء مراد ہے اور بعض کے نزدیک حضورؐ اور

حضور ﷺ کے وہ اقارب جن کو زکوٰۃ کا مال جائز نہیں مراد ہیں۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک یہ تیسرا احتمال راجح ہے اور علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراضات جو اس تیسری صورت میں ہیں زیادہ وقیع نہیں) دوسرے دن پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ سلمان کھجوروں کا طباق لائے اور حضور اقدس ﷺ کے ارشاد پر سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ ﷺ کے لیے ہدیہ ہے۔ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ ہاتھ بڑھاؤ (اور حضور اقدس ﷺ نے خود بھی نوش فرمایا۔ چنانچہ بیجوری نے اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا اس طرح پر دونوں دن لانا یہ حقیقت میں حضور اقدس ﷺ کے آقا بنانے کا امتحان تھا اس لیے کہ سلمان رضی اللہ عنہ پرانے زمانے کے علماء میں تھے اڑھائی سو برس اور بعض کے قول پر ساڑھے تین سو برس کی ان کی عمر ہوئی ہے۔ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی علامات میں جو پہلی کتب میں پڑھ رکھی تھیں یہ بھی دیکھا تھا کہ آپ صدقہ نوش نہیں فرماتے اور ہدیہ قبول فرماتے ہیں اور آپ ؐ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہے پہلی دونوں علامتیں دیکھنے کے بعد) پھر حضور اقدس ﷺ کی پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھی تو مسلمان ہو گئے۔ سلمان رضی اللہ عنہ اس وقت یہود بنی قریظہ کے غلام بنے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے ان کو خریدا (مجازاً خریدا کے لفظ سے تعبیر کر دیا ورنہ حقیقت میں انہوں نے سلمان رضی اللہ عنہ کو مکاتب بنایا تھا مکاتب بنانا اس کو کہتے ہیں کہ آقا غلام سے یہ معاملہ کرے کہ اتنی مقدار جو آپس میں طے ہو جائے کما کر دے دو، پھر تم آزاد ہو) اور بدل کتابت بہت سے درہم قرار پائے اور نیز یہ کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ان کے لیے (تین سو) کھجور کے درخت لگائیں اور ان درختوں کے پھل لانے تک ان کی خبر گیری کریں۔ پس حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے وہ درخت لگائے حضور ﷺ کا معجزہ تھا کہ سب درخت اسی سال پھل لے آئے مگر ایک درخت نہ پھلا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ درخت حضرت عمر ؓ کے ہاتھ کا لگایا ہوا تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے اس کو نکالا اور دوبارہ اپنے دست مبارک سے لگایا۔ حضور ﷺ کا دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ بے موسم درخت لگایا بھی اسی سال پھل لے آیا۔

ف: اس حدیث میں علماء نے بہت سی علمی تحقیقات فرمائی ہیں مثلاً یہ کہ جب سلمان رضی اللہ عنہ غلام تھے تو ان کا صدقہ اور ہدیہ جائز تھا یا نہیں، نیز ہدیہ اور صدقہ میں فرق کیا کیا ہیں وغیرہ وغیرہ؟ طویل بحثیں ہونے کی وجہ سے اختصاراً ترک کر دی گئیں۔ البتہ اس حدیث سے حضور ﷺ کا ایک خاص معمول

معلوم ہوا کہ ہدایا میں خدام وحضار کو شریک فرمایا کرتے تھے اور یہ حضور ﷺ کا خاص معمول تھا ہزاروں واقعات حدیث کی کتابوں میں اسی معمول کے مذکور ہیں۔ اس مضمون میں حضور ﷺ کا ایک ارشاد بھی نقل کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ (الھدایا مشترکۃ) ہدیے جو دیے جاتے ہیں وہ پاس بیٹھنے والوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ محدثانہ حیثیت سے اس حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہے اور کلام بھی ہے یعنی ضعیف ہے مگر مضمون کے اعتبار سے واقعات سے تائید ہوتی ہے یہ بات کہ کس قسم کے ہدیے مراد ہیں اور پاس بیٹھنے والوں میں سے کون مراد ہیں؟ تفصیل طلب ہے۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ ایک شیخ وقت کے پاس کوئی ہدیہ لایا ایک پاس بیٹھنے والے نے عرض کیا الھدایا مشترکۃ انہوں نے فرمایا ہم شرک کے خواہاں نہیں ہم تو وحدت پسند کرتے ہیں یہ سب تمہاری نذر ہے۔ وہ مقدار میں اتنا تھا کہ ان صاحب سے اٹھ بھی نہ سکا تو اپنے خادم کو حکم دیا کہ یہ ان کے گھر پہنچا دو' اس نے پہنچا دیا اسی طرح ایک مرتبہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں واقعہ پیش آیا کہ کچھ نقدی ہدیہ پیش کیا گیا۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا الھدایا مشترکۃ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اس سے خاص قسم کے ہدایا مراد ہیں اور یہ فرما کر خادم سے ارشاد فرمایا کہ اس کو اٹھا کر رکھ دو۔ علماء نے لکھا ہے کہ دونوں واقعے اپنی اپنی جگہ پر نہایت ہی موزوں ہیں۔ ایک زاہد صوفی کے وہی مناسب تھا جو انہوں نے کیا اور ایک فقیہ کے یہی مناسب تھا اور یہ سچ ہے امام ابو یوسفؒ فقہ کے مشہور امام ہیں اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ایک شرعی مسئلہ بن جاتا کہ ہدایا میں شرکت ضروری ہو جاتی اور امت کو دقت ہو جاتی۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب اپنی مبشرات اور منامات میں لکھی اس میں بہت سے عجیب واقعات ہیں منجملہ ان کے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بھی لکھا کہ ایک مرتبہ ابتدائی زمانہ میں مجھے شوق ہوا کہ ہمیشہ روزہ رکھا کروں۔ اس کے بعد علماء کے اختلاف کی وجہ سے مجھے تردد ہوا۔ خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے ایک روٹی مرحمت فرمائی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے انہوں نے فرمایا الھدایا مشترکۃ میں نے وہ روٹی سامنے کر دی انہوں نے ایک ٹکڑا اس میں سے لے لیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا الھدایا مشترکۃ میں نے ان کے سامنے بھی پیش کر دی' انہوں نے بھی ایک ٹکڑا اس میں سے لے لیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا الھدایا مشترکۃ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ ہی حضرات نے تقسیم فرما لیا تو اس فقیر کے لیے کیا بچے گا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ میں ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب قرآن شریف کی آیت ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ

ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾ [سورۂ محمد] نازل ہوئی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم (ایمان لانے سے) روگردانی کرو گے تو اللہ جل شانہ تمہاری جگہ ایک دوسری قوم کو لے آئے گا جو تم جیسی نہ ہوگی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے جو ہماری جگہ آئیں گے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ مار کر ارشاد فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے' اگر ایمان ثریا پر معلق ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ اس کو وہاں سے بھی لے لیتے' علماء نے لکھا ہے کہ یہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں بشارت ہے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ خود اپنے ایمان لانے کا مفصل قصہ نقل فرماتے ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے اور اس میں ان علامات کا ذکر ہے جن کا انہوں نے امتحان لیا وہ فرماتے ہیں کہ میں صوبہ اصبہان میں ایک جگہ کا رہنے والا ہوں جس کا نام جے تھا' میرا باپ اس جگہ کا چودھری اور سردار تھا اور مجھ سے بہت ہی زیادہ اس کو محبت تھی میں نے اپنے قدیم مذہب مجوسیت میں اتنی زیادہ کوشش کی کہ میں آتش کدہ کا محافظ بن گیا۔ مجھے باپ نے ایک مرتبہ اپنی جائیداد کی طرف بھیجا۔ راستہ میں میرا گزر نصاریٰ کے گرجے پر ہوا میں سیر کے لیے اس میں چلا گیا میں نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو مجھے وہ پسند آ گئی اور اس دین کو پسند کرنے لگا شام تک میں وہیں رہا ان سے میں نے دریافت کیا کہ اس دین کا مرکز کہاں ہے؟ انہوں نے کہا ملک شام میں ہے' رات کو میں گھر واپس آیا' گھر والوں نے پوچھا کہ تو تمام دن کہاں رہا۔ میں نے تمام قصہ سنایا' باپ نے کہا کہ بیٹا وہ دین اچھا نہیں ہے تیرا اور تیرے بڑوں کا جو دین ہے وہی بہتر ہے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں وہی دین بہتر ہے۔ باپ کو میری طرف سے خدشہ ہو گیا کہ کہیں چلا نہ جائے اس لیے میرے پاؤں میں ایک بیڑی ڈال دی اور گھر میں قید کر دیا میں نے ان عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام سے سوداگر لوگ جو اکثر آتے رہتے تھے آئیں تو مجھے اطلاع کرا دیں' چنانچہ کچھ سوداگر آئے اور ان عیسائیوں نے مجھے اطلاع کرا دی جب وہ سوداگر واپس جانے لگے تو میں نے اپنے پاؤں کی بیڑی کاٹ دی اور بھاگ کر ان کے ساتھ شام چلا گیا' وہاں پہنچ کر میں نے تحقیق کیا کہ اس مذہب کا سب سے زیادہ ماہر کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ گرجا میں فلاں بشپ ہے' میں اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ مجھے تمہارے دین میں داخل ہونے کی رغبت ہے اور تمہاری خدمت میں رہنا چاہتا ہوں' اس نے منظور کر لیا میں اس کے پاس رہنے لگا لیکن وہ کچھ اچھا آدمی نہ نکلا۔ لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دیتا اور جو کچھ جمع ہوتا اس کو اپنے خزانہ میں رکھ لیتا تو غریبوں کو کچھ نہ دیتا' وہ مر گیا

اس کی جگہ دوسرے شخص کو بٹھایا گیا وہ اس سے بہتر تھا اور دنیا سے بے رغبت تھا میں اس کی خدمت میں رہنے لگا اور اس سے مجھے محبت ہوگئی' بالآخر وہ بھی مرنے لگا تو میں نے اس سے پوچھا کہ مجھے کسی کے پاس رہنے کی وصیت کر دو۔ اس نے کہا کہ میرے طریق پر صرف ایک شخص دنیا میں ہے اس کے سوا کوئی نہیں وہ موصل میں رہتا ہے تو اس کے پاس چلے جانا۔ میں اس کے مرنے کے بعد موصل چلا گیا اور اسے جا کر اپنا قصہ سنایا اس نے اپنی خدمت میں رکھ لیا وہ بہترین آدمی تھا آخر اس کی بھی وفات ہونے لگی تو میں نے اس سے پوچھا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ اس نے کہا فلاں شخص کے پاس نصیبین میں چلے جانا میں اس کے پاس چلا گیا اور اس سے اپنا قصہ سنایا' اس نے پاس رکھ لیا وہ بھی اچھا آدمی تھا جب اس کے مرنے کا وقت آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ اس نے کہا کہ عموریا میں فلاں شخص کے پاس چلے جانا' میں وہاں چلا گیا اور اس کے پاس اسی طرح رہنے لگا' وہاں میں نے کچھ کمائی کا دھندا بھی کیا جس سے میرے پاس چند گائیں اور کچھ بکریاں جمع ہوگئیں جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ اس نے کہا کہ اب خدا کی قسم کوئی شخص اس طریقہ کا جس پر ہم لوگ ہیں عالم نہیں رہا۔ البتہ نبی آخر الزمانؐ کے پیدا ہونے کا زمانہ قریب آ گیا ہے جو دین ابراہیمی پر ہوں گے' عرب میں پیدا ہوں گے اور ان کی ہجرت کی جگہ ایسی زمین ہے جہاں کھجوروں کی پیداوار بکثرت ہے اور اس کے دونوں جانب کنکریلی زمین ہے وہ ہدیہ نوش فرمائیں گے اور صدقہ نہیں کھائیں گے' ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی (یہ ان کی علامات ہیں اسی وجہ سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان علامات کی تحقیق کی تھی) پس اگر تجھ سے ہو سکے تو اس سرزمین پر پہنچ جانا۔ اس کے انتقال کے بعد قبیلہ بنوکلب کے چند تاجروں کا وہاں سے گزر ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھے اپنے ساتھ عرب لے چلو تو اس کے بدلے میں یہ گائیں اور بکریاں تمہاری نذر ہیں' انہوں نے قبول کر لیا اور مجھے وادی القریٰ (یعنی مکہ مکرمہ) لے آئے اور وہ گائے اور بکریاں میں نے ان کو دے دیں۔ لیکن انہوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا کہ مجھے مکہ مکرمہ میں اپنا غلام ظاہر کیا اور مجھے بیچ دیا۔ بنوقریظہ کے ایک یہودی نے مجھے خرید لیا اور اپنے ساتھ اپنے وطن مدینہ طیبہ لے آیا۔ مدینہ طیبہ کو دیکھتے ہی میں نے ان علامتوں سے جو مجھے عموریا کے ساتھی (پادری) نے بتائی تھیں پہچان لیا کہ یہی وہ جگہ ہے۔ میں وہاں رہتا رہا کہ اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قباہی میں تشریف فرما تھے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر جو کچھ میرے پاس تھا لے جا کر پیش کیا اور عرض کیا یہ صدقہ کا

مال ہے، حضور ﷺ نے خود تناول نہیں فرمایا صحابہ رضی اللہ عنہم (فقراء) سے فرمایا کہ تم کھالو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایک علامت تو پوری نکلی، پھر میں مدینہ واپس آ گیا اور کچھ جمع کیا کہ اس دوران میں حضور ﷺ بھی مدینہ منورہ تشریف لائے۔ میں نے کچھ (کھجوریں اور کھانا وغیرہ) پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ ہدیہ ہے، حضور ﷺ نے اس میں سے تناول فرمایا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری علامت بھی پوری ہو گئی۔ اس کے بعد میں ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا اس وقت حضور ﷺ (ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں شرکت کی وجہ سے) بقیع میں تشریف فرما تھے میں نے سلام کیا اور پشت کی طرف گھومنے لگا، آپ سمجھ گئے اور اپنی چادر مبارک کمر سے ہٹا دی۔ میں نے مہر نبوت کو دیکھا میں جوش میں اس پر جھک گیا، اس کو چوم رہا تھا اور رو رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا سامنے آؤ۔ میں سامنے حاضر ہوا اور حاضر ہو کر سارا قصہ سنایا۔ اس کے بعد میں اپنی غلامی کے مشاغل میں پھنسا رہا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے آقا سے مکاتبت کا معاملہ کر لو۔ میں نے اس سے معاملہ کر لیا اس نے دو چیزیں بدل کتابت قرار دیں۔ ایک یہ کہ چالیس اوقیہ نقد سونا (ایک اوقیہ چالیس درھم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً ۳؍۴ ماشہ کا) دوسری یہ کہ تین سو درخت کھجور کے لگاؤں اور ان کو پرورش کروں یہاں تک کہ کھانے کے قابل ہو جائیں۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے درخت لگائے جس کا قصہ شمائل میں موجود ہے اور اتفاق سے کسی جگہ سے سونا حضور ﷺ کے پاس آ گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرما دیا کہ اس کو جا کر اپنی بدل کتابت میں دے دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! یہ کیا کافی ہو گا وہ بہت زیادہ مقدار ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ اسی سے عجب نہیں پورا فرما دے۔ چنانچہ میں لے گیا اور اس میں سے وزن کر کے چالیس اوقیہ سونا اس کو تول دیا (جمع الفوائد) اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شمائل کی روایت میں حضور اقدس ﷺ کا حضرت سلمانؓ کو خریدنا اسی لحاظ سے کہا گیا کہ ان کا بدل کتابت حضور اقدس ﷺ ہی نے ادا فرمایا۔ اپنے دست مبارک سے درخت لگائے اور خود ہی اپنے پاس سے وہ سونا عطا فرمایا جو بدل میں قرار پایا تھا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دس سے زیادہ آقاؤں کی غلامی میں وہ رہے ہیں۔ غزوۂ خندق میں انہی کے مشورہ سے خندق کھدوائی گئی ورنہ عرب میں اس سے پہلے خندق کا دستور نہ تھا نہ لوگ خندق کو جانتے تھے۔

**(۷) حدثنا محمد بن بشار حدثنا بشر بن الوضاح انبأنا ابو عقیل الدورقی عن ابی نضرة العوفی قال سَأَلْتُ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ عَنْ خَاتَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ**

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي خَاتَمِ النُّبُوَّةِ فَقَالَ كَانَ فِي ظَهْرِهٖ بِضْعَةٌ نَاشِزَةٌ

''ابونضرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کا حال پوچھا تو انہوں نے یہ بتلایا کہ آپ کی پشت مبارک پر ایک گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا تھا۔

(۸) حدثنا ابوالاشعث احمد بن المقدام العجلی البصری حدثنا حماد بن زید اخبرنا عاصم الاحوال عن عبدالله بن سرجسؓ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي نَاسٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَدُرْتُ هٰكَذَا مِنْ خَلْفِهٖ فَعَرَفَ الَّذِي اُرِيْدُ فَاَلْقَى الرِّدَاءَ عَنْ ظَهْرِهٖ فَرَاَيْتُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ عَلٰى كَتِفَيْهِ مِثْلَ الْجَمْعِ حَولَهَا خِيْلَانٌ كَاَنَّهَا ثَالِيْلُ فَرَجَعْتُ حَتّٰى اسْتَقْبَلْتُهٗ فَقُلْتُ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ وَلَكَ فَقَالَ الْقَوْمُ اسْتَغْفَرَلَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَلَكُمْ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ الاية

''عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت مجمع تھا میں نے اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پس پشت چکر لگایا (راوی نے اس جگہ غالباً چکر لگا کر فعلی صورت بیان کی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا منشاء سمجھ گئے اور اپنی پشت مبارک سے چادر اتار دی۔ میں نے مہر نبوت کی جگہ کو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کے ہم شکل دیکھا جس کے چاروں طرف تل تھے جو گویا مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے۔ پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ شانہ آپ کی مغفرت فرمائے (یا اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت فرمادی جیسا کہ سورۂ فتح میں اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے) حضور نے فرمایا اللہ تیری بھی مغفرت فرمائے۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے لیے دعائے مغفرت فرمائی میں نے کہا ہاں اور تم سب کے لیے بھی اس لیے کہ اللہ جل شانہ نے حکم فرمایا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مغفرت کی دعا کروا اپنے لیے بھی اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے بھی (اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سب ہی کے لیے دعائے مغفرت فرما چکے ہیں)''

❀❀❀

# بَابُ مَا جَاءَ فِیْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

## باب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بالوں کا بیان

ف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پٹھوں کی مقدار میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا اور ان میں کچھ تعارض نہیں اس لیے کہ بال بڑھنے والی چیز ہے ایک زمانہ میں اگر کان کی لو تک تھے تو دوسرے زمانہ میں اس سے زائد اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر منڈانا چند مرتبہ ثابت ہے تو جس نے قریب کا زمانہ نقل کیا اس نے چھوٹے بال نقل کیے اور جس نے بال منڈے ہوئے عرصہ ہو جانے کے وقت کو نقل کیا اس نے زیادہ بال نقل کیے۔ بعض علماء نے اس طرح پر بھی جمع فرمایا ہے کہ سر مبارک کے اگلے حصہ کے بال نصف کانوں تک پہنچ جاتے تھے اور وسط سر مبارک کے اس سے نیچے تک اور اخیر سر مبارک کے مونڈھوں کے قریب تک۔ اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

**(۱) حدثنا علی بن حجر انبأنا اسمٰعیل بن ابراھیم عن حمید عن انس بن مالك قال كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی نِصْفِ اُذُنَیْہِ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نصف کانوں تک تھے۔''

**(۲) حدثنا هناد بن السری حدثنا عبدالرحمن بن ابی الزناد عن هشام بن عوف عن ابیه عن عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قالت كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكَانَ لَہٗ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُوْنَ الْوَفْرَةِ**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن میں غسل کیا کرتے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک ایسے پٹھوں سے، جو کان کی لو تک ہوا کرتے ہیں زیادہ تھے اور ان سے کم تھے جو مونڈھوں تک ہوتے ہیں یعنی نہ زیادہ لمبے تھے نہ چھوٹے بلکہ متوسط درجے کے تھے۔''

ف: اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہر دو حضرات ننگے نہاتے تھے۔ اس لیے کہ حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا خود ہی فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا محل ستر اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا محل ستر شرم کبھی نہیں دیکھا۔ نیز برتن کا ایک ہونا بھی اس پر حجت نہیں۔ اس کی کئی صورتیں ایسی ممکن ہیں کہ غسل بھی ہو جائے اور دوسرے کے سامنے ننگا بھی نہ ہونا پڑے۔ نیز اس حدیث سے عورت اور مرد کا ایک برتن سے اکٹھے نہانا ثابت ہوتا ہے۔ علماء کا امام نووی کے قول کے موافق اس صورت کے جواز پر اجماع ہے' دوسری صورت یہ ہے کہ مرد پہلے غسل کرے اس کے بچے ہوئے پانی سے عورت غسل کرلے اور یہ بھی بالاتفاق سب کے نزدیک جائز ہے تیسری صورت اس کا عکس ہے کہ عورت پہلے نہاوے مرد اس کے بچے ہوئے سے نہائے۔ یہ صورت حنفیہ' شافعیہ' مالکیہ سب حضرات کے نزدیک جائز ہے۔ حنابلہ اس کو جائز نہیں بتاتے البتہ اگر عورت کے غسل کے وقت مرد وہاں موجود ہو تو وہ بھی جائز فرماتے ہیں۔ ان حضرات کا استدلال اور جمہور کی طرف سے اس کا جواب علمی بحث ہونے کی وجہ سے یہاں ترک کر دیئے گئے۔ مختصراً عربی حاشیہ میں ذکر کیے گئے لیکن جب ایک معتمد امام اس کے خلاف ہے اور حدیث میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے تو اس میں احتیاط اولیٰ ہے۔

**(۳) حدثنا احمد بن منیع حدثنا ابو قطن حدثنا شعبة عن ابی اسحٰق عن البراء بن عازبؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرْبُوْعًا بَعِيْدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ وَكَانَتْ جُمَّتُهُ تَضْرِبُ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ**

''حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم متوسط القامة تھے آپ کے دونوں شانوں کا درمیانہ حصہ وسیع تھا آپ کے بال کانوں کی لو تک ہوتے تھے۔''

ف: یہ حدیث حلیہ شریف میں بھی مفصل گزر چکی ہے بالوں کے ذکر کی وجہ سے یہاں پھر اس کو مختصراً ذکر کر دیا گیا۔

**(۴) حدثنا محمد بن بشار حدثنا وهب بن جریر بن حازم حدثنی ابی عن قتادة قال قُلْتُ لِاَنَسٍ كَيْفَ كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ وَلَا بِالسَّبْطِ كَانَ يَبْلُغُ شَعْرُهُ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ**

''قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہ بالکل پیچیدہ نہ بالکل کھلے ہوئے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگریالا پن لیے ہوئے تھے جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔''

**(۵) حدثنا محمد بن یحیی بن ابی عُمَر المکی حدثنا سفیان بن عیینة عن**

ابن ابی نجیح عن مجاھد عن ام ھانی بنت ابی طالب قالت قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْنَا مَکَّۃَ قَدْمَۃً وَلَہٗ اَرْبَعُ غَدَائِرَ

''ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد ایک مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کے بال مبارک چار حصہ مینڈھیوں کے طور پر ہو رہے تھے۔''

ف: مشہور قول کے موافق ہجرت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ کو تشریف آوری چار مرتبہ ہوئی اول عمرۃ القضاء میں جو سنہ سات ہجری میں تھا۔ پھر فتح مکہ میں سنہ آٹھ ہجری، پھر اسی سفر میں عمرۃ الجعرانہ کے لیے، پھر سنہ دس ہجری میں حج کے لیے۔ یہ تشریف آوری جس کا اس حدیث شریف میں ذکر ہے بیجوری کے قول کے موافق فتح مکہ کے وقت ہوئی اور یہی مظاہر حق میں لکھا ہے۔ بعض علماء نے اور اوقات بھی تحریر فرمائے ہیں۔ مردوں کے لیے عورتوں کی طرح سے مینڈھیاں مکروہ ہیں اس حدیث سے مینڈھیوں سے وہی مراد لی جائیں جس میں تشبہ نہ ہو کہ تشبہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ممانعت فرمائی ہے۔

(۶) حدثنا سوید بن نضر حدثنا عبداللہ بن المبارک عن معمر عن ثابت البنانی عن انس رضی اللہ عنہ اَنَّ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِلٰی اَنْصَافِ اُذُنَیْہِ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نصف کانوں تک ہوتے تھے۔''

(۷) حدثنا سوید بن نضر حدثنا عبداللہ بن المبارک عن یونس بن زید عن الزھری حدثنا عبیداللہ ابن عبداللہ بن عتبۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَسْدِلُ شَعْرَہٗ وَکَانَ الْمُشْرِکُوْنَ یَفْرِقُوْنَ رُءُوْسَھُمْ وَکَانَ اَھْلُ الْکِتٰبِ یَسْدِلُوْنَ رُءُوْسَھُمْ وَکَانَ یُحِبُّ مُوَافَقَۃَ اَھْلِ الْکِتٰبِ فِیْمَا لَمْ یُؤْمَرْ فِیْہِ بِشَیْءٍ ثُمَّ فَرَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَأْسَہٗ

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اولاً بالوں کو بغیر مانگ نکالے ویسے ہی چھوڑ دیا کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے اور اہل کتاب نہیں نکالتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً ان امور میں جن میں کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا

اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے لیکن اس کے بعد یہ منسوخ ہو گیا اس لیے حضو راقدس ﷺ مخالفت اہل کتاب کرنے لگے۔''

**(۸) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی عن ابراهیم بن نافع المکی عن ابن ابی نجیح عن مجاهد عن ام هانیؓ قالت رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَا ضَفَائِرَ اَرْبَعٍ**

''ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو چار گیسوؤں والا دیکھا۔''

**ف:** بظاہر یہ حدیث وہی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

❀❀❀

# بَابُ مَا جَاءَ فِیْ تَرَجُّلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

## باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں کنگھا کرنے کا بیان

ف: بالوں میں کنگھا کرنا مستحب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب بھی فرمائی ہے اور خود بھی اپنے مبارک بالوں میں کنگھا کیا کرتے تھے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں پانچ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا اسحٰق بن موسی الانصاری حدثنا معن بن عیسٰی حدثنا مالك بن انسٍ عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رضی اللہ عنہا قَالَتْ کُنْتُ اُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں کنگھا کرتی تھی، حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔''

ف: اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ ثابت فرمایا ہے کہ حائضہ کو حالت حیض میں مرد کی خدمت کرنا جائز ہے۔ حیض سے عورت کا تمام جسم نجس نہیں ہوتا۔ صحبت وغیرہ البتہ ناجائز ہے۔

(۲) حدثنا یوسف بن عیسٰی حدثنا وکیع حدثنا الربیع بن صبیح عن یزید بن ابان هو الرقاشی عن انس بن مالكؓ قال کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یُکْثِرُ دَھْنَ رَأْسِهٖ وَتَسْرِیْحَ لِحْیَتِهٖ وَیُکْثِرُ الْقِنَاعَ حَتّٰی کَانَ ثَوْبَهٗ ثَوْبُ زَیَّاتٍ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر اکثر تیل کا استعمال فرماتے تھے اور اپنی داڑھی مبارک میں اکثر کنگھی کیا کرتے تھے اور اپنے سر مبارک پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے جو تیل کے کثرت استعمال سے ایسا ہوتا تھا جیسے تیلی کا کپڑا ہو۔''

ف: یعنی تیل سے چونکہ کپڑے خراب ہو جاتے ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظافت کے خلاف ہے اس لیے اس کی حفاظت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑا سر پر ڈال لیتے تھے تاکہ عمامہ وغیرہ خراب نہ ہو۔

(۳) حدثنا هناد بن السری حدثنا ابو الاحوص عن اشعث بن ابی الشعثاء عن ابیه عن مسروق عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَیُحِبُّ

التَّيَمُّنَ فِیْ طُهُوْرِهٖ اِذَا تَطَهَّرَ وَفِیْ تَرَجُّلِهٖ اِذَا تَرَجَّلَ وَفِیْ انْتِعَالِهٖ اِذَا انْتَعَلَ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وضو کرنے میں، کنگھی کرنے میں، جوتہ پہننے میں، (غرض ہر امر میں) دائیں کو مقدم رکھتے تھے یعنی پہلے دائیں جانب کنگھا کرتے پھر بائیں جانب۔''

ف: ان تین چیزوں کی جو حدیث میں ذکر کی گئی ہیں کچھ قید نہیں۔ بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کی دائیں سے ابتداء کرنا پسند فرماتے تھے اسی وجہ سے ترجمہ میں ہر چیز کا اضافہ کر دیا اور اس کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا وجود زینت اور شرافت ہے اس کے پہننے میں دایاں مقدم ہوتا ہے جیسے کپڑا جوتا اور نکالنے میں بایاں مقدم۔ اور جس چیز کا وجود زینت نہیں اس کے کرنے میں بایاں مقدم کرنا چاہیے۔ جیسے پاخانہ جانا کہ اس میں جاتے وقت بایاں پاؤں مقدم ہونا چاہیے اور نکلتے وقت دایاں۔ برخلاف مسجد کے کہ اس کا قیام شرافت اور بزرگی ہے اس لیے مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں اول داخل کرنا چاہیے اور نکلتے وقت بایاں پاؤں اول نکالنا چاہیے۔

(۴) حدثنا محمد بن بشار حدثنا يحيى بن سعيد عن هشام بن حسان عن الحسن البصرى عن عبدالله بن مغفلؓ قال نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ التَّرَجُّلِ اِلَّا غِبًّا

''عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی کرنے کو منع فرماتے تھے مگر گاہے گاہے۔''

ف: قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ گاہے گاہے سے مراد تیسرا دن ہے۔ ابوداؤد شریف میں ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روزانہ کنگھا کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ ممانعت جب ہے جب کوئی ضرورت اس کی مقتضی نہ ہو ورنہ کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ یہ ممانعت بطور کراہیت تنزیہی کے ہے اور اس حالت کے ساتھ مخصوص ہے کہ جب بالوں میں پراگندگی نہ ہو۔ پراگندگی کی صورت میں روزانہ کنگھی کرنا مکروہ نہیں ہے۔

(۵) حدثنا الحسن بن عرفة قال حدثنا عبدالسلام بن حرب عن يزيد بن ابى خالد عن ابى العلاء الاودى عن حميد بن عبدالرحمن عن رجل من اصحاب النبى صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَرَجَّلُ غِبًّا

''حمید بن عبدالرحمٰن ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گاہے گاہے کنگھی کیا کرتے تھے۔''

# باب ما جاء فی شیب رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے سفید بال آجانے کا ذکر

ف: اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

**(۱) حدثنا محمد بن بشار حدثنا ابوداؤد حدثنا همام عن قتادة قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ هَلْ خَضَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ اِنَّمَا كَانَ شَيْبًا فِيْ صُدْغَيْهِ وَلٰكِنْ اَبُوْبَكْرٍ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ**

''قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ خضاب کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے بالوں کی سفیدی اس مقدار ہی کو نہ پہنچی تھی کہ خضاب کی نوبت آتی۔ سفیدی حضور ﷺ کے صرف دونوں کنپٹیوں میں تھوڑی سی تھی، البتہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حنا اور کتم سے خضاب فرمایا کرتے تھے۔''

ف: کتم ایک گھاس ہے جس سے خضاب کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف کتم کا خضاب سیاہ ہوتا ہے اور مہندی کے ساتھ ملا کر سرخ ہوتا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف کتم کا خضاب سبز ہوتا ہے اور مہندی کے ساتھ ملا کر مائل بسیاہی ہو جاتا ہے۔ ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ غلبہ کا اعتبار ہوتا ہے اگر غلبہ کتم کا ہوتا ہے تو خضاب سیاہ ہو جاتا ہے اور غلبہ مہندی کا ہوتا ہے تو سرخ۔ الغرض خضاب دونوں سے جائز ہے مگر سیاہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ خالص سیاہ خضاب کی ممانعت احادیث سے ثابت ہے۔

**(۲) حدثنا اسحٰق بن منصور ویحیی بن موسیٰ قالا حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن ثابت عن انسؓ قال مَا عَدَدْتُ فِيْ رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِحْيَتِهٖ اِلَّا اَرْبَعَ عَشْرَةَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں چودہ سے زائد سفید بال نہیں گنے۔''

ف: حضور ﷺ کے سفید بال بہت ہی کم تھے لیکن ان کی تعداد میں اختلاف ہے اس روایت سے

چودہ معلوم ہوتے ہیں بعض روایات سے سترہ اٹھارہ اور بعض سے تقریباً بیس معلوم ہوتے ہیں یہ کچھ ایسا اختلاف نہیں، مختلف زمانوں پر بھی محمول ہوسکتی ہیں اور گننے کے فرق پر بھی حمل کی جاسکتی ہیں۔

(۳) حدثنا محمد بن مثنی حدثنا ابوداؤد انبانا شعبة عن سماك بن حرب قال سمعت جابر بن سمرةؓ يُسْئَلُ عَنْ شَيْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فقال كَانَ اِذَا دَهَنَ رَأْسَهُ لَمْ يُرَمِنْهُ شَيْبٌ فَاِذَا لَمْ يَدَّهِنْ رُئِیَ مِنْهُ

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کسی نے حضور اقدس ﷺ کے سفید بالوں کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب حضور اقدس ﷺ تیل کا استعمال فرماتے تھے تو وہ محسوس نہیں ہوتے تھے ورنہ کچھ سفیدی کہیں کہیں محسوس ہوتی تھی۔"

ف: تیل کے استعمال کے وقت چونکہ سب بال چمکنے لگتے تھے اسلیے بالوں کی سفیدی تیل کی چمک میں مخلوط ہوجاتی تھی یا اس وجہ سے کہ تیل کی وجہ سے بال جم جاتے تھے تو سفید بال اپنی قلت کی وجہ سے مستور ہوجاتے تھے اور جب تیل لگا ہوا نہیں ہوتا تھا تو وہ منتشر ہونے کی وجہ سے ظاہر ہوجاتے تھے۔

(۴) حدثنا محمد بن عمر بن الوليد الكندی الكوفی انبأنا يحيی بن ادم عن شريك عن عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمرؓ قال اِنَّمَا كَانَ شَيْبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِنْ عِشْرِيْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ

"ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سفید بال تقریباً بیس تھے۔"

ف: یہ پہلے گزر چکا کہ یہ روایت اوروں کے کچھ خلاف نہیں۔

(۵) حدثنا ابو كريب محمد بن العلاء حدثنا معاوية بن هشام عن شيبان عن ابی اسحٰق عن عكرمة عن ابن عباسؓ قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍؓ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِیْ هُوْدٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَعَمَّ يَتَسَآءَ لُوْنَ وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ

"ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ بوڑھے ہوگئے ہیں (اس کی کیا وجہ حالانکہ آپ کا اعتدال اس کا مقتضی تھا کہ آپ جوان ہی رہتے، یا آپ کی عمر شریف کا مقتضی یہ تھا کہ آپ اس وقت تک جوان رہتے) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۂ ھود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ عم یتساء لون، سورۂ اذا الشمس کورت ان سورتوں نے بوڑھا بنادیا۔"

ف: ان سورتوں کی قید نہیں ان کے علاوہ سورۂ الحاقة، سورۂ القارعه، سورۂ غاشیه وغیرہ کا بھی ذکر آیا ہے۔ مقصود وہ سب سورتیں ہیں جن میں دہشت اثر امور کا ذکر ہے جیسے قیامت، جہنم، صور، شقی لوگوں کا انجام وغیرہ وغیرہ ہے۔ اسی لیے ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو امور میں جانتا ہوں اگر تمہیں معلوم ہو جاتے تو ہنسنا بہت ہی کم کر دیتے اور اکثر اوقات روتے رہا کرتے حتی کہ بیبیوں کے پاس جانا بھی چھوڑ دیتے (او کما قال) شرح سنۃ میں لکھا ہے کہ ایک صاحب کو حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی انہوں نے پوچھا یارسول اللہ! مجھے یہ حدیث پہنچی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ ھود نے مجھے بوڑھا بنا دیا کیا بات ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں ایک آیت ہے ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ یعنی دین پر ایسے مستقیم رہو جیسا کہ حکم ہے اور ظاہر ہے کہ حکم کے موافق پوری استقامت بہت ہی مشکل امر ہے اس لیے صوفیاء نے لکھا ہے کہ استقامت ہزار کرامتوں سے افضل ہے۔

(۶) حدثنا سفیٰن بن وکیع حدثنا محمد بن بشر عن علی بن صالح عن ابی اسحٰق عن ابی جحیفة قَالَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ نَرَاكَ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَاَخَوَاتُهَا

''ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ پر کچھ ضعف وغیرہ، اثر بڑھاپے کا محسوس ہونے لگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورۂ ھود جیسی سورتوں نے ضعیف کر دیا۔

ف: ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ دولت کدہ سے تشریف لاتے ہوئے داڑھی مبارک پہ ہاتھ پھیر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ منظر دیکھ کر عرض کیا یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کس قدر جلدی آپ پر بڑھاپا آ گیا اور یہ کہہ کر رونے لگے اور آنسو جاری ہو رہے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا سورۂ ھود جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ زمخشریؒ کہتے ہیں میں نے ایک کتاب میں دیکھا کہ ایک شخص شام کے وقت بالکل سیاہ جوان تھا، ایک ہی رات میں بالکل سفید ہو گیا۔ لوگوں نے پوچھا تو اس نے کہا میں نے رات قیامت کا منظر دیکھا ہے کہ لوگ زنجیروں سے کھینچ کر جہنم میں ڈالے جا رہے ہیں اس کی دہشت مجھ پر کچھ ایسی غالب ہوئی کہ اس نے ایک ہی رات میں مجھے اس حالت پر پہنچا دیا اللہ اکبر۔

(۷) حدثنا علی بن حجر قال انبانا شعیب بن صفوان عن عبدالملك بن عمیر عن ایاد بن لقیط العجلی عن ابی رمثة التیمی تیم الرباب قال اَتَیْتُ

النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَعِیَ ابْنٌ لِّیْ قَالَ فَأُرِیْتُہٗ فَقُلْتُ لَمَّا رَاَیْتُہٗ ھٰذَا نَبِیُّ اللّٰہِ وَعَلَیْہِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ وَلَہٗ شَعْرٌ قَدْ عَلَاہُ الشَّیْبُ وَشَیْبُہٗ اَحْمَرُ

''ابو رمثہ تیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کو ساتھ لیے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگوں نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا (کہ یہ تشریف فرما ہیں غالباً یہ پہلے سے پہچانتے نہ ہوں گے) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو مجھے معاً یہ کہنا پڑا کہ واقعی آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی بھی سبز تھی اور چادر بھی) اور آپ کے چند بالوں پر بڑھاپے کے آثار غالب ہو گئے تھے لیکن وہ بال سرخ تھے۔''

ف: چہرۂ انور پر جو آثار ہیبت ووقار اور انوار نبوت تھے ان کو دیکھ کر بے اختیار آدمی کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکل جاتے تھے کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں بلاشبہ آپ جھوٹے نہیں ہو سکتے وغیرہ وغیرہ، متعدد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس قسم کے الفاظ ابتدائی نظر میں حدیث کی کتابوں میں نقل کیے ہیں۔ حدیث بالا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سرخ بالوں کا بھی ذکر ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب فرمایا یا نہیں۔ بعض خضاب کے قائل ہیں وہ اس سرخی کو خضاب پر محمول فرماتے ہیں اور بعض لوگ قائل نہیں وہ فرماتے ہیں کہ بال جب سفید ہوتا ہے تو اکثر مرتبہ اول سرخ ہوتا ہے یہ سرخی اصلی تھی خضاب کی نہیں تھی۔ خضاب کا بیان مستقل دوسرے باب میں آنے والا ہے۔

(۸) حدثنا احمد بن منیع حدثنا سریج بن النعمان حدثنا حماد بن سلمة عن سماك بن حرب قال قِیْلَ لِجَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ مَا کَانَ فِیْ رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْبٌ قَالَ لَمْ یَکُنْ فِیْ رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ شَیْبٌ اِلَّا شَعَرَاتٌ فِیْ مَفْرِقِ رَأْسِہٖ اِذَا ادَّھَنَ وَرَاھُنَّ الدُّھْنُ

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں سفید بال تھے انہوں نے کہا کہ صرف چند بال مانگ پر تھے جو تیل لگانے کی حالت میں ظاہر نہیں ہوتے تھے۔''

ف: یہ روایت بظاہر اس روایت کے کچھ خلاف ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے شروع باب میں گزری ہے لیکن کوئی ایسا اشکال نہیں اس لیے کہ وہ دو چار بال مانگ میں تھے جو بالوں میں مستور ہو جاتے تھے اور تیل نہ ملنے کے وقت ظاہر ہوتے تھے۔ اس لیے اگر کسی روایت میں ان کا ذکر نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

# باب ما جاء فی خضاب رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے خضاب فرمانے کا ذکر

ف: اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان میں سے چار حدیثیں اس باب میں ذکر فرمائی ہیں۔ ان ہی مختلف روایات کی بناء پر علماء میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے خضاب فرمایا یا نہیں۔ اکثر حضرات کے نزدیک امام ترمذی رحمہ اللہ کا میلان خضاب نہ کرنے کی طرف ہے حنفیہ بھی اسی طرف مائل ہیں چنانچہ درمختار میں اس کی تصریح کی ہے کہ حضور ﷺ کا خضاب نہ کرنا زیادہ صحیح ہے اور علامہ شامیؒ نے اس کی یہی وجہ بتلائی ہے کہ حضور ﷺ کی داڑھی اور سر مبارک میں بخاری وغیرہ کی روایت کے موافق سترہ بال سفید تھے اور بیجوری شافعی رحمہ اللہ شارح شمائل اس کے قائل ہوئے ہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی کبھی خضاب فرمایا اور اکثر نہیں کیا۔

**مسئلہ:** علمائے حنفیہ کے نزدیک خضاب مستحب ہے لیکن مشہور قول کے موافق سیاہ خضاب مکروہ ہے۔ اور علمائے شافعیہ کے نزدیک خضاب سنت ہے مگر سیاہ خضاب حرام ہے۔

(۱) حدثنا احمد بن منیع حدثنا هشیم حدثنا عبدالملك بن عمیر عن ایاد بن لقیط قال اخبرنی ابو رمثةؓ قال اتیت رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَعَ ابْنٍ لِّیْ فَقَالَ ابْنُكَ هٰذَا فَقُلْتُ نَعَمْ اَشْهَدُ قَالَ لَا یَجْنِیْ عَلَیْكَ وَلَا تَجْنِیْ عَلَیْهِ قَالَ وَرَاَیْتُ الشَّیْبَ اَحْمَرَ قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی هٰذَا الْبَابُ وَاَفْسَرُ لِاَنَّ الرِّوَایَاتِ الصَّحِیْحَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَبْلُغِ الشَّیْبَ وَاَبُوْ رِمْثَةَ اسْمُهٗ رِفَاعَةُ ابْنُ یَثْرِبِیِّ التَّیْمِیُّ

''ابو رمثہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اپنے لڑکے کو ساتھ لے کر حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت یہ میرا بیٹا ہے' آپ اس کے گواہ رہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کی جنایت کا بدلہ تجھ پر نہیں اور تیری جنایت کا بدلہ اس پر نہیں (فائدہ میں اس کی وضاحت آئے گی) ابو رمثہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

کہ اس وقت میں نے حضور ﷺ کے بعض بالوں کو سرخ دیکھا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خضاب کے بارے میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح و واضح ہے۔''

ف: زمانہ جاہلیت کا دستور تھا کہ بیٹا باپ کے جرم میں ماخوذ ہو جاتا تھا۔ ابو رمثہ نے اسی قاعدہ کی بنا پر یہ عرض کیا تھا کہ اگر کبھی اس امر کی ضرورت پیش آئے تو اس کے گواہ رہیں کہ واقعی یہ میرا بیٹا ہے۔ حضور ﷺ نے زمانہ جاہلیت کی اس رسم کا رد فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ اسلام کا یہ قاعدہ نہیں کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کوئی شخص دوسرے کے بوجھ کا ذمہ دار نہیں۔

(۲) حدثنا سفیٰن بن وکیع قال اخبرنا ابی عن شریك عن عثمان بن موهب قال سُئِل اَبُوْهُرَیْرَةَ هَلْ خَضَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی وَرَوٰی اَبُوْعُوَانَةَ هٰذَا الْحَدِیْثَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ فَقَالَ عَنْ اُمِّ سَلْمَةَ

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ نے خضاب کیا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں کیا۔''

(۳) حدثنا ابراهیم بن هٰرون قال انبأنا النضر بن زرارة عن ابی جنّاب عن ایاد بن لقیط عن الجهذمة امرأة بشیر بن الخصاصیة قَالَتْ اَنَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ مِنْ بَیْتِهٖ یَنْفُضُ رَأْسَهٗ وَقَدِ اغْتَسَلَ وَبِرَاْسِهٖ رَدْغٌ اَوْ قَالَ رَدْغٌ مِنْ حِنَّاءٍ شَكَّ فِیْ هٰذَا الشَّیْخُ

''جہذمہ جو بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو مکان سے باہر تشریف لاتے ہوئے دیکھا کہ حضور ﷺ نے غسل فرما رکھا تھا' اس لیے سر مبارک کو جھاڑ رہے تھے اور آپ کے سر مبارک پر حنا کا اثر تھا۔''

(۴) حدثنا عبدالله بن عبدالرحمن انبأنا عمرو بن عاصم حدثنا حماد بن سلمة انبأنا حمید عن انسؓ قال رَاَیْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَخْضُوْبًا قَالَ حماد واخبرنا عبدالله بن محمد بن عقیل رَاَیْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عند اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَخْضُوْبًا

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے بالوں کو خضاب کیا ہوا

دیکھا۔''

ف: حضور اقدس ﷺ کے خضاب میں مختلف روایتیں ہیں جیسا کہ مفصل گزر چکا ہے لیکن اس روایت میں ایک خاص اشکال ہے وہ یہ کہ اس سے پہلے باب کی سب سے پہلی حدیث میں خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خضاب کی نفی مذکور ہو چکی ہے لیکن دونوں روایتیں اگر صحیح مان لی جائیں تو مختلف اوقات پر محمول ہو سکتی ہیں۔

# باب ما جاء کحل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

## باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سرمہ کا بیان

ف: سرمہ آنکھ میں ڈالنا مستحب ہے آدمی کو چاہیے کہ ثواب کی نیت سے سرمہ ڈالے کہ اس میں آنکھ کو فائدہ پہنچنے کے علاوہ اتباع کا ثواب بھی ہے' امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں پانچ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا محمد بن حمید الرازی انبأنا ابوداؤد الطیالسی عن عباد بن منصور عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اکْتَحِلُوْا بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهٗ یَجْلُوا الْبَصَرَ وَیُنْبِتُ الشَّعْرَ وَزَعَمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَتْ لَهٗ مُکْحُلَةٌ یَکْتَحِلُ مِنْهَا کُلَّ لَیْلَةٍ ثَلٰثَةً فِیْ هٰذِهٖ وَثَلَاثَةً فِیْ هٰذِهٖ

''ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اثمد کا سرمہ آنکھوں میں ڈالا کرو' اس لیے کہ وہ آنکھ کی روشنی کو بھی تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی زیادہ اگاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ بھی کہتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے تین تین سلائی ہر رات آنکھ میں ڈالا کرتے تھے۔''

ف: اثمد ایک خاص سرمہ کا نام ہے جو سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے بلاد مشرقیہ میں پیدا ہوتا ہے بعض اکابر اس سے اصفہانی سرمہ مراد لیتے ہیں اور بعض نے توتیا بتلایا ہے' علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تندرست آنکھوں والے اور وہ لوگ ہیں جن کو موافق آجائے ورنہ مریض آنکھ اس سے زیادہ دکھنے لگتی ہے۔ سرمہ کا سوتے وقت ڈالنا زیادہ مفید ہے کہ آنکھ میں دیر تک باقی بھی رہتا اور مسامات میں سرایت بھی اس وقت زیادہ کرتا ہے۔ سلائی کے بارے میں بھی مختلف روایتیں ہیں۔ بعض روایات میں دونوں آنکھوں میں تین تین وارد ہوئی ہیں جیسا کہ ابھی گزرا ہے اور بعض روایات میں دائیں آنکھ میں تین' بائیں میں دو وارد ہوئی ہیں۔ یہ مختلف اوقات پر محمول ہیں کہ بعض مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرماتے تھے اور بعض مرتبہ ایسا۔ حافظ ابن حجرؒ' ملا علی قاریؒ وغیرہ حضرات نے پہلی صورت کو راجح فرمایا

ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی متعدد احادیث میں یہی صورت نقل کی گئی ہے جیسا آئندہ روایات میں آرہا ہے۔

(۲) حدثناعبدالله بن الصباح الهاشمی البصری اخبرنا عبیدالله بن موسیٰ اخبرنا اسرائیل بن یونس عن عباد بن منصور وحدثنا علی بن حجر حدثنا یزید بن هٰرون انبأنا عباد بن منصور عن عکرمة عن ابن عباسؓ قال كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ اَنْ يَّنَامَ بِالْاِثْمِدِ ثَلٰثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ وَقَالَ یزید بن هٰرون فی حدیثه اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلٰثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ

''ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے قبل ہر آنکھ میں تین سلائی اثمد کے سرمہ کی ڈالا کرتے تھے اور ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے سونے کے وقت تین تین سلائی آنکھ میں ڈالا کرتے تھے۔''

(۳) حدثنا احمد بن منیع انبأنا محمد بن یزید عن محمد بن اسحٰق عن محمد بن المنکدر عن جابر قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْاِثْمِدِ عِنْدَ النَّوْمِ فَاِنَّهٗ يَجْلُوا الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اثمد کا سرمہ ضرور ڈالا کرو وہ نگاہ کو روشن بھی کرتا ہے اور پلکیں بھی خوب اگاتا ہے۔''

(۴) حدثنا قتیبة بن سعید قال اخبرنا بشر بن المفضل عن عبدالله بن عفان بن خیثم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ خَيْرَ اَكْحَالِكُمُ الْاِثْمِدُ يَجْلُوا الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ

''ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے سب سرموں سے سرمہ اثمد بہترین سرمہ ہے آنکھ کو بھی روشنی پہنچاتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔''

ف: اس حدیث کے راویوں میں بشر بن مفضل کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ ان کا معمول چار سو رکعات نفل روزانہ پڑھنے کا تھا اور ایک دن افطار اور ایک دن روزہ یہ دائمی معمول تھا۔

(۵) حدثنا ابراهیم بن المستمر البصری حدثنا ابو عاصم عن عثمان بن

عبدالملك عن سالم عن ابن عمرؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّہٗ یَجْلُوا الْبَصَرَ وَیُنْبِتُ الشَّعْرَ

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نقل کیا کہ اثمد ضرور ڈالا کرو وہ نگاہ کو بھی روشن کرتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔''

ف: ان سب روایتوں میں اثمد کی ترغیب ہے لیکن ان سے وہی آنکھیں مراد ہیں جن کو موافق آجائے ورنہ بعض عوارض کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ سرمہ موافق نہیں آتا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے' علماء نے ان ارشادات اور معمولات کی وجہ سے لکھا ہے کہ سرمہ ڈالنا سنت ہے اور خاص اثمد کا سرمہ افضل ہے لہٰذا اگر اثمد کے علاوہ کوئی اور سرمہ ڈالے تب بھی سنت ادا ہو جائے گی۔ البتہ فضیلت اس کے لیے ہے۔

# باب ما جاء فی لباس رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے لباس کا ذکر

ف: اس باب میں مصنفؒ نے سولہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ لباس کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ آدمی کا لباس کوئی واجب ہوتا ہے، کوئی مستحب، کوئی حرام، کوئی مکروہ اور کوئی مباح۔ آدمی کو لباس کے وقت اہتمام سے مندوبات کی طرف رغبت اور مکروہات سے اجتناب کرنا چاہیے۔ واجب وہ مقدار لباس ہے جس سے ستر عورت کیا جائے اور مندوب وہ ہے جس کے پہننے کی شریعت میں ترغیب آئی ہو جیسے عمدہ کپڑا عید بقرعید کے لیے اور سفید کپڑا جمعہ کے لیے۔ مکروہ وہ ہے جس کے نہ پہننے کی ترغیب آئی ہو جیسے غنی کے لیے ہمیشہ پھٹے پرانے کپڑے پہننا۔ حرام وہ ہے جس کے پہننے کی ممانعت آئی ہو جیسے مرد کے لیے ریشمی کپڑا بلا عذر پہننا۔

(۱-۲) حدثنا محمد بن حمید الرازی انبأنا الفضل بن موسیٰ وابو تمیلة وزید بن حباب عن عبدالمومن ابن خالد عن عبدالله بن بریدة عن ام سلمة قالت كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصَ

(۲) حدثنا علی بن حجر حدثنا الفضل بن موسی عن عبدالمومن بن خالد عن عبدالله بن بریدة عن ام سلمةؓ قالت كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصَ

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ حضور اقدس ﷺ سب کپڑوں میں کرتے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔''

ف: حضور اقدس ﷺ کے کرتہ کو زیادہ پسند فرمانے کی وجوہ علماء نے مختلف تحریر فرمائی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے بدن اچھی طرح ڈھانکا جاتا ہے بخلاف لنگی وغیرہ کے، اس لیے وہ پسند تھا، بعض کہتے ہیں کہ کم ہونے اور بدن پر بوجھ نہ ہونے کی وجہ سے بخلاف چادر وغیرہ کے۔ بعض کی رائے ہے کہ اس سے تکبر نہیں پیدا ہوتا بر خلاف بعض اور کپڑوں کے۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ کرتہ میں ستر عورت بھی اچھی طرح سے ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ تجمل اور زینت بھی

اچھی ہو جاتی ہے۔ برخلاف اور کپڑوں کے کہ ان سے یا تجمل میں کمی رہے گی۔ جیسے لنگی یا ستر عورت میں جیسے چادر۔ اس باب کی آٹھویں حدیث بظاہر اس حدیث کے مخالف ہے اس کے ساتھ تطبیق اسی جگہ ذکر کی جائے گی۔

**(۳) حدثنا زید بن ایوب البغدادی حدثنا ابو تمیلة عن عبدالمؤمن بن خالد عن عبدالله بن بریدة عن امه عن ام سلمةؓ قالت کان اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَلْبَسُهُ الْقَمِیْصَ**

''ایسے ہی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بعض لوگوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو پہننے کے لیے سب کپڑوں میں سے کرتہ زیادہ پسند تھا۔''

**قال ابو عیسٰی هکذا قال زیاد بن ایوب فی حدیثه عن عبدالله بن بریدة عن امه عن ام سلمة وهکذا روی غیر واحد عن ابی تمیلة مثل روایة زیاد بن ایوب وابو تمیلة یزید فی هذا الحدیث عن امه وهو اصح**

ف: ملا علی قاری نے دمیاط سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا کرتہ سوت کا بنا ہوا تھا جو زیادہ لمبا نہ تھا اور اس کی آستین بھی زیادہ نہ تھی۔ بیجوری نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے پاس صرف ایک ہی کرتہ تھا۔ اور حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کا معمول صبح کے کھانے میں شام کے لیے بچا کر رکھنے کا نہ تھا نہ شام کے کھانے میں سے صبح کے لیے بچانے کا تھا اور کوئی کپڑا کرتہ یا چادر یا لنگی یا جوتہ دو عدد نہ تھے۔ مناوی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کا کرتہ زیادہ لمبا نہ ہوتا تھا نہ اس کی آستینیں لمبی ہوتی تھیں۔ دوسری حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کا کرتہ ٹخنوں سے اونچا ہوتا تھا۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ نصف پنڈلی تک ہونا چاہیے۔

**(۴) حدثنا عبدالله بن محمد بن الحجاج معاذ بن هشام حدثنی ابی عن بدیل العقیلی عن شهر بن حوشب عن اسماء بنت یزیدؓ قالت کَانَ کُمُّ قَمِیْصِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الرُّسْغِ**

''اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے کرتہ کی آستین پہنچے تک ہوتی تھی۔''

ف: یہ روایت بظاہر اس روایت کے خلاف ہے جس میں آستین کا پہنچے سے نیچا ہونا وارد ہوا ہے علماء نے ان دونوں روایتوں کو چند طریق سے جمع کیا ہے اولاً یہ کہ تعدد اوقات پر حمل کی جائیں کہ کبھی ایسی ہوتی تھیں اور کبھی اس طرح۔ دوم یہ کہ آستین جس وقت میں سکڑی ہوئی ہوتی تھی تو پہنچے تک اور

جس وقت کہ سیدھی ہوتی تھی تو پہنچے سے نیچے تک بھی ہو جاتی تھی۔ بعض لوگوں نے دونوں روایتوں کو تخمینہ پر حمل فرمایا ہے اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بذل المجہود میں تحریر فرمایا ہے کہ پہنچے تک کی روایات افضلیت پر محمول ہیں اور زیادہ کی روایت بیان جواز پر۔ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کرتہ کی آستین میں سنت یہ ہے کہ پہنچے تک ہو اور کرتہ کے علاوہ چوغہ وغیرہ میں نیچے تک لیکن انگلیوں سے متجاوز نہ ہو۔

**(۵) حدثنا ابو عمار الحسین بن حریث حدثنا ابو نعیم حدثنا زهیر عن عروة بن عبدالله بن قشیر عن معاویة بن قرة عن ابیه قال اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَهْطٍ مِنْ مُزَیْنَةَ لِنُبَایِعَهٗ وَاِنَّ قَمِیْصَهٗ لَمُطْلَقٌ اَوْ قَالَ زِرُّ قَمِیْصِهٖ مُطْلَقٌ قَالَ فَاَدْخَلْتُ یَدِیْ فِیْ جَیْبِ قَمِیْصِهٖ فَمَسِسْتُ الْخَاتَمَ**

''قرۃ بن ایاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیعت کیلئے حاضر ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتہ کا تکمہ کھلا ہوا تھا میں نے آپ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر تبرکاً مہر نبوت کو چھوا۔

ف: ان کی حاضری جس وقت ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گریبان کھلا ہوا تھا۔ اسی حالت میں ان کو زیارت ہوئی۔ محبت کا لازمہ ہے کہ محبوب کی ہر ادا دل میں کھب جائے۔ عروہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے معاویہؓ کو اور ان کے بیٹے کو کبھی بھی گریبان کی گھنڈی لگائے نہیں دیکھا، گرمی ہو یا سردی ہمیشہ ان کی گھنڈیاں کھلی رہتی تھیں ان حضرات کے اسی عشق کی بدولت آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا امت کے پاس محفوظ ہے۔

**(۶) حدثنا عبد بن حمید حدثنا محمد بن الفضل حدثنا حماد بن سلمة عن حبیب بن الشهید عن الحسن عن انس بن مالکؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَهُوَ یَتَّکِئُ عَلٰی اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ عَلَیْهِ ثَوْبٌ قِطْرِیٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِهٖ فَصَلّٰی بِهِمْ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ سَاَلَنِیْ یَحْیَی بْنُ مَعِیْنٍ عَنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ اَوَّلَ مَا جَلَسَ اِلَیَّ فَقُلْتُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ فَقَالَ لَوْ کَانَ مِنْ کِتَابِكَ فَقُمْتُ لِاُخْرِجَ کِتَابِیْ فَقَبَضَ عَلٰی ثَوْبِیْ ثُمَّ قَالَ اَمْلِهٖ عَلَیَّ فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ لَّا اَلْقَاكَ قَالَ فَاَمْلَیْتُهٗ عَلَیْهِ ثُمَّ اَخْرَجْتُ کِتَابِیْ فَقَرَاْتُ عَلَیْهِ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر سہارا لگائے

ہوئے مکان سے تشریف لائے اس وقت حضور اقدس ﷺ پر ایک یمنی منقش کپڑا تھا جس میں حضور اقدس ﷺ لپٹے ہوئے تھے، پس حضور ﷺ نے باہر تشریف لا کر صحابہؓ کو نماز پڑھائی۔''

ف: یہ قصہ حضور اقدس ﷺ کی بیماری کا ہے، چنانچہ دارقطنی نے اس کی تصریح کی ہے اس لیے حضور ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر سہارا لگا رکھا تھا اور غالب یہ ہے کہ مرض الوفات کا قصہ ہے کہ اس قسم کے واقعات اس میں پیش آئے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے کسی چیز پر ٹیک لگانے کے باب میں بھی یہ حدیث آئے گی۔ اس حدیث کی سند کے متعلق ایک عجیب قصہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے جس سے حضرات محدثین رحمہم اللہ کا حدیث کے ساتھ شدتِ اشتیاق اور ان کی نگاہ میں دنیا کی بے ثباتی معلوم ہوتی ہے محمد بن الفضلؒ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ (جو علم حدیث کے بڑے جلیل القدر امام ہیں حتیٰ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ انہوں نے دس لاکھ حدیثیں اپنے ہاتھ سے لکھی ہیں) نے بیٹھتے ہی اس حدیث کو مجھ سے دریافت کیا میں نے سنانا شروع کیا تو وہ فرمانے لگے کہ کاش اپنی کتاب سے سناتے تاکہ زیادہ قابل اطمینان ہوتی۔ محمد بن فضلؒ کہتے ہیں کہ میں کتاب لینے کے لیے اندر جانے لگا تو یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور یہ کہنے لگے کہ پہلے مجھے حفظ ہی لکھاتے جاؤ موت و حیات کا کچھ اعتبار نہیں ممکن ہے کہ میں پھر مل سکوں نہ مل سکوں کتاب دیکھ کر دوبارہ سنا دینا۔ محمد بن فضلؒ کہتے ہیں کہ اول میں نے حفظ سنائی اور پھر کتاب لا کر دوبارہ دیکھ کر سنائی۔

اللہ اکبر ان کو طرفین کی حیات کا اس قدر بھی اطمینان نہیں تھا کہ اندر سے کتاب لانے تک زیست کا یقین ہو اور حدیث کا شغف یہ کہ اس کے فوت ہو جانے کا بعید خطرہ بھی گوارا نہ ہوا۔

(۷) حدثنا سوید بن نصر حدثنا عبداللہ بن المبارک عن سعید بن ایاس الجریری عن ابی نضرۃ عن ابی سعید الخدریؓ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاہُ بِاسْمِہٖ عِمَامَۃً اَوْ قَمِیْصًا اَوْ رِدَاءً ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا کَسَوْتَنِیْہِ اَسْاَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ۔

''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ کوئی کپڑا پہنتے تو اظہار مسرت کے طور پر اس کا نام لیتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ کرتہ مرحمت فرمایا ایسے ہی عمامہ چادر وغیرہ۔ پھر یہ دعا پڑھتے اللھم لک الحمد کما کسوتنیہ اسالک خیرہ وخیر ما صنع لہ

**واعوذ بك من شره وشرما صنع له** (ترجمہ) اے اللہ! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں اور کپڑے کے پہنانے پر تیرا ہی شکر ہے۔ یا اللہ! تجھ ہی سے اس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں (کہ خراب نہ ہو ضائع نہ ہو) اور ان مقاصد کی بھلائی اور خوبی چاہتا ہوں جن کے لیے یہ کپڑا بنایا گیا اور تجھ ہی سے اس کپڑے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جن کے لیے یہ کپڑا بنایا گیا ہے۔ کپڑے کی بھلائی برائی تو ظاہر ہے اور جس چیز کے لیے بنایا گیا کا مطلب یہ ہے کہ گرمی سردی اور زینت وغیرہ، جس غرض کے لیے پہنا گیا اس کی بھلائی یہ ہے کہ اللہ کی رضا میں استعمال ہو، عبادت پر معین ہو اور اس کی برائی یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں استعمال ہو، عجب وتکبر وغیرہ پیدا کرے۔"

**(۸) حدثنا هشام بن یونس الکوفی انبأنا القاسم بن مالك المزنی عن الجریری عن ابی نضرة عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ نحوه حدثنا محمد بن بشار انبأنا معاذ بن هشام حدثنی ابی عن قتادة عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ قال کَانَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَلْبَسُهُ الْحِبْرَةَ**

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو یمنی منقش چادر کپڑوں میں زیادہ پسندیدہ تھی۔"

ف: یہ حدیث بظاہر باب کی پہلی حدیث کے مخالف ہے جس میں کرتہ کا سب سے زیادہ پسندیدہ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ علماء نے اس کی مختلف توجیہیں فرمائی ہیں سب سے زیادہ سہل تو یہ ہے کہ ان میں کچھ منافات ہی نہیں وہ بھی زیادہ پسند تھا اور یہ بھی یا یہ کہا جائے کہ پہننے کے کپڑوں میں کرتہ زیادہ پسند تھا اور اوڑھنے کے کپڑوں میں چادر۔ بعض لوگوں نے ثبوت کے لحاظ سے اس حدیث کو زیادہ قوی بتایا ہے، بعض لوگوں نے اس پہلی حدیث کو اقسام لباس پر حمل کیا ہے کہ کپڑوں کی سب قسموں میں کرتہ زیادہ پسند تھا اور اس حدیث کو الوان پر یعنی رنگ کے لحاظ سے منقش چادر کا رنگ پسند تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ چادریں سبز رنگ کی ہوتی تھیں اور مقصود یہ ہے کہ رنگ کے اعتبار سے سبز رنگ پسند تھا کہ جنتی لباس سبز رنگ کا ہوگا۔

**(۹) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا عبدالرزاق انبأنا سفیان عن عون بن ابی جحیفة عن ابیه قال رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلَیْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی بَرِیْقِ سَاقَیْهِ قَالَ سُفْیٰنُ اُرَاهَا حِبْرَةً**

''ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ جوڑا پہنے ہوئے دیکھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں پنڈلیوں کی چمک گویا اب بھی میرے سامنے ہے۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں جہاں تک سمجھتا ہوں وہ سرخ جوڑا منقش جوڑا تھا۔''

ف: یہ قصہ حجۃ الوداع کا ہے جیسا کہ بخاری وغیرہ کی روایت میں بالتصریح موجود ہے سفیان اس روایت کی مراد میں منقش جوڑا اس لیے بتلاتے ہیں کہ سرخ کپڑے کی ممانعت آئی ہے اسی وجہ سے علماء کا اس میں اختلاف ہے چنانچہ حنفیہ کے بھی اس میں مختلف اقوال ہیں' سب سے پہلے باب میں بھی گزر چکا ہے کہ اس میں تفصیل ہے جو کپڑے کی تعیین کے بعد علماء سے تحقیق کی جاسکتی ہے حضرت قطب ارشاد مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ میں بکثرت یہ مضمون ہے کہ سرخ رنگ مرد کے لیے فتویٰ کی رو سے جائز ہے تقویٰ کے لحاظ سے ترک کرنا اولیٰ ہے کہ علماء میں مختلف فیہ ہے۔

**(۱۰) حدثنا علی بن خشرم حدثنا عیسی بن یونس عن اسرائیل عن ابی اسحٰق عن البراء بن عازبؓ قَالَ مَا رَاَیْتُ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ اَحْسَنَ فِیْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْ کَانَتْ جُمَّتُهٗ لَتَضْرِبُ قَرِیْبًا مِنْ مَنْکِبَیْهِ**

''حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی سرخ جوڑے والے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پٹھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھوں کے قریب تک آرہے تھے۔

ف: یہ حدیث پہلے باب میں گزر چکی ہے یہاں سرخ جوڑے کی وجہ سے مکرر ذکر کی گئی۔

**(۱۱) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی انبانا عبید الله بن ایاد عن ابیه عن ابی رمثةؓ قال رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْهِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ**

''ابو رمثہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے دیکھا۔''

ف: یہ حدیث پہلے بھی دو جگہ گزر چکی ہے لباس کی وجہ سے اس باب میں مختصر طور پر ذکر کی گئی۔

**(۱۲) حدثنا عبد بن حمید حدثنا عفان بن مسلم قال انبأنا عبدالله بن حسان**

العنبری عن جدتیه دحیبة وعلیبة عن قیلة بنت مخرمةؓ قالت رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْهِ اَسْمَالُ مُلَیَّتَیْنِ کَانَتَا بِزَعْفَرَانٍ وَقَدْ نَفَضَتْهُ وَفِی الْحَدِیْثِ قِصَّةٌ طَوِیْلَةٌ

''قیلہ بنت مخرمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ حضور والا پر دو پرانی لنگیاں تھیں جو زعفران میں رنگی ہوئی تھیں۔ لیکن زعفران کا کوئی اثر ان پر نہیں رہا تھا اور اس حدیث میں ایک طویل قصہ بھی ہے۔''

ف: زعفران کے رنگے ہوئے کپڑوں کی حدیث میں ممانعت بھی آئی ہے اسی لیے اس حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس زعفران کا اثر باقی نہیں رہا تھا تا کہ ان احادیث سے اختلاف واقع نہ ہو۔ حضور اکرم ﷺ کا پرانی دو چادریں پہننا تواضع کی وجہ سے تھا اسی وجہ سے صوفیاء نے شکستگی کی حالت کو اختیار فرمایا کہ یہ تواضع کی طرف لے جانے والی ہے اور تکبر سے دور کرنے والی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اگر یہ مقصود حاصل نہ ہو تو پھر شکستگی کی حالت محمود نہیں۔ چہ جائیکہ بجائے اس نفع کے اور مضرت حاصل ہو جیسا کہ اس زمانہ میں ہو رہا ہے کہ بسا اوقات اس اظہار شکستگی کو اظہار کمال کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور زبان حال سے سوال ہوتا ہے۔ حضرت ابوالحسن شاذلی قدس سرہ کا جو اکابر صوفیاء میں ہیں قصہ مشہور ہے کہ وہ ایک مرتبہ نہایت عمدہ لباس میں تھے کسی شکستہ حال نے ان پر اعتراض کیا تو آپ نے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ میری یہ ہیئت حق تعالیٰ شانہ کا حمد و شکر ظاہر کر رہی ہے اور تیری یہ حالت صورت سوال بن رہی ہے تو اپنی زبان حال سے لوگوں سے سوال کر رہا ہے۔ الغرض بہ نیت تواضع لباس فاخرہ نہ پہننا افضل ہے بشرطیکہ کسی اور مضرت کی طرف نہ پہنچ جائے۔ اس کے بالمقابل اگر کوئی دینی مصلحت مقتضی ہو مثلاً کسی ہدیہ دینے والے مخلص کی دلداری مقصود ہو یا اور کسی قسم کی دینی منفعت اس پر مرتب ہوتی ہو تو عمدہ لباس پہننا بھی افضل اور مندوب ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ ستائیس اونٹنیوں کے بدلہ میں ایک جوڑا خرید فرمایا اور پہنا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ ایک وقتی اور عارضی چیز تھی ورنہ عام لباس میرے آقا کا نہایت معمولی ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے اکثر مشائخ تصوف کا یہی معمول رہا ہے' البتہ حضرات نقشبندیہ اور شاذلیہ کا معمول اچھے لباس کا رہا ہے اور صورت سوال سے تحفظ کی رعایت اہم رہی جیسا کہ حضرت ابوالحسن شاذلیؒ نے فرمایا نفس کے دھوکہ سے احتراز دونوں جانبوں میں ضروری ہے شکستہ حالت میں شہرت اور تواضع کے اظہار میں ریا اور عمدہ لباس میں تکبر و نخوت خطرناک امور ہیں۔ اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے جس کو حضور

ﷺ کے لباس سے کوئی تعلق نہیں تھا اسی لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا۔ تقریباً دو ورق کا ہے' شراح نے بھی اس کو اختصاراً چھوڑ دیا ہے اس میں قیلہ کے ابتدائی اسلام کا قصہ اوراس کی کیفیت ہے' البتہ مشہور روایات میں اتنا اور بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس پرانے لباس میں غریبانہ نشست کے ساتھ تشریف فرما تھے ایک کھجور کی چھڑی حضور ﷺ کے دست مبارک میں تھی۔ ایک شخص حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کی یہ فقیرانہ ہیئت دیکھ کر رعب کی وجہ سے کانپنے لگے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کی اس حالت کوخود ملاحظہ فرمایا' یا کسی نے عرض کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ سکون اختیار کرو۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ ان پر سے سب خوف جاتا رہا۔ بعض احادیث سے یہ قصہ خود قیلہ ہی کا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے حضور ﷺ کی نشست کے بیان میں اس کا تھوڑا سا ذکر بھی فرمایا ہے اور قیلہ ہی کی طرف قصہ کی نسبت کی ہے جیسا کہ حضور ﷺ کی نشست کے باب میں آرہا ہے۔

(۱۳) حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا بشر بن المفضل عن عبدالله بن عثمان بن خيثم عن سعيد بن جبير عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيْكُمْ بِالْبَيَاضِ مِنَ الثِّيَابِ لِيَلْبَسْهَا اَحْيَاءُ كُمْ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ فَاِنَّهَا مِنْ خِيَارِ ثِيَابِكُمْ

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ سفید کپڑوں کو اختیار کیا کرو کہ یہ بہترین لباس میں سے ہے' سفید کپڑا ہی زندگی کی حالت میں پہننا چاہیے اور سفید ہی کپڑے میں مردوں کو دفن کرنا چاہیے۔''

ف: اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ کے سفید لباس پہننے کا ذکر نہیں۔ اسکو شمائل میں ذکر کرنا مخفی ہے لیکن یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نے اسکی ترغیب فرمائی تو خود پہننا بھی نکل آیا۔ چنانچہ بخاری وغیرہ میں حضور ﷺ کا سفید لباس زیب تن فرمانا بالتصریح ثابت ہے۔

(۱۴) حدثنا محمد بن بشار انبانا عبيد الرحمن بن مهدى حدثنا سفيان عن حبيب بن ابى ثابت عن ميمون بن ابى شيب عن سمرة بن جندبؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلْبَسُوا الْبَيَاضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْيَبُ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتٰكُمْ۔

''سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو

اس لیے کہ وہ زیادہ پاک صاف رہتا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔''

ف: زیادہ پاک صاف رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ذرا سا دھبہ کسی چیز کا پڑ جائے تو فوراً محسوس ہو جاتا ہے بخلاف رنگین کپڑے کے کہ اس میں تھوڑا سا دھبہ کم محسوس ہوتا ہے۔

**(۱۵) حدثنا احمد بن منیع انبأنا یحیی بن زکریا بن ابی زائدۃ حدثنا ابی عن مصعب بن شیبۃ عن صفیۃ بنت شیبۃ عن عائشۃؓ قالت خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاۃٍ وَعَلَیْہِ مِرْطٌ مِنْ شَعْرٍ اَسْوَدُ**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صبح کو مکان سے باہر تشریف لے گئے تو آپ کے بدن پر سیاہ بالوں کی چادر تھی۔''

**(۱۶) حدثنا یوسف بن عیسٰی حدثنا وکیع حدثنا یونس بن ابی اسحٰق عن ابیہ عن الشعبی عن عروۃ ابن المغیرۃ بن شعبۃ عن ابیہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّۃً رُوْمِیَّۃً ضَیِّقَۃَ الْکُمَّیْنِ**

''مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رومی جبہ زیب تن فرما رکھا تھا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔''

ف: یہ قصہ غزوۂ تبوک کا ہے علماء نے ایسی ہی احادیث سے استنباط فرمایا ہے کہ کفار کی بنائی ہوئی چیزیں ناپاک نہیں ہوتیں جب تک کہ کسی خارجی طریقے سے ان کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو۔ اس لیے کہ روم میں اس وقت تک لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کے بنے ہوئے کپڑے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیب تن فرمائے تھے۔

❀❀❀

# باب ما جاء في عيش النبي ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے گزارہ کے بیان میں

ف: یہ باب شمائل کے موجودہ نسخوں میں دو جگہ ملتا ہے ایک یہاں دوسرے اواخر کتاب میں لیکن دو جگہ مذکور ہونے کی کوئی خاص وجہ نہیں اسی لیے بعض نسخوں میں ہر دو باب کی احادیث کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے تاہم چونکہ اکثر نسخوں میں دو جگہ پایا جاتا ہے اس لیے یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کا مقصود اس جگہ صرف نفس تنگی کو بیان کرنا ہے اور اس جگہ حضور اقدس ﷺ نے تنگی کی حالت میں جو جو چیزیں استعمال یا نوش فرمائی ہیں ان کا ذکر مقصود ہے اسی وجہ سے یہاں صرف دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اور اس جگہ زیادہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں اس چیز کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ گزشتہ باب میں جو لباس میں بعض ایسی چیزیں گزری ہیں جیسا پرانی لنگی یا تنگ آستین کا جبہ وغیرہ جو عام معمول کے خلاف تھا یہ اس وقت کی عام تنگ حالی کی وجہ سے تھا کہ ابتداءً عسرت زیادہ تھی پس الفاظ ترجمہ کے اگرچہ ایک ہیں لیکن مقصود علیحدہ ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا حماد بن زيد عن ايوب عن محمد بن سيرين قال كُنَّا عِنْدَ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ فَيَتَمَخَّطُ فِيْ اَحَدِهِمَا فَقَالَ بَخٍ بَخٍ يَتَمَخَّطُ اَبُوْهُرَيْرَةَ فِي الْكَتَّانِ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ وَاِنِّيْ لَاَخِرُّ فِيْمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُجْرَةِ عَائِشَةَ مَغْشِيًّا عَلَيَّ فَيَجِيْءُ الْجَائِيْ فَيَضَعُ رِجْلَهٗ عَلٰى عُنُقِيْ يَرٰى اَنَّ بِيْ جُنُوْنًا وَمَا بِيْ جُنُوْنٌ وَمَا هُوَ اِلَّا الْجُوْعُ

"ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے ان پر ایک لنگی اور ایک چادر تھی وہ دونوں کتان کی تھیں اور گیروی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک سے ناک صاف کیا پھر تعجب سے کہنے لگے کہ اللہ اللہ آج ابو ہریرہؓ کتان کے کپڑوں سے ناک صاف کرتا ہے اور ایک وہ زمانہ تھا کہ جب میں منبر نبویؐ اور حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے درمیان شدت بھوک کی وجہ سے بیہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجھے مجنون سمجھ کر میری گردن کو پاؤں سے دباتے تھے اور حقیقتاً مجھے جنون وغیرہ کچھ نہیں تھا بلکہ شدت بھوک کی وجہ سے یہ حالت ہو جاتی تھی۔''

ف: کتان ایک عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے صاحب لغات الصراح نے لکھا ہے کہ ایک باریک قسم کا کپڑا ہے جو گھانس کے چھڑے سے بنتا ہے اور صاحب محیط اعظم نے لکھا ہے کہ کتان کو ہندی میں السی کہتے ہیں اس کی چھال سے کپڑا بھی بنا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی گردن کو پاؤں سے دبانا اس وجہ سے تھا کہ اس زمانہ میں مجنون کی گردن پاؤں سے علاجاً دبائی جاتی تھی کہ افاقہ پاوے۔ اس حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں اس لیے ذکر کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے خواص خدام کا جب یہ حال تھا تو اس سے آپ کی تنگی کا حال خود معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات اہل صفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان شمار ہوتے تھے اور جو کچھ آتا تھا وہ ان حضرات پر تقسیم ہوتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کے متعلق کچھ تحقیق کیا وہ بتا رہے تھے اور میں ساتھ ساتھ چل رہا تھا کہ چل نہ سکا اور گر کر بیہوش ہو گیا۔ آج مسلمانوں کی تنگ حالی کا شور ہے اور روٹی کا سوال اتنا اہم ہے کہ اس کی خاطر ہر قسم کی بددینی کو اختیار کیا جا سکتا ہے لیکن کیا ان حالات کے عشر عشیر بھی ہمارے حالات ہیں اور یہ حضرات ان مصائب پر بھی کسی قسم کی دینی مداہنت برداشت نہ کر سکتے تھے۔

(۲) حدثنا قتيبة حدثنا جعفر بن سليمان الضبعي عن مالك بن دينار قال ما شَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزٍ قَطُّ وَلَا لَحْمٍ اِلَّا عَلٰى ضَفَفٍ قَالَ مَالِكٌ سَاَلْتُ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ مَا الضَّفَفُ فَقَالَ اَنْ يَّتَنَاوَلَ مَعَ النَّاسِ

''مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی روٹی اور گوشت سے شکم سیری نہیں فرمائی مگر حالت ضفف پر۔ مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بدوی سے ضفف کے معنی پوچھے تو اس نے لوگوں کے ساتھ کھانے کے معنی بتائے۔''

ف: ضفف کے معنی خفی تھے چنانچہ اب بھی اہل لغت اس میں مختلف ہیں اسی وجہ سے مالک بن دینار نے ایک بدوی سے دریافت فرمایا۔ اجتماعی حالت میں پیٹ بھر کر کھانے کا مطلب بعض لوگوں نے یہ بیان کیا کہ اگر کسی جگہ دعوت وغیرہ میں نوبت آتی تو شکم سیر ہو کر نوش فرماتے ویسے کبھی نوبت نہ آتی تھی۔ اس پر بعض علماء نے بڑے زور سے رد فرمایا ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسے امر کی نسبت کرنا جس کو اگر آج کسی کی طرف نسبت کیا جائے تو سخت ناگوار ہو نہایت بے

ادبی ہے۔ مگر بندۂ ناچیز کے نزدیک اس مطلب میں کوئی مانع نہیں اس لیے اس زمانہ میں اگر کسی کی طرف اس امر کی نسبت کی جاتی ہے کہ اپنے گھر پیٹ بھر کر نہیں کھاتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بخیل ہے اور اس زمانہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف اس کا ایہام نہیں ہے اس لیے کہ اس وقت کی تنگ حالی معلوم ہے کہ کئی کئی وقت مسلسل فاقوں کی نوبت آتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ کا سخا اور جود یہ کہ جو ہدیہ میں کہیں سے کچھ آ جاتا تھا وہ اصحاب صفہ پر تقسیم کیا جاتا تھا ایسی صورت میں پیٹ بھرنے کی نوبت کہاں آ سکتی تھی لیکن شراح حدیث اس مطلب کو غلط بتاتے ہیں اور ان کا ارشاد حجت ہے اس لیے اگر یہ مطلب غلط ہو تو اللہ جل شانہ اپنے لطف سے معاف فرمائیں **اعوذ باللہ ان اقول فی حقہ ﷺ مالا یلیق بشانہ**

بالجملہ جن علماء نے اس مطلب کو ناپسند فرمایا ہے وہ حدیث کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حالت میزبانی میں تو شکم سیر ہو کر نوش فرماتے تاکہ مہمان حضور ﷺ کے ساتھ جلد نہ اٹھ جائیں اور بھوکے نہ رہیں، نیز اس وقت جب کہ آپ کے یہاں کوئی مہمان ہوتا تھا تو اس کے لیے حضور اقدس ﷺ باوجود عسرت اور تنگی کے بھی فکر فرما کر کچھ نہ کچھ مہیا فرماتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ مجمع کے ساتھ کھانا مراد ہو عام ہے کہ اپنے گھر ہو یا کسی دوسری جگہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس مجمع میں حضور ﷺ تشریف فرما ہوں اس میں حضور اقدس ﷺ کے ہاتھ کھینچ لینے کے بعد مجمع کا ہاتھ کھینچ لینا بدیہی ہے۔

تنبیہ: آنحضرت ﷺ کا شکم سیر ہونا جس جس جگہ وارد ہوا ہے ان سب مواضع میں وہی دو تہائی پیٹ بھر کر نوش فرمانا مراد ہے کہ یہ حالت بھی حالت مہمانی میں ہوتی تھی ورنہ بالکل شکم سیر ہونا کسی وقت بھی نہیں ہوتا تھا نہ حالت مہمانی میں نہ حالت تنہائی میں۔

❀❀❀

# باب ما جاء فی خف رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

## باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے موزہ کے بیان میں

ف: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چند قسم کے موزے استعمال فرمائے ہیں موزے کے آداب میں سے دایاں موزہ پہلے پہننا اور موزہ کا پہننے سے قبل جھاڑ لینا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ معجزات میں طبرانی نے ایک روایت موزہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ جنگل میں ایک موزہ پہنا اور دوسرا پہننے کا قصد فرما رہے تھے کہ ایک کوا آکر دوسرا موزہ اٹھا کر لے گیا اور اوپر لے جا کر اس کو پھینک دیا۔ اس میں ایک سانپ گھسا ہوا تھا جو اس گرنے کی چوٹ سے باہر نکلا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ جل شانہ کا شکر ادا کیا اور آداب موزہ سے ایک قانون فرما دیا کہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ جب موزہ پہننے کا ارادہ کرے تو اس کو جھاڑ لیا کرے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

**(۱) حدثنا هناد بن السری حدثنا وكيع عن دلهم بن صالح عن حجير بن عبدالله عن ابن بريدة عن ابيه اَنَّ النَّجَاشِيَّ اَهْدٰى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ اَسْوَدَيْنِ سَاذِجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّاَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا**

''بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نجاشی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سیاہ رنگ کے دو سادے موزے ہدیۃً بھیجے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنا اور وضو کے بعد ان پر مسح بھی فرمایا۔

ف: نجاشی حبشہ کے ہر بادشاہ کا لقب ہوتا تھا جیسا کہ شریف والی مکہ کا لقب ہوتا تھا۔ ان نجاشی کا نام اصحمہؒ تھا یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ علماء نے اس سے استنباط فرمایا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے البتہ چونکہ دوسری حدیث میں کافر کے ہدیہ سے انکار بھی آیا ہے اس لیے علماء نے مختلف طرح سے دونوں کو جمع کیا ہے۔

**(۲) حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا يحيى بن زكريا بن ابى زائدة عن الحسن بن عياش عن ابى اسحٰق عن الشعبى قال قال الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ اَهْدٰى دِحْيَةُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ فَلَبِسَهُمَا وَقَالَ اِسْرَائِيْلُ عَنْ جَابِرٍ عَنْ**

عَامِرٍ وَجُبَّةً فَلَبِسَهُمَا حَتّٰی تَخَرَّقَا لَایَدْرِیْ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَذَکِیٌّ هُمَا اَمْ لَا قال ابو عیسٰی هذا هو ابو اسحٰق الشیبانی و اسمه سلیمان

''مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دحیہ کلبی نے دو موزے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کیے تھے۔ ایک دوسری روایت میں موزوں کے ساتھ جبہ کے پیش کرنے کا بھی ذکر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنا۔ یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تحقیق نہیں فرمایا کہ وہ مذبوح جانور کی کھال کے تھے یا غیر مذبوح کے۔''

ف: اس اخیر لفظ سے حنفیہ کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ دباغت کے بعد مذبوح اور غیر مذبوح کی کھال دونوں استعمال کرنی جائز ہیں۔ بعض ائمہ کا اس میں اختلاف ہے جس کی بحث کتب فقہ سے تعلق رکھتی ہے۔

# باب ما جاء في نعل رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے نعلین (جوتہ) شریف کے ذکر میں

ف: اس میں حضور اقدس ﷺ کے جوتہ کی ہیئت اور اس کے پہننے اور نکالنے کا طریقہ ذکر فرمایا ہے۔ نعل شریف کے برکات وفضائل حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ کے رسالہ ''زاد السعید'' کے اخیر میں مفصل مذکور ہیں جس کو تفصیل مقصود ہو اس میں دیکھ لے۔ مختصر یہ کہ اس کے خواص بے انتہا ہیں۔ علماء نے بارہا تجربہ کیے ہیں حضور ﷺ کی زیارت میسر ہوتی ہے' ظالموں سے نجات حاصل ہوتی ہے' ہردلعزیزی میسر ہوتی ہے' غرض ہر مقصد میں اس کے توسل سے کامیابی ہوتی ہے' طریق توسل بھی اسی میں مذکور ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں گیارہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

**(۱) حدثنا محمد بن بشار حدثنا ابوداؤد حدثنا همام عن قتادة قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُمَا قِبَالَانِ**

''قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کے نعل شریف کیسے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہر ایک جوتہ میں دو دو تسمے تھے۔''

ف: عرب میں جوتا ایسا نہیں تھا جیسا کہ یہاں ہند میں متعارف ہے بلکہ ایک چمڑے کی چپٹی پر دو تسمہ ہوتے تھے۔

**(۲) حدثنا ابو كريب محمد بن العلاء حدثنا وكيع عن سفيان عن خالد الحذاء عن عبدالله بن الحارث عن ابن عباس قال كان لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مُثْنًى شِرَاكُهُمَا**

''ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے نعلین شریف کے تسمہ دوہرے تھے۔''

ف: یعنی ہر ہر تسمہ میں دو دو تسمہ تھے یعنی ہر تسمہ دوہرا تھا۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی خالد حذاء ہیں۔ حذاء کے معنی موچی کے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ صاحب خود موچی نہیں تھے لیکن نشست و برخاست اور تعلقات موچیوں سے تھے اس لیے ان کا لقب خالد موچی پڑ گیا تھا کہ اسی

سے پہچانے جاتے تھے۔ جس قسم کے آدمیوں سے تعلقات ہوتے تھے ان کے ظاہری اور باطنی اثرات رنگ لائے بغیر نہیں رہتے۔

(۳) حدثنا احمد بن منيع ويعقوب بن ابراهيم حدثنا ابو احمد الزبيرى حدثنا عيسى بن طهمان قال اَخْرَجَ اِلَيْنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍؓ نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ لَهُمَا قِبَالَانِ قَالَ فَحَدَّثَنِيْ ثَابِتٌ بَعْدُ اَنَسٍ اَنَّهُمَا كَانَتَ نَعْلَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

''عیسیٰ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو جوتے نکال کر دکھلائے ان پر بال نہیں تھے۔ مجھ سے اس کے بعد ثابت نے یہ بتایا کہ وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف تھے۔''

ف: اکثر چمڑے کو بغیر بال اتارے بھی عرب میں جوتہ بنالیا جاتا تھا اس لیے راوی نے بالوں کا ذکر فرمایا۔

(۴) حدثنا اسحٰق بن موسى الانصارى قال حدثنا معن قال حدثنا مالك حدثنا سعيد بن ابى سعيد المقبرى عن عبيد بن جريج انه قال لابن عمرؓ رَاَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ قَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِيْ لَيْسَ فِيْهَا شَعْرٌ وَيَتَوَضَّأُ فِيْهَا فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَلْبَسَهَا

''عبید بن جریج نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ بغیر بالوں کے چمڑے کا جوتہ پہنتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی جوتہ پہنتے ہوئے اور اس میں وضو فرماتے ہوئے دیکھا ہے اس لیے میں ایسے ہی جوتے کو پسند کرتا ہوں۔''

ف: منشا سوال کا یہ تھا کہ عرب میں اس وقت تک تنعم وتمدن ایسا نہ تھا اس لیے بالوں سمیت چمڑے کا جوتہ عام طور سے بنالیا جاتا تھا اسی لیے بخاری شریف کی مفصل حدیث میں ہے کہ عبید نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ میں چند چیزیں آپ کے معمولات میں ایسی دیکھتا ہوں جو دوسرے صحابہ کے معمولات میں نہیں دیکھتا۔ منجملہ ان کے یہ بھی ذکر کیا کہ آپ صاف شدہ چمڑے کا جوتہ پہنتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اتباع کے شدت اہتمام میں اس کا لحاظ فرماتے تھے۔ دوسرے حضرات عام دستور کے موافق ویسے ہی چمڑے کا بنا لیتے تھے۔ حدیث بالا میں اس میں وضو کرنے کا مطلب یہ ہے

کہ عرب کے جوتے میں چونکہ پنجہ نہیں ہوتا نیچے چپٹی اوپر تسمہ اس لیے جوتہ پہنے ہوئے بھی وضو ہو سکتا ہے اور بے تکلف پاؤں دھل سکتا ہے اس لیے حضور ﷺ کبھی کبھی تعلیم و جواز کے واسطے ایسا بھی کر لیتے تھے۔ بعض علماء نے اس میں وضو کا مطلب یہ بتایا ہے کہ وضو کے بعد فوراً نعلین شریف پہن لیتے تھے پاؤں کے خشک ہونے کا انتظار نہ فرماتے تھے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فوراً تر پاؤں میں جوتہ پہننے سے وضو میں کوئی نقص نہیں آتا۔

**(۵) حدثنا اسحٰق بن منصور حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن ابن ابی ذئب عن صالح مولی التوءمة عن ابی هریرة قال كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ**

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی یہی نقل فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے نعلین شریف کے دو تسمے تھے۔''

**(۶) حدثنا احمد بن منیع حدثنا ابو احمد حدثنا سفیٰن عن السدی حدثنی من سمع عمرو ابن حریث یقول رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ نَعْلَيْنِ مَخْصُوْفَتَيْنِ**

''عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایسے جوتوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے جن میں دوسرا چمڑا سلا ہوا تھا۔''

ف: یعنی اس کی تلی دوہری تھی اوپر نیچے دو تہ چمڑے کی تھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ ٹوٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔

**(۷) حدثنا اسحٰق بن موسی الانصاری حدثنا معن حدثنا مالك عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هریرةؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْشِيَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدٍ لِيَنْعَلْهُمَا جَمِيْعًا اَوْ لِيُحْفِهِمَا جَمِيْعًا۔ حدثنا قتیبة عن مالك عن ابی الزناد نحوه**

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک جوتی پہن کر کوئی نہ چلے یا دونوں پہن کر چلے یا دونوں نکال دے۔''

ف: اس حدیث کو شمائل میں ذکر کرنے سے یہ مقصود ہے کہ حضور ﷺ کی عادت شریفہ ایک جوتہ پہننے کی نہیں تھی۔ اس لیے کہ جب حضور اقدس ﷺ دوسروں کو منع فرما رہے ہیں تو خود ایسا کاہے کو کرتے۔ بظاہر اس حدیث میں ممانعت سے مقصود عادۃً ایسا کرنا ہے۔ لہٰذا اگر کسی عارض کی وجہ سے

تھوڑی بہت دیر ایسے چلے مثلاً جوتہ ٹوٹ جائے یا کوئی اور عارض پیش آ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اس حدیث کے ذیل میں علماء نے ایک موزہ اور ایک آستین پہننے کو بھی داخل فرمایا ہے۔ غرض معتاد طریقہ پر ہر چیز کو پہننا چاہیے۔ تکلیف اور بے تمیزی سے احتراز چاہیے۔

**(۸) حدثنا اسحٰق بن موسی حدثنا معن حدثنا مالك عن ابی الزبیر عن جابر اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی اَنْ یَّاْكُلَ یَعْنِی الرَّجُلَ بِشِمَالِهٖ اَوْ یَمْشِیَ فِیْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ**

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے یا ایک جوتہ پہنے۔''

ف: جمہور علماء کے نزدیک یہ ارشادات استحبابی ہیں یعنی حرام نہیں ہیں لیکن بعض اصحاب ظاہر نے ناجائز بتایا ہے۔

**(۹) حدثنا قتیبة عن مالك ح وحدثنا اسحٰق بن موسٰی حدثنا معن حدثنا مالك عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُكُمْ فَلْیَبْدَاْ بِالْیَمِیْنِ وَاِذَا نَزَعَ فَلْیَبْدَاْ بِالشِّمَالِ فَلْتَكُنِ الْیُمْنٰی اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَاٰخِرَهُمَا تُنْزَعُ**

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص تم میں سے جوتہ پہنے تو دائیں سے ابتدا کرنی چاہیے اور جب نکالے تو بائیں سے پہلے نکالے دایاں پاؤں جوتہ پہننے میں مقدم ہونا چاہیے اور نکالنے میں مؤخر۔''

ف: چونکہ جوتہ پاؤں کے لیے زینت ہے اس لیے دیر تک پاؤں میں رہنا چاہیے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے ایسے ہی ہر وہ چیز جس کا پہننا زینت ہو اس کے پہننے میں دائیں کو مقدم کرے اور نکالنے میں بائیں کو جیسے کرتہ پاجامہ اچکن وغیرہ۔

**(۱۰) حدثنا ابوموسٰی محمد بن المثنی حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة حدثنا اشعث وهو ابن ابی الشعثاء عن ابیه عن مسروق عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ التَّیَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِیْ تَرَجُّلِهٖ وَتَنَعُّلِهٖ وَطُهُوْرِهٖ**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کنگھی کرنے میں اور جوتہ پہننے میں

اور اعضائے وضو کے دھونے میں حتی الوسع دائیں سے ابتدا فرمایا کرتے تھے۔"

ف: ان تین کی تخصیص نہیں بلکہ ہر چیز کا یہی حکم ہے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے اور حتی الوسع سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی ضرورت بائیں سے ابتدا کی لاحق ہو تو مضائقہ نہیں۔

(۱۱) حدثنا محمد بن مرزوق ابو عبدالله حدثنا عبدالرحمن بن قيس ابو معاوية انبانا هشام عن محمد عن ابى هريرة قال كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَ اَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَاحِدًا عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف کے دو تسمے تھے۔ ایسے ہی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے جوتہ میں بھی دوہرا تسمہ تھا۔ ایک تسمہ کی ابتدا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔"

ف: غالباً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی لیے اس کو اختیار فرمایا کہ دو تسموں کا ہونا ضروری نہ خیال کرلیا جائے۔

# باب ما جاء فی ذکر خاتم رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی مبارک کا ذکر

ف: اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے آٹھ احادیث ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا قتیبة بن سعید وغیر واحد عن عبدالله بن وهب عن یونس عن ابن شهاب عن انس بن مالکؓ قال کَانَ خَاتَمُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَرِقٍ وَکَانَ فَصُّهٗ حَبَشِیًّا

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔''

ف: چاندی کی انگوٹھی جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ باقی پیتل لوہے وغیرہ کی حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ حضور ﷺ نے ابتداءً انگوٹھی نہیں بنوائی تھی۔ مگر جب معلوم ہوا کہ سلاطین عجم بغیر مہر کے خطوط کی قدر نہیں کرتے اور تبلیغی خطوط سلاطین کے پاس ارسال کرنے شروع فرمائے تو سنہ چھ یا سنہ سات ہجری میں مہر بنوائی' اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں کہ انگوٹھی کا حکم کیا ہے؟ بعض علماء نے مطلقاً سنت فرمایا ہے۔ بعض علماء نے غیر سلطان اور قاضی کے لیے مکروہ بتلایا ہے۔ علمائے حنفیہ (کثر الله تعالیٰ جمعهم وشکر سعیهم) کی تحقیق شامی کے قول کے موافق یہ ہے کہ بادشاہ قاضی متولی وغیرہ غرض جن کو مہر کی ضرورت پڑتی ہو ان کے لیے تو سنت ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کے لیے جائز تو ہے لیکن ترک کرنا افضل ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اسی وقت بنوائی جب سلاطین کو خطوط لکھنے کے لیے اس کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ حدیث میں آ رہا ہے ابوداؤد شریف وغیرہ میں نبی کریم ﷺ سے بادشاہ کے علاوہ کو انگوٹھی پہننے کی ممانعت بھی آئی ہے مگر چونکہ حضور ﷺ کے سامنے اکثر صحابہؓ سے پہننا بھی ثابت ہے اور حضور ﷺ کی اجازت بھی دوسری احادیث میں آئی ہے اس لیے اس ممانعت کو اسی خلاف اولیٰ پر حمل کیا ہے۔

(۲) حدثنا قتیبة حدثنا ابو عوانة عن ابی بشر عن نافع عن ابن عمرؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّةٍ فَکَانَ یَخْتِمُ بِهٖ وَلَا یَلْبُسُهٗ قال ابو عیسٰی ابو بشر اسمه جعفر بن ابی وحشیة

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی اس سے خطوط وغیرہ پر مہر فرماتے تھے' پہنتے نہیں تھے۔''

ف: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انگوٹھی کو پہننا روایات متعددہ سے ثابت ہے اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی علماء نے چند توجیہات فرمائی ہیں۔ بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ مقصود استمرار ہے کہ ہمیشہ نہیں پہنتے تھے۔ بعض کی رائے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو انگوٹھیاں تھیں' ایک مہر والی۔ اس کو مہر کے کام میں لاتے تھے اور پہنتے نہیں تھے' دوسری پہننے کے استعمال میں لاتے۔ ایسے ہی اور بھی مختلف طریق سے جمع کیا گیا ہے لیکن بندہ کے نزدیک اولیٰ یہی ہے کہ ہر وقت اس کو نہیں پہنتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی تھی نماز میں اس پر نگاہ پڑ گئی تو اس کے بعد سے پہننا چھوڑ دیا تھا۔ احادیث میں ایک منقش کپڑے کے متعلق بھی اس قسم کا واقعہ آتا ہے کہ نماز میں اس پر نگاہ پڑ گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نکال دیا تھا اور اس کے بدلہ میں ایک معمولی کپڑا پہن لیا تھا انگوٹھی چونکہ ضرورت کی چیز تھی اس لیے مطلقاً تو اس کا ترک مشکل تھا اس لیے عام طور پر اس کا پہننا ترک فرما دیا ہو یہ اقرب ہے چنانچہ دوسرے باب کی چھٹی حدیث میں آ رہا ہے کہ اکثر اوقات حضرت معیقیب کے پاس رہتی تھی۔

**(۳) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا حفص بن عمر بن عبید هو الطنافسی حدثنا زهیر عن حمید عن انس قال کان خَاتَمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ فِضَّةٍ فَصُّهُ مِنْهُ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی اس کا ہی تھا۔''

ف: یہ حدیث بظاہر اس روایت کے خلاف ہے جس میں حبشی نگینہ وارد ہوا ہے۔ جو لوگ دو انگوٹھیوں کے قائل ہوئے ہیں وہ خود اس حدیث کو بھی دو ہونے پر قرینہ بتاتے ہیں چنانچہ بیہقی وغیرہ کی یہی رائے ہے ان کے نزدیک تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ لیکن جو حضرات ایک انگوٹھی کے قائل ہیں وہ ان دونوں میں اس طرح جمع فرماتے ہیں کہ حبشی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حبشی رنگ یا حبشی طریقہ کا تھا یا اس کے بنانے والا حبشی تھا۔ بندہ کے نزدیک تعدد پر حمل اقرب ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف انگوٹھیاں ہونا متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ ایک انگوٹھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنوائی پھر ہدیہ میں خدام نے پیش کیں جیسا کہ جمع الوسائل کی مختلف روایات سے یہ مضمون ثابت ہوتا ہے۔

**(۴) حدثنا اسحق بن منصور حدثنا معاذ بن هشام حدثنی ابی عن قتادة عن**

انس بن مالکؓ قال لَمَّا اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّكْتُبَ اِلَى الْعَجَمِ قِيْلَ لَهٗ اِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُوْنَ اِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا فَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى بَيَاضِهٖ فِيْ كَفِّهٖ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہل عجم کو تبلیغی خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ عجم بلا مہر والے خط کو قبول نہیں کرتے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی جس کی سفیدی گویا اب بھی میری نظروں کے سامنے پھر رہی ہے۔''

ف: اس اخیر کے جملہ سے قصہ کے خوب یاد ہونے کی طرف اشارہ ہے اور سفیدی سے اس کے چاندی ہونے پر اشارہ ہے۔

(۵) حدثنا محمد بن یحیٰی حدثنا محمد بن عبدالانصاری ابی عن ثمامة عن انس بن مالکؓ قال كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُوْلُ سَطْرٌ اللّٰهِ سَطْرٌ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا اس طرح پر کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک سطر میں تھا۔ رسول دوسری سطر میں۔ لفظ اللہ تیسری سطر میں (بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کی صورت محمد رسول اللہ تھی کہ اللہ پاک کا نام سب سے اوپر تھا یہ مہر گول تھی اور نیچے سے پڑھی جاتی تھی۔ مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ ظاہر الفاظ سے (رسول اللہ) معلوم ہوتا ہے۔''

(۶) حدثنا نصر بن علی الجهضمی ابو عمرو انبأنا نوح بن قیس عن خالد بن قیس عن قتادة عن انسؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُوْنَ كِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَتُهٗ فِضَّةٌ وَنَقَشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی کے پاس تبلیغی خطوط لکھنے کا قصد فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ بدون مہر کے خطوط قبول نہیں کرتے۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہر بنوائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا۔ اس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منقوش تھا۔

ف: کسریٰ ملک فارس کے بادشاہ کا لقب ہے اور قیصر ملک روم کے اور نجاشی ملک حبشہ کے بادشاہ

کا۔ کسریٰ شاہ فارس کے پاس حضور ﷺ نے اپنا والا نامہ عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا تھا۔ کسریٰ نے آپ کے والا نامہ مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ حضور ﷺ نے سن کر بددعا فرمائی کہ حق تعالیٰ شانہ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے فرما دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شاہ روم کے پاس دحیہ کلبی کے ہاتھ گرامی نامہ اقدس ارسال ہوا۔ وہ باوجود یقین نبوت کے ایمان نہیں لایا۔ نجاشی شاہ حبشہ کے پاس عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ خط بھیجا جیسا کہ مواہب لدنیہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے یہ وہ نجاشی نہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے جن پر حضور ﷺ نے صلوٰۃ الجنازہ پڑھی یہ اور نجاشی ہیں۔ ان کے اسلام کا حال جیسا کہ ملا علی قاری نے لکھا ہے معلوم نہیں ہوا۔

حضور اکرم ﷺ کے والا نامہ جات تو متعدد ہیں جو کتب سیر و حدیث میں مفصل مذکور ہیں۔ گرامی نامہ جات کو بعض لوگوں نے مستقل تصانیف میں جمع بھی کر دیا ہے حدیث بالا میں تین والا نامہ جات کا ذکر ہے۔ جن کا مختصر ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک والا نامہ کسریٰ کے نام ہے فارس کے ہر بادشاہ کا لقب کسریٰ ہے جو بھی ہو۔ اس کسریٰ کا نام پرویز تھا جو نوشیروان کا پوتا تھا۔ والا نامہ کا مضمون حسب ذیل ہے:

**بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله الى كسرى عظيم فارس سلام على من اتبع الهدى وامن بالله ورسوله اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله ادعوك بدعاية الله فانى انا رسول الله الى الناس كافة لينذر من كان حيا ويحق القول على الكافرين اسلم تسلم فان توليت فان عليك اثم المجوس**

''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے کسریٰ کے نام جو فارس کا بڑا (اور سردار) ہے سلامتی اس شخص کے لیے ہے جو ہدایت اختیار کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں میں تجھ کو اللہ کی پکار (یعنی کلمہ) کی دعوت دیتا ہوں اس لیے کہ میں اللہ کا وہ رسول ہوں جو تمام جہان کی طرف اس لیے بھیجا گیا ہے کہ ان لوگوں کو ڈرائے جن کے دل زندہ ہیں (یعنی ان میں کچھ عقل ہے کہ بے عقل آدمی بمنزلہ مردہ کے ہے) اور تا کہ اللہ کی حجت کافروں پر پوری ہو جائے۔ (اور کل قیامت میں یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم کو علم نہ ہو سکا) تو اسلام لے آ تا کہ سلامتی سے رہے

ورنہ تیرے اتباع مجوس کا بھی وبال تجھ پر ہوگا کہ وہ تیری اقتدار میں گمراہ ہو رہے ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو یہ خط دے کر روانہ فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ کسریٰ کا گورنر جو بحرین میں رہتا ہے اس کے ذریعے سے کسریٰ تک پہنچا دیں چنانچہ اسی ذریعے سے وہاں تک خط لے کر پہنچے' کسریٰ نے یہ والا نامہ پڑھوا کر سنا اور اس کو چاک کر دیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بددعا فرمائی اور اس کے بیٹے شیرویہ نے بری طرح سے اس کو قتل کیا جس کا قصہ کتب تواریخ میں مذکور ہے۔ دوسرا والا نامہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے' قیصر کے نام تھا جو روم کا بادشاہ تھا۔ اس کا نام مؤرخین کے نزدیک ہرقل ہے۔ یہ والا نامہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا گیا۔ مسلمان تو قیصر بھی نہیں ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامہ کو نہایت اعزاز و اکرام سے رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان دونوں واقعات کا علم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسریٰ نے اپنے ملک کے ٹکڑے کر لیے اور قیصر نے اپنے ملک کی حفاظت کر لی۔ اس والا نامہ کا مضمون حسب ذیل تھا:

**بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبدالله ورسوله الى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى اما بعد فانى ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم يوتك الله اجرك مرتين فان توليت فان عليك اثم اليريسين ويا اهل الكتب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔**

"بسم الله الرحمن الرحيم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں ہرقل کی طرف جو روم کا بڑا (اور سردار) ہے سلامتی اس شخص کے لیے ہے جو ہدایت اختیار کرے حمد و صلوٰۃ کے بعد! میں تجھ کو اسلام کے کلمہ (یعنی **لا اله الا الله محمد رسول الله**) کی طرف دعوت دیتا ہوں تو اسلام لے آ تا کہ سلامتی سے رہے اور حق تعالیٰ شانہ دوہرا اجر تجھ کو عطا فرمائے (کہ اہل کتاب کے لیے دوہرا اجر ہے جیسا کہ کلام پاک میں بھی سورۂ حدید کے ختم پر اس کا ذکر ہے) اور اگر تو روگردانی کرے گا تو تیرے ماتحت زراعت پیشہ لوگوں کا وبال بھی تجھ پر ہوگا۔ اے اہل کتاب آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے اور وہ توحید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائے

(جیسا کہ احبار اور رہبان کو بنایا جاتا تھا) اگر اس کے بعد بھی وہ اہل کتاب روگردانی کریں تو مسلمانو! تم ان سے کہہ دو کہ تم اس کے گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں (ہم تو اپنے مسلک کا صاف اعلان کرتے ہیں اب تم جانو تمہارا کام)''

حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ جب اس والا نامہ کو لے کر گئے اور قیصر کے سامنے پڑھا گیا تو اس کا بھتیجا بھی وہاں موجود تھا وہ نہایت غصہ میں بھر گیا اور کہنے لگا کہ اس خط کو مجھے دو۔ چچا یعنی قیصر نے کہا تو کیا کرے گا؟ اس نے کہا یہ خط پڑھنے کے قابل نہیں ہے اس میں آپ کے نام سے ابتدا نہیں کی اپنے نام سے کی ہے پھر آپ کو بادشاہ کے بجائے روم کا بڑا آدمی لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ قیصر نے کہا تو بے وقوف ہے یہ چاہتا ہے کہ میں ایسے شخص کے خط کو پھینک دوں جن کے پاس ناموس اکبر (یعنی حضرت جبریلؑ) آتے ہوں اگر وہ نبی ہیں تو ان کو ایسے ہی لکھنا چاہیے۔ اس کے بعد حضرت دحیہؓ کو بڑے اعزاز و اکرام سے ٹھہرایا۔ قیصر اس وقت سفر میں تھا واپسی پر اس نے اپنے ارکان و امرائے سلطنت کو جمع کیا اور جمع کر کے ان سے کہا کہ میں تم کو ایک ایسی بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جو سراسر خیر و فلاح ہے اور ہمیشہ کے لیے تمہارے ملک کے بقاء کا ذریعہ ہے بے شک یہ نبی ہیں ان کا اتباع کر لو اور ان کی بیعت اختیار کر لو۔ اس نے ایک بند مکان میں جہاں سب طرف کے کواڑ بند کرا دیئے گئے تھے اس مضمون پر ایک لمبی تقریر کی۔ وہ لوگ اس قدر متوحش ہوئے کہ ایک دم شور و شغب ہو گیا۔ ادھر ادھر بھاگنے لگے مگر کواڑ سب بند تھے دیر تک ہنگامہ برپا رہا۔ اس کے بعد اس نے سب کو چپ کرایا اور تقریر کی کہ درحقیقت ایک مدعی نبوت پیدا ہوا ہے میں تم لوگوں کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ تم اپنے دین میں کس قدر پختہ ہو اب مجھے اس کا اندازہ ہو گیا وہ لوگ سامنے اپنی عادت کے موافق سجدے میں گر گئے اس کے بعد ان کو شاباشی وغیرہ دے کر رخصت کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس نے خط کو پڑھ کر چوما سر پر رکھا اور ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر اپنے پاس رکھ لیا اور پوپ کو طلب کیا اس سے مشورہ کیا اس نے کہا بے شک یہ نبی الزماں ہیں جن کی بشارتیں ہماری کتاب میں موجود ہیں۔ قیصر نے کہا مجھے بھی اس کا یقین ہے مگر اشکال یہ ہے کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے اور سلطنت جاتی رہے گی (اعلام السائلین) جس وقت یہ والا نامہ سفر کی حالت میں قیصر کے پاس پہنچا تھا وہ اس وقت اپنی مذہبی ضرورت کے لیے بیت المقدس آیا ہوا تھا وہاں مکہ مکرمہ کا ایک بڑا تجارتی قافلہ بھی گیا ہوا تھا۔ اس نے تحقیق حالات کے لیے اس قافلہ کے سرداروں کو بھی طلب کیا تھا۔ جس کا مفصل قصہ بخاری شریف میں موجود ہے یہ اس زمانہ کا قصہ ہے جب عمرۂ حدیبیہ کے بعد حضور اقدس

ﷺ کے درمیان اور اہل مکہ کے درمیان چند سال کے لیے ایک عہد نامہ اور صلح نامہ تیار ہوا تھا کہ آپس میں لڑائی نہ کی جائے۔ ابوسفیان جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہتے ہیں کہ اس صلح کے زمانہ میں ملک شام گیا ہوا تھا کہ اس اثناء میں ہرقل کے نام حضور اقدس ﷺ کا والا نامہ بھی گیا جس کو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ لے کر گئے، ہرقل کے پاس جب وہ گرامی نامہ پہنچا تو اس نے اپنے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں اس شہر میں کوئی شخص اس کا واقف ہے جو مدعی نبوت پیدا ہوا ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہاں کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں۔ اس پر ہماری طلبی ہوئی۔ چنانچہ میں قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ اس کے پاس گیا اس نے ہم سب کو اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ اس شخص کے ساتھ جو نبوت کا دعوے دار ہے تم میں سب سے زیادہ قریب رشتہ داری کس کی ہے؟ میں نے کہا کہ میری۔ میں اس سے چند سوالات کرتا ہوں تم سب غور سے سنتے رہنا اور جس بات کا جواب جھوٹ بتائے تو تم اس کو ظاہر کر دینا۔ ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حضور ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے۔ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھے اپنی بدنامی کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ بعد میں مجھے جھوٹ سے بدنام کریں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا مگر خوف بدنامی نے سچ بولنے پر مجبور کیا اس کے بعد اس نے اپنے ترجمان کے ذریعہ سے مجھ سے حسب ذیل سوالات کیے۔

س: یہ مدعی نبوت نسب کے اعتبار سے تم میں کیسے شخص سمجھے جاتے ہیں؟

ج: ہم میں بڑے عالی نسب ہیں۔

س: ان کے بڑوں میں کوئی شخص بادشاہ ہوا ہے؟

ج: کوئی نہیں ہوا۔

س: نبوت کے دعوے سے قبل تم کبھی ان کو جھوٹ بولنے کا الزام دیتے تھے؟

ج: کبھی نہیں۔

س: ان کے متبعین قوم کے شرفاء ہیں یا معمولی درجے کے آدمی؟

ج: معمولی درجہ کے لوگ۔

س: ان کے متبعین کا گروہ بڑھتا جا رہا ہے یا کم ہوتا جاتا ہے؟

ج: بڑھتا جاتا ہے۔

س: ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے بددل ہو کر دین سے پھر بھی جاتے ہیں یا نہیں؟

ج: نہیں۔

س: تمہاری ان کے ساتھ کبھی جنگ ہوئی ہے یا نہیں؟

ج: ہوئی ہے۔

س: جنگ کا نتیجہ کیسا رہا؟

ج: کبھی وہ غالب ہو جاتے' کبھی ہم غالب ہو جاتے۔

س: وہ کبھی بدعہدی کرتے ہیں؟

ج: نہیں۔لیکن آج کل ہمارا اور ان کا ایک معاہدہ ہے نہ معلوم وہ اس کو پورا کریں گے یا نہیں۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس ایک کلمہ کے سوا کسی چیز میں بھی مجھے موقع نہ ملا کہ کچھ اپنی طرف سے ملاؤں۔

س: ان سے قبل کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا؟

ج: نہیں۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ہرقل نے پوچھا کہ بدعہدی کا کیوں خوف ہے؟ تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری قوم نے اپنے حلیفوں کی ان کے خلاف مدد کی ہے۔اس پر ہرقل نے کہا کہ جب تم ابتدا کر چکے ہو تو تم زیادہ بدعہد ہوئے۔اس کے بعد ہرقل نے از سر نو سلسلہ شروع کیا اور کہا کہ میں نے تم سے ان کے نسب کے بارے میں سوال کیا تم نے عالی نسب بتایا۔انبیاءؑ اپنی قوم کے شریف خاندان ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔میں نے پوچھا کہ ان کے بڑوں میں کوئی شخص بادشاہ ہوا ہے تم نے کہا نہیں۔مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ شاید اس بہانہ سے اس بادشاہت کو واپس لینا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کے متبعین کے بارے میں سوال کیا کہ شرفاء ہیں یا کمزور لوگ۔تم نے جواب دیا کہ کمزور لوگ ہیں' ہمیشہ سے انبیاءؑ کا اتباع کرنے والے ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں (کہ شرفاء کو اپنی نخوت دوسروں کی اطاعت سے روکتی ہے) میں نے سوال کیا تھا کہ اس دعوے سے قبل تم دروغ گوئی کا الزام ان پر لگاتے تھے یا نہیں تم نے انکار کیا میں نے یہ سمجھا تھا کہ شاید لوگوں کے متعلق جھوٹ بولتے بولتے اللہ پر بھی جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہو (مگر جو شخص لوگوں کے متعلق جھوٹ نہ بولتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کیا جھوٹ بول سکتا ہے) میں نے سوال کیا تھا کہ اس کے دین میں داخل ہو کر اس سے ناراض ہو کر کوئی مرتد ہوتا ہے تم نے اس سے انکار کیا۔ایمان کی خاصیت یہی ہے جب کہ اس کی بشاشت دلوں میں گھس جائے۔میں نے پوچھا تھا کہ وہ لوگ بڑھتے رہتے ہیں یا کم ہوتے جاتے

ہیں۔تم نے کہا کہ بڑھتے جاتے ہیں۔ایمان کا خاصہ یہی ہے حتی کہ دین کی تکمیل ہو جائے۔میں نے ان سے جنگ کے بارے میں سوال کیا تھا تم نے کہا کہ کبھی وہ غالب کبھی ہم غالب۔انبیاءؑ کے ساتھ ہمیشہ یہی برتاؤ رہا لیکن بہتر انجام انہی کے لیے ہوتا ہے۔میں نے بدعہدی کے متعلق سوال کیا تم نے انکار کیا۔یہی انبیاءؑ کی صفت ہوتی ہے کہ وہ بدعہد نہیں ہوتے۔میں نے پوچھا تھا کہ ان سے قبل کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تم نے اس سے انکار کیا۔میں نے خیال کیا تھا کہ اگر کسی نے ان سے قبل یہ دعویٰ کیا ہوگا تو میں سمجھوں گا کہ یہ اسی قول کی تقلید کرتے ہیں جو ان سے پہلے کہا جا چکا ہے۔اس کے بعد ہرقل نے ان سے پوچھا کہ ان کی تعلیمات کیا ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ نماز پڑھنے کا' صدقہ کرنے کا' صلہ رحمی کا' عفت و پاکدامنی کا حکم کرتے ہیں۔ہرقل نے کہا اگر یہ سب امور سچ ہیں جو تم نے بیان کیے تو وہ بے شبہ نبی ہیں۔مجھے یہ تو یقین تھا کہ وہ عنقریب پیدا ہونے والے ہیں مگر یہ یقین نہیں تھا کہ تم میں سے ہوں گے۔اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکتا ہوں تو ان کے ملنے کی خواہش کرتا (مگر اپنے قتل اور سلطنت کے زوال کے خوف سے جا نہیں سکتا) اور میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا۔بلاشبہ ان کی سلطنت اس جگہ تک پہنچنے والی ہے جہاں میں ہوں۔ہرقل کے اور بھی بہت سے قصے حدیث کی کتابوں میں ہیں۔یہ اپنی کتاب کا بھی ماہر تھا اور نجوم میں بھی مہارت رکھتا تھا اس لیے اس کے پہلے سے اس قسم کے خیالات ہو رہے تھے اور تحقیقات کر رہا تھا۔بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اس نے اس والا نامہ کو نہایت احتیاط سے صندوق میں سونے کی ایک نلکی میں محفوظ رکھا جو نسلاً بعد نسل اسی طرح اس کی اولاد میں منتقل ہوتا چلا آیا۔

تیسرا والا نامہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے نجاشی کے نام تھا۔یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہے۔حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں دو بادشاہ حبشہ میں گزرے ہیں۔پہلے کا نام اصحمہؓ تھا یہ مسلمان ہو گئے تھے ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی سلطنت حبشہ میں اس وقت ہجرت کی تھی جب کہ یہ مسلمان بھی نہ ہوئے تھے جس کا قصہ ''حکایات صحابہ'' کے پہلے باب کے نمبر۱۰ پر کچھ مختصر سا گزر چکا ہے۔حضور اقدس ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ان کے پاس بھی خط بھیجا تھا جس کا مضمون یہ تھا:

**بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله ﷺ الى النجاشي ملك الحبشة سلم انت فاني احمد اليك الله الذي لا اله الا هو الملك القدوس السلام المومن المهين واشهد ان عيسى بن مريم روح الله و كلمته القاها**

الی مریم البتول الطیبة الحصینة فحملت به فخلقه من روحه ونفخه بیده وانی ادعوك الی الله وحده لا شریك له والموالاة علی طاعته وان تتبعنی تومن بالذی جاءنی فانی رسول الله وانی ادعوك وجنودك الی الله عزوجل وقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصیحتی والسلام علی من اتبع الهدی

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام۔ تم صلح پسند ہو میں اس اللہ کی تعریف تمہارے پاس پہنچاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، سب عیبوں سے پاک ہے، ہر قسم کے نقص سے محفوظ ہے (یا بندے اس کے ظلم سے محفوظ ہیں) امن دینے والا ہے، نگہبان ہے (کہ بندوں کی آفات سے حفاظت فرماتا ہے) اور میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کی ایک روح اور اس کے وہ کلمہ تھے جس کو اللہ جل شانہ نے پاک وصاف کنواری مریمؑ کی طرف بھیجا تھا پس وہ حاملہ ہوگئیں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنی ایک خاص روح سے پیدا کیا اور ان میں جان ڈال دی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو (بغیر باپ کے) اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا۔ میں تمہیں اسی وحدہ لاشریک لہ کی بندگی کی دعوت دیتا ہوں اور اس کی اطاعت پر تعاون کی طرف بلاتا ہوں اور اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ تم میرا اتباع کرو اور جو شریعت میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لاؤ۔ بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کی طرف تم کو اور تمہارے سارے لشکروں کو بلاتا ہوں۔ میں حق بات تم تک پہنچا چکا ہوں اور نصیحت کر چکا تم میری نصیحت قبول کرلو اور سلام (یا سلامتی) اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔''

محدثین کی ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نجاشی پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے۔ اس والا نامہ پر انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسی وقت مسلمان ہوئے بہر حال انہوں نے اس والا نامہ کے جواب میں ایک عریضہ لکھا جس میں اپنے ایمان کا اقرار کیا کہ آپ نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جو کچھ لکھا وہ حرف بحرف صحیح ہے اور اپنے لڑکے کے ہاتھ ساٹھ نفر کی ایک جمعیت کے ساتھ اپنا عریضہ خدمت اقدس میں بھیجا مگر افسوس کہ راستہ میں وہ کشتی سمندر میں ڈوب گئی اور ان میں سے کوئی بھی خدمت اقدس میں نہ پہنچ سکا۔ خود ان نجاشی کا وصال بھی حضور ﷺ کی حیات ہی میں ہو گیا تھا اور حضور ﷺ نے غائبانہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی (غائبانہ نماز کا مسئلہ ایک فقہی بحث ہے جس کی یہ جگہ نہیں ہے بہت سی وجوہ سے حنفیہ کے نزدیک ان کی خصوصیت تھی)

ان کے بعد ان کی جگہ دوسرا نجاشی ہوا۔ اس کے پاس بھی حضور اقدس ﷺ نے والا نامہ ارسال فرمایا جو حسب ذیل ہے:

**هذا كتاب من النبی ﷺ الی النجاشی عظیم الحبشة سلام علی من اتبع الهدی وامن بالله ورسوله وشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له لم یتخذ صاحبة ولا ولدا وان محمدا عبده ورسوله وادعوك بدعایة الله فانی انا رسوله فاسلم تسلم یٰاهل الكتاب تعالوا الی كلمة سواء بیننا و بینكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون فان ابیت فعلیك اثم النصاری**

''یہ خط اللہ کے نبی محمد ﷺ کی طرف سے نجاشی کے نام ہے جو حبشہ کا بڑا اور سردار ہے سلام اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور اس کا اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ذات ہے نہ کوئی اس کا شریک' نہ بیوی ہے' اس کے لیے نہ اولاد۔ اور اس کا اقرار کرے کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اللہ کی پکار یعنی کلمہ **لا اله الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** کی تجھ کو دعوت دیتا ہوں تو مسلمان ہو جا سلامتی سے رہے گا۔ اے اہل کتاب! آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے اس کے سوا۔ اگر اس کے بعد بھی اہل کتاب روگردانی کریں تو مسلمانو! تم کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو اس کے کہ ہم مسلمان ہیں (بے دھڑک اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہیں) اے نجاشی۔ اگر تو میری دعوت قبول کرنے سے انکاری ہے تو نصاریٰ کا گناہ بھی (بوجہ اس کے کہ وہ تیرے متبع ہیں) تجھ پر ہوگا۔ فقط۔''

اس خط میں غالباً حسب معمول **بسم اللّٰہ** بھی ہوگی مگر میں نے جہاں سے نقل کیا ہے اس میں نہیں ہے۔ ان نجاشی کے متعلق نہیں ہوسکا کہ یہ ایمان لائے یا نہیں۔ ان کا کیا نام تھا؟ اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ حدیث بالا میں تیسرا خط جو نجاشی کے نام ہے وہ یہی نجاشی ہیں چنانچہ بعض روایات میں نجاشی کے نام کے ساتھ یہ لفظ بھی ہے کہ وہ نجاشی نہیں ہیں جن کے جنازہ کی نماز حضور ﷺ نے پڑھی اور یہی صحیح ہے اگرچہ بعض محدثین نے صرف پہلے ہی نجاشی کے خط کا ذکر کیا اور بعض نے صرف دوسرے کا۔

(۷) حدثنا اسحٰق بن منصور انبأنا سعید بن عامرو الحجاج بن منهال عن همام عن ابن جریج عن الزهری عن انس بن مالکؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَہٗ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی نکال کر تشریف لے جاتے۔''

ف: چونکہ اس میں اللہ جل جلالہٗ عم نوالہٗ کا اسم شریف لکھا ہوا تھا اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہ پہنے ہوئے استنجے نہ جاتے تھے۔ اسی بناء پر علماء نے اس انگوٹھی کو پہنے ہوئے پاخانہ جانے کو مکروہ لکھا ہے جس میں کوئی متبرک نام یا عبارت ہو۔

(۸) حدثنا اسحٰق بن منصور حدثنا عبداللہ بن نمیر حدثنا عبیداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمرؓ قَالَ اتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِّنْ وَرِقٍ فَکَانَ فِیْ یَدِہٖ ثُمَّ کَانَ فِیْ یَدِ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ ثُمَّ کَانَ فِیْ یَدِ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ حَتّٰی وَقَعَ فِیْ بِئْرِ اَرِیْسٍ نَقْشُہٗ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ

''ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی وہ انگوٹھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں رہی پھر حضرت ابوبکر کے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پھر ان کے زمانہ میں بیر اریس میں گر گئی تھی۔ اس انگوٹھی کا نقش محمد رسول اللہ تھا۔''

ف: بیر اریس مسجد قباء کے قریب ایک کنواں ہے۔ یہ انگوٹھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں چھ برس تک ان کے پاس رہی اس کے بعد اتفاق سے اس کنویں میں گر گئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر چند اس کنویں میں تلاش فرمایا تین دن تک اس کا پانی نکلوایا مگر ملی نہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس انگوٹھی کے گرتے ہی وہ فتن اور حوادث شروع ہو گئے تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ میں بکثرت ظہور پذیر ہوئے ہیں اس حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں موجود ہونے کو بیان فرماتے ہیں اور اس باب کی دوسری حدیث میں خود ابن عمر رضی اللہ عنہما انگوٹھی پہننے کی نفی بھی فرما چکے ہیں جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے اس حدیث کے تعارض کا ایک خاص جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں رہتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتی تھی پہننا اس کو لازم نہیں۔ چنانچہ آئندہ باب میں آرہا ہے کہ حضرت معیقیب کے پاس رہتی تھی۔

# باب ما جاء فی انَّ النّبی ﷺ کانَ یتختم فی یَمینہٖ

## باب اس بیان میں کہ حضور اقدس ﷺ انگوٹھی کو دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے

ف: پہلے باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے انگوٹھی کی کیفیت بتلائی تھی۔ اور اس باب میں اس کے پہننے کی کیفیت بتلانا مقصود ہے۔ اس باب میں مصنف نے نو حدیثیں ذکر کی ہیں۔

**(۱) حدثنا محمد بن سهل بن عسكر البغدادی و عبدالله بن عبدالرحمن قالا اخبرنا يحيى بن حسان حدثنا سليمان بن بلال عن شريك بن عبدالله بن ابی نمر عن ابراهيم بن عبدالله بن حنين عن ابيه عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبَسُ خَاتَمَهٗ فِیْ يَمِيْنِهٖ**

''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔''

**حدثنا محمد بن يحيى حدثنا احمد بن صالح حدثنا عبدالله بن وهب عن سليمان بن بلال عن شريك بن عبدالله بن ابی نمر نحوه**

ف: اس بارے میں روایات مختلف وارد ہوئی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے یا بائیں میں۔ بعض علمائے محدثین اس میں ترجیح کی طرف مائل ہوئے ہیں چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی رائے یہی ہے کہ دائیں ہاتھ میں پہننے کی روایات راجح ہیں۔ بعض علماء نے اس طرح جمع کیا ہے کہ اکثر داہنے دست مبارک میں پہنتے تھے اور گاہے گاہے بائیں میں بھی پہن لیتے تھے۔ علماء کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ انگوٹھی کون سے ہاتھ میں پہننا افضل ہے۔ خود علمائے حنفیہ میں بھی اختلاف ہے بعض نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل بتایا ہے اور بعض نے دونوں کو مساوی بتایا ہے۔ شامیؒ نے یہی دو قول لکھے ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کا ایک قول دائیں کے افضل ہونے کا لکھا ہے لیکن مذہب کے لحاظ سے راجح وہی قول ہے جو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں میں بلا کراہت جائز ہونے پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔

مالکیہ نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل بتایا ہے۔ الغرض احادیث سے بھی دونوں فعل ثابت ہیں اور علماء بھی ترجیح کے اعتبار سے دونوں طرف گئے ہیں۔ درمختار میں قہستانی سے نقل کیا ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی کا پہننا روافض کا شعار ہوگیا ہے اس لیے اس سے احتراز واجب ہے۔ صاحب درمختار لکھتے ہیں کہ ممکن ہے اس زمانہ میں روافض کا شعار ہو اب نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے ''کوکب دری'' میں نقل کیا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی چونکہ روافض کا شعار ہے اس لیے مکروہ ہے۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بذل المجہود میں یہی تحریر فرمایا ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ روافض کے کفر میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن ان کے فاسق ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور فساق کے ساتھ تشبہ سے بھی احتراز ضروری ہے۔

**(۲) حدثنا احمد بن منیع حدثنا یزید بن هارون عن حماد بن سلمة قال رَأَيْتُ ابْنَ اَبِیْ رَافِعٍ يَتَخَتَّمُ فِیْ يَمِيْنِهٖ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَأَيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍؓ يَتَخَتَّمُ فِیْ يَمِيْنِهٖ وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِیْ يَمِيْنِهٖ**

''حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن ابی رافع کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن جعفر کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا اور وہ یہ کہتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔''

**(۳) حدثنا یحیی بن موسی انبانا عبدالله بن نمیر انبانا ابراهیم بن الفضل عن عبدالله بن محمد ابن عقیل عن عبدالله بن جعفرؓ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِیْ يَمِيْنِهٖ**

''عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے دوسرے طریقہ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔''

ف: ایک حدیث میں اس کے ساتھ یہ بھی نقل کیا گیا کہ زینت دائیں ہاتھ کے ساتھ زیادہ موزوں ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو فن حدیث کے امام ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجھے احادیث کے دیکھنے سے جو محقق ہوا وہ یہ ہے کہ اگر زینت کے ارادہ سے پہنے تو دایاں ہاتھ موزوں ہے اور اگر مہر لگانے کے ارادہ سے پہنے تو بایاں ہاتھ موزوں ہے کہ دائیں ہاتھ سے اس کو نکال کر مہر لگانے میں سہولت

ہے۔اوراحادیث میں دونوں ہاتھوں میں پہننا وارد ہے۔

(۴) حدثنا ابو الخطاب زیاد بن یحیٰی حدثنا عبداللّٰہ بن میمون عن جعفر بن محمدٍ عن ابیہ عن جابر بن عبداللّٰہؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِہٖ

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔''

(۵) حدثنا محمد بن حمید الرازی حدثنا جریر عن محمد بن اسحٰق عن الصلت بن عبداللہ قَالَ کَانَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِہٖ وَلَا اَخَالُہٗ اِلَّا قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِہٖ

''صلت بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور مجھے جہاں تک خیال ہے یہ کہا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے۔''

ف: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مختصر نقل کیا ہے ابوداؤد شریف میں ذرا تفصیل سے ہے ابن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے صلت کو دائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (کن انگلی جس کو چھنگلیا بھی کہتے ہیں) میں پہنے دیکھا میں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ایسے ہی پہنے دیکھا اور اس کے نگین کو اوپر کی جانب کر رکھا تھا اور جہاں تک خیال ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ذکر کرتے تھے کہ آپ بھی اسی طرح پہنتے تھے۔اس حدیث میں دو مضمون ہیں ایک یہ کہ نگین کو اوپر کی جانب رکھا تھا۔بذل المجہود میں مرقاۃ الصعود سے نقل کیا ہے کہ نگین کا ہاتھ کے اندر کے حصہ یعنی ہتھیلی کی طرف رکھنا زیادہ صحیح ہے اور اکثر روایات میں وارد ہے۔ چنانچہ شمائل میں بھی آئندہ روایات میں آ رہا ہے علامہ مناویؒ نے لکھا ہے کہ یہی افضل ہے کہ اس میں نگین کی حفاظت بھی ہے اور عجب وتکبر سے حفاظت بھی۔ دوسرا مضمون یہ ہے کہ انگوٹھی کو سب سے چھوٹی انگلی میں پہننا امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے سنت ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انگوٹھی اسی انگلی میں ہونی چاہیے اور نگین مردوں کی انگوٹھی میں ہتھیلی کی طرف ہونا چاہیے اور عورتوں کی انگوٹھی میں اوپر کی جانب کہ ان کا پہننا زینت کے لیے ہوتا ہے۔

(۶) حدثنا محمد بن ابی عمرؒ حدثنا سفیان عن ایوب بن موسی عن نافعؒ

عن ابن عمرؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا من فِضَّۃٍ وَجَعَلَ فَصَّہٗ مِمَّا یَلِیْ کَفَّہٗ وَنَقَشَ فِیْہِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَنَھٰی اَنْ یَّنْقُشَ اَحَدٌ عَلَیْہِ وَھُوَ الَّذِیْ سَقَطَ مِنْ مُعَیْقِیْبٍ فِیْ بِیْرِ اَرِیْسٍ

''ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی اس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب میں رہتا تھا اس میں محمد رسول اللہ کندہ کرایا تھا۔ اور لوگوں کو منع فرما دیا تھا کہ کوئی شخص اپنی انگوٹھی پر یہ کندہ نہ کرائے۔ یہ وہی انگوٹھی تھی جو معیقیبؓ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیر اریس میں گر گئی تھی۔''

ف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوروں کو اس لیے منع فرما دیا تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کمال اتباع میں اگر یہی کندہ کرالیتے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر دوسروں کی مہر کے ساتھ مخلوط ہو جاتی، معیقیب رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے انگوٹھی کے محافظ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی جن اوقات میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی پہنے ہوئے نہیں ہوتے تھے اس وقت معیقیب رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہتی تھی۔ ایسے ہی پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں رہا۔ اور ایسے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت میں۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی صورت تھی۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ وہ حضرت عثمانؓ کو انگوٹھی دے رہے تھے یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے لے رہے تھے کہ اس حالت میں انگوٹھی گری اور کنوئیں میں جا پڑی۔ اس میں روایات مختلف ہیں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گری یا حضرت معیقیبؓ کے پاس سے۔ علماء نے یہی صورت جمع کی تجویز فرمائی ہے جو اوپر لکھی گئی۔ اس صورت میں دونوں روایتیں صحیح ہیں اس لیے کہ جب درمیان میں گری تو اس کی نسبت ہر ایک کی طرف صحیح ہے۔

(۷) حدثنا قتیبة بن سعید قال حدثنا حاتم بن اسمعیل عن جعفر بن محمد عن ابیه قال کَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ رضی اللہ عنہما یَتَخَتَّمَانِ فِیْ یَسَارِھِمَا

''امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔''

ف: یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ کے باب کی سرخی کے خلاف ہوگئی اس لیے کہ باب داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا منعقد فرمایا تھا۔ اس کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ مقصود اس قسم کی روایات سے جب کہ اس باب میں بہت سی روایات اس کے خلاف ہیں اشارہ اس کے ضعف کی طرف ہے۔ بندۂ ناچیز کے

نزدیک باب میں داہنے ہاتھ کی قید بیان افضلیت کے لیے ہے اور اس نوع کی روایات بیان جواز کے واسطے ہیں۔ بعض اکابر نے یہ بھی توجیہ فرمائی ہے کہ ترجمہ میں حسب عادت محدثین کلمہ (ام فی یسارہ) محذوف ہے۔ یعنی حضور ﷺ انگوٹھی داہنے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے یا بائیں میں۔ اس توجیہ پر کوئی روایت ترجمہ کے غیر مطابق نہ ہوگی۔

**(۸) حدثنا عبداللہ بن عبدالرحمن حدثنا محمد بن عیسٰی وھو ابن الطباع حدثنا عباد بن العوام عن سعید بن ابی عروبۃ عن قتادۃ عن انس بن مالکؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَخَتَّمَ فِیْ یَمِیْنِہٖ قال ابو عیسٰی ھذا حدیث غریب لا نعرفہ من حدیث سعید بن ابی عروبۃ عن قتادۃ عن انس عن النبی ﷺ نحو ھذا الا من ھذا الوجہ وروی بعض اصحاب قتادۃ عن قتادۃ عن انس اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَخَتَّمَ فِیْ یَسَارِہٖ وَھُوَ حدیث لا یصح ایضاً**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔''

ف: امام ترمذی رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہاتھ کی تعیین نہیں ہے یہ محدثین کی غایت احتیاط ہے کہ وہ حدیث کے ہر ہر ٹکڑے پر گہری نظر ڈالتے ہیں کہ کونسی حدیث میں کونسا مضمون صحیح ہے اور کون سا ایسا ہے جو اس حدیث میں صحیح نہیں ہے۔ دوسری حدیثوں میں اگرچہ صحیح طور پر ثابت ہو۔ یہی وہ چیز ہے جس کی بدولت حدیث شریف کا فن آج تک نہایت پختگی اور نورانیت و چمک کے ساتھ دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا انگوٹھی دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں پہننا روایات متعددہ سے ثابت ہے۔ داہنے ہاتھ کی روایات اس باب میں گزر چکی ہیں۔ اور بائیں ہاتھ کی روایات بھی ابوداؤد و مسلم وغیرہ میں موجود ہیں۔ چنانچہ نووی رحمہ اللہ نے دونوں قسم کی روایات کو صحیح بتایا ہے لیکن محدثین کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ باوجود متنِ حدیث کے صحیح ہونے کے اگر کسی خاص طریقہ سے قواعد محدثین کے موافق صحیح نہیں ہوتی تو اس خاص طریقہ پر کلام فرماتے ہیں اس لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے کلام کیا ہے۔

**(۹) حدثنا محمد بن عبید المحاربی حدثنا عبدالعزیز بن ابی حازم عن**

موسی بن عقبة عن نافع عن ابن عمرؓ قَالَ اتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَكَانَ يَلْبَسُهٗ فِيْ يَمِيْنِهٖ فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَ مِنْ ذَهَبٍ فَطَرَحَهٗ وَقَالَ لَا اَلْبَسُهٗ اَبَدًا فَطَرَحَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَهُمْ

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی جس کو اپنے داہنے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اتباعاً سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد وہ انگوٹھی پھینک دی اور فرمایا کہ میں اس کو کبھی نہیں پہنوں گا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔''

ف: سونا ابتداءِ اسلام میں جائز تھا پھر مردوں کے لیے حرام ہوگیا۔ اس کی حرمت پر جمہور کا اتفاق ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔ فقہی بحث اس مسئلہ میں طویل ہے جس کا یہ محل نہیں۔

# باب ما جاء فی صفة سیف رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کی تلوار کا بیان

ف: علماء کہتے ہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے انگوٹھی کے بعد تلوار کا اس لیے ذکر کیا کہ حقیقتاً اس سے ایک نظام العمل اور دستور السلطنت کی طرف اشارہ ہے کہ اول تبلیغی خطوط سلاطین کے پاس ارسال کیے جائیں اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو منافع دین اور دنیوی کے مالک ہیں ہی' ورنہ پھر وہ اور تلوار۔ حضور اقدس ﷺ کے پاس چند تلواریں رہیں ان کے خاص خاص نام تھے۔ سب سے پہلی تلوار ماثور تھی جو وراثت میں آپؐ نے اپنے والد سے پائی تھی۔ ایک کا نام قصیب اور ایک کا قلعی' ایک کا بتار' ایک کا ذوالفقار وغیرہ وغیرہ تھا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں چار حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا محمد بن بشار حدثنا وهب بن جریر انبانا ابی عن قتادة عن انسؓ قال كَانَ قَبِيعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی تلوار کے قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔''

ف: علامہ بیجوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ ذوالفقار کا ذکر ہے۔ فتح مکہ میں حضور اقدس ﷺ کے پاس یہی تلوار تھی۔

(۲) حدثنا محمد بن بشار حدثنا معاذ بن هشام حدثنی ابی عن قتادة عن سعید بن ابی الحسنؒ قال كَانَتْ قَبِيعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ

''سعید بن ابی الحسنؒ نے بھی یہی نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کی تلوار کے قبضہ کی موٹھ چاندی کی تھی۔''

(۳) حدثنا ابو جعفر محمد بن صدران البصری حدثنا طالب بن حجیرؒ عن هود وهو ابن عبدالله ابن سعید عن جده قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى سَيْفِهِ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ قَالَ طَالِبٌ فَسَأَلْتُهُ عَنِ

الْفِضَّةِ فَقَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ السَّيْفِ فِضَّةً

''ہود کے نانا مزیدہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ کی تلوار پر سونا اور چاندی تھا۔ طالب جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد سے پوچھا کہ چاندی کس جگہ تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔''

ف: تلوار میں سونا لگانا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اور اس حدیث سے اس لیے استدلال نہیں ہوسکتا کہ محدثین نے اس حدیث کو ضعیف بتایا ہے۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ اس کی سند قابل اعتماد نہیں ہے۔ البتہ چاندی کی ٹوپی وغیرہ جیسا کہ پہلی روایتوں میں آیا جائز ہے۔ کہتے ہیں کہ چونکہ سونا ناجائز تھا اس لیے راوی نے صرف چاندی کی تحقیق کی کہ کس جگہ تھی سونے کو دریافت بھی نہیں کیا کہ کہاں تھا۔

**(۴) حدثنا محمد بن شجاع البغدادی حدثنا ابوعبیدة الحداد عن عثمان بن سعد عن ابن سیرین قال صَنَعْتُ سَيْفِيْ عَلٰى سَيْفِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ وَزَعَمَ سَمُرَةُ اَنَّهٗ صَنَعَ سَيْفَهٗ عَلٰى سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ حَنَفِيًّا حدثنا عقبة بن مکرم البصری حدثنا محمد بن بکر عن عثمان بن سعد بهذه الاسناد نحوه**

''ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ میں نے اپنی تلوار سمرۃ رضی اللہ عنہ کی تلوار کے موافق بنوائی اور وہ کہتے تھے کہ ان کی تلوار حضور اقدس ﷺ کی تلوار کے موافق بنوائی گئی ہے۔ اور وہ قبیلہ بنو حنیفہ کی تلواروں کے طریق پر تھی۔''

ف: بنو حنیفہ عرب کا ایک قبیلہ ہے جو تلواروں کے عمدہ بنانے میں بہت مشہور ہے یہ سب لوگ یکے بعد دیگرے حضور اقدس ﷺ کے اتباع میں ویسے ہی تلوار بناتے رہے۔

❀❀❀

# باب ما جاء فی صفة درع رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کی زرہ کا بیان

ف: حضور اکرم علیہ السلام کے پاس سات زرہیں تھیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔ (۱) ذات الفضول جو اپنی وسعت کی وجہ سے اس نام کے ساتھ مشہور تھی اور یہی وہ زرہ ہے جس کا قصہ حدیث کی کتابوں میں آتا ہے جو ابوالشحم یہودی کے پاس رہن تھی اور باقی چھ کے نام یہ ہیں۔ (۲) ذات الحواشی (۳) ذات الوشاح (۴) فضہ (۵) سغدیہ (۶) تبراء (۷) خرنق۔ اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔

**(۱) حدثنا ابوسعید عبدالله بن سعید الاشج حدثنا یونس بن بکیر عن محمد بن اسحٰق عن یحیی ابن عباد بن عبدالله بن الزبیر عن ابیه عن جده عبدالله بن الزبیر عن الزبیر بن العوامؓ قَالَ کَانَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ فَنَهَضَ اِلَی الصَّخْرَةِ فَلَمْ یَسْتَطِعْ فَاَقْعَدَ طَلْحَةَ تَحْتَهٗ فَصَعِدَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اسْتَوٰی عَلَی الصَّخْرَةِ قَالَ فَسَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَوْجَبَ طَلْحَةُ رضی اللہ عنہ**

''حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن مبارک پر احد کی لڑائی میں دو زرہ تھیں (ایک ذات الفضول دوسری فضہ) حضور اقدس ﷺ نے ایک چٹان کے اوپر چڑھنے کا ارادہ فرمایا مگر (وہ اونچی تھی اور دو زرہوں کا وزن، نیز غزوۂ احد میں وہ تکلیفیں جو حضور اقدس ﷺ کو پہنچی تھیں کہ جن کی وجہ سے چہرۂ مبارک خون آلودہ ہو گیا تھا غرض ان وجوہ سے) حضور ﷺ اس چٹان پر چڑھ نہ سکے۔ اس لیے حضرت طلحہؓ کو نیچے بٹھا کر ان کے ذریعہ سے اس چٹان پر چڑھے۔ زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے (جنت کو یا میری شفاعت کو) واجب کر لیا۔

ف: جنگ احد میں لڑائی کی حالت نہایت خطرناک تھی حتیٰ کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کا واہمہ بعض لوگوں کو ہو گیا تھا۔ حضور اقدس ﷺ اس اونچی جگہ اس لیے تشریف لے گئے تھے تاکہ سب

صحابہ رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر مطمئن ہو جائیں اور بعض اکابر نے لکھا ہے کہ کفار کے دیکھنے کے لیے چڑھتے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس دن کمال شجاعت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ حتی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جب غزوۂ احد کا ذکر فرماتے تو کہتے تھے کہ یہ دن تمام کا تمام طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنا رکھا تھا۔ اسی (۸۰) سے زائد زخم ان کے بدن پر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑا حتی کہ ان کا ہاتھ بھی شل ہو گیا تھا۔

**(۲) حدثنا احمد بن ابی عمر حدثنا سفیٰن بن عیینة عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزیدؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَيْهِ يَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ قَدْ ظَاهَرَ بَيْنَهُمَا**

''سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر جنگ احد میں دو زرہیں تھیں، جن کو اوپر نیچے پہن رکھا تھا۔''

ف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو زرہ پہننا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال توکل کے منافی نہیں۔ اس لیے کہ اول تو کمال سلوک خود صوفیا کے یہاں بھی رجوع الی البدایت ہے یعنی عام معاملات میں عام لوگوں جیسا برتاؤ ہو لیکن شریعت کی پابندی طبیعت بن جائے۔ دوسرے یہ بات کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں اس قسم کے امور امت کو تعلیم کے لیے ہوا کرتے ہیں اور یہ ظاہر بات ہے تیسری بات یہ بھی ہے کہ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

**﴿یایها الذین امنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات او انفروا جمیعا﴾ [سورة نساء: رکوع ۱۰]**

''اے ایمان والو! (کافروں کے مقابلہ میں) اپنی تو احتیاط رکھو (یعنی ان کے داؤ گھات سے بھی ہوشیار رہو اور مقابلہ کے وقت سامان ہتھیار ڈھال وغیرہ سے بھی درست رہو) پھر (ان سے مقابلہ کے لیے) متفرق طور پر یا مجتمع طور پر (جیسا موقع ہو) نکلو۔'' (بیان القرآن)

اس لیے حفاظت کا حسب موقع سامان لینا آیت شریفہ کا امتثال ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ جل شانہ کے ارشادات پر عمل کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ اسی سلسلہ میں زرہ خود وغیرہ جملہ احتیاطی سامان کا استعمال ہے۔

# باب ما جاء فی صفة مغفر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

## باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خود کا ذکر

ف: خود لوہے کی بنی ہوئی ٹوپی ہوتی ہے، جو لڑائی کے وقت سر کی حفاظت کے لیے اوڑھی جاتی ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا مالك بن انس عن ابن شهاب عن انس بن مالكٌ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَعَلَیْهِ مِغْفَرٌ فَقِیْلَ لَهٗ هٰذَا ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلُوْهُ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر خود تھی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب خود اتار چکے اور اطمینان ہو گیا تو) کسی نے آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ ابن خطل کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو۔''

ف: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لیے جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں تو اہل مکہ پر ایک ایسی دہشت اور گھبراہٹ سوار تھی جس کی کوئی انتہا نہ تھی۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غایت شفقت اور مہربانی کی وجہ سے یہ فرما دیا تھا کہ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے اور جو اپنے گھر میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے جو ہتھیار ڈال دے وہ مامون ہے وغیرہ وغیرہ۔ البتہ گیارہ مرد اور چھ عورتیں ایسی تھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے کہ ان کے جرائم ناقابل عفو تھے ان کے خون ہدر کر دیئے تھے اور اس معافی کے عام اعلان سے ان کو مستثنیٰ کر دیا تھا اور فرما دیا تھا کہ ان لوگوں کو امن نہیں ہے۔ ان میں سے بھی سات مرد اور دو عورتیں مسلمان ہو کر معافی میں آ گئے تھے۔ باقی چار مرد اور چار عورتیں قتل کیے گئے۔ منجملہ ان آٹھ کے ابن خطل تھا۔ یہ شخص اول مدینہ منورہ حاضر ہو کر مسلمان ہوا اور عبد اللہ نام رکھا گیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قبیلہ کی زکوٰۃ لینے کے لیے اس کو بھیجا اس نے اپنے ایک مسلمان غلام کو اس جرم میں جان سے مار ڈالا کہ اس نے کھانا پکانے میں

کچھ دیر کر دی تھی۔ اور خود اس خوف سے کہ مدینہ منورہ لوٹا تو قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا' مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا آیا تھا۔ وہاں پہنچ کر حضور اقدس ﷺ کی ہجو کرتا تھا اور دو باندیاں گانے والیاں خریدیں جو حضور ﷺ کی ہجو کے اشعار سے اس کو خوش کیا کرتی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے منجملہ ان آٹھ کے اس کا خون بھی ہدر کر دیا تھا اسی لیے باوجود بیت اللہ میں داخل ہونے کے اس کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے قاتل میں محدثین کے بہت سے اقوال ہیں کہ کس نے قتل کیا۔ اس حدیث میں ایک فقہی بحث بھی ہے کہ حدود قصاص حرم میں قائم ہو سکتی ہے یا نہیں؟ مسئلہ تفصیل طلب ہے اور عام ضرورت بھی اس سے متعلق نہیں اس لیے اختصاراً ترک کر دیا گیا۔ لیکن ایسے مواقع پر اس لیے تنبیہ کر دی جاتی ہے کہ اگر علم دوست حضرات یا طلبہ میں سے کوئی دیکھے تو وہ اس تنبیہ کے بعد مراجعت مشائخ سے تحقیق کر لے۔ اسی طرح اس حدیث سے مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے داخل ہونے کا جواز معلوم ہوتا ہے جس کا بیان دوسری حدیث میں آ رہا ہے۔

(۲) حدثنا عیسی بن احمد حدثنا عبداللہ بن وهب حدثنی مالك بن انس عن ابن شهاب عن انس بن مالكؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلٰى رَاْسِهِ الْمِغْفَرُ قَالَ فَلَمَّا نَزَعَهٗ جَاءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلُوْهُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَبَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ مُحْرِمًا

''حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ فتح مکہ کے وقت شہر میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ کے سر مبارک پر ایک خود تھی۔ جب حضور ﷺ نے اس کو اتار دیا تو ایک آدمی آیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ابن خطل کعبہ کے پردہ سے لپٹا ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ امن والوں میں نہیں اس کو قتل کر ڈالو۔ زہری کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور اقدس ﷺ اس روز محرم نہیں تھے۔''

ف: یہ اخیر جملہ امام زہری کا بھی ایک فقہی مسئلہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک مکہ مکرمہ میں بلا احرام داخل ہونا جائز نہیں اس لیے کہ حدیث شریف میں میقات سے بدون احرام کے تجاوز کرنے کی ممانعت آئی ہے اور شافعیہ کے نزدیک اس حدیث کی بناء پر جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ حدیث اس لیے حجت نہیں بن سکتی کہ حضور اقدس ﷺ کے لیے فتح مکہ کی غرض سے اس دن کی حرمت اٹھا دی گئی تھی۔ چنانچہ بخاری وغیرہ کی روایات میں اس کی تصریح ہے کہ حضور ﷺ نے

یہ ارشاد فرمایا کہ میرے لیے آج کے دن یہ حلال تھا کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ ابن خطل کا کعبہ کے پردہ سے لپٹنا ممکن ہے آہ وزاری اور دعا کی غرض سے ہو کہ اس کو چونکہ امن نہیں دیا گیا تھا اور اپنی تمام حرکات بھی یاد تھیں کہ میں نے مرتد ہو کر کیا کچھ نہیں کیا اس لیے دعا کی غرض سے ایسا کرتا ہو کہ کعبہ کی تعظیم وتکریم تو یہ لوگ کرتے ہی تھے اور اقرب یہ ہے کہ سابقہ دستور کے موافق اس وجہ سے امن کی امید ہو کہ کعبہ کی تعظیم کی وجہ سے مجرموں کو اس حال میں قتل نہیں کیا جاتا تھا۔

❀❀❀

# باب ما جاء فی صفة عمامة النبی ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے عمامہ کا ذکر

ف: حضور ﷺ کے عمامہ کی مقدار مشہور روایات میں نہیں ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع آئی ہے۔ بیجوری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کا بے اصل ہونا نقل کیا ہے۔ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سیر کی کتابوں کو خاص طور سے تلاش کیا مگر حضور ﷺ کے عمامہ کی مقدار مجھے نہیں ملی۔ البتہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کے دو عمامے تھے ایک چھوٹا چھ ہاتھ کا مناوی کے قول کے موافق اور سات ہاتھ کا ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق' ایک بڑا بارہ ہاتھ کا۔ صاحب مدخل نے حضور ﷺ کے عمامہ کی مقدار سات ہی ہاتھ بتائی ہے دوسرا نہیں بتایا۔ عمامہ کا باندھنا سنت مستمرہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے عمامہ باندھنے کا حکم بھی نقل کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ عمامہ باندھا کرو اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے (فتح الباری) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کیا عمامہ باندھنا سنت ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں سنت ہے (عینی) ایک حدیث میں آیا ہے عمامہ باندھا کرو عمامہ اسلام کا نشان ہے اور مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والا ہے (عینی) اس باب میں مصنفؒ نے پانچ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

**(۱) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی عن حماد بن سلمة وحدثنا محمود ابن غیلان حدثنا وکیع عن حماد بن سلمة عن ابی زبیر عن جابرؓ قال دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَکَّةَ یَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَیْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ**

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ فتح مکہ میں جب شہر میں داخل ہوئے ہیں تو حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔''

ف: یہ حدیث بظاہر گزشتہ باب کی روایات کے خلاف ہے جن میں حضور ﷺ کا خود پہنے ہوئے مکہ مکرمہ میں تشریف لے جانا وارد ہوا ہے لیکن حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ خود پر عمامہ ہونے میں کوئی بعد نہیں دونوں روایتیں بسہولت جمع ہو سکتی ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ داخلہ کے وقت تو

خودسرِ مبارک پر تھی اس کے بعد متصلاً ہی عمامہ باندھ لیا تھا چونکہ وہی وقت تقریباً تھا اس لیے اس روایت میں داخلہ کا وقت کہا گیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ لوہے کی ٹوپی کی اذیت کی وجہ سے اس کے نیچے عمامہ باندھ رکھا ہوگا۔

(۳) حدثنا ابن ابی عمر حدثنا سفیان عن مساور الوراق عن جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیه قال رَأَیْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِمَامَةً سَوْدَاءَ

''عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک پر سیاہ عمامہ دیکھا۔''

ف: مسلم شریف اور نسائی شریف میں ہے کہ عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ منظر گویا اس وقت میرے سامنے ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔ سیاہ عمامہ آپؐ کے سرِ مبارک پر تھا اور اُس کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان تھا۔

(۴) حدثنا محمود بن غیلان و یوسف بن عیسٰی قالا حدثنا وکیع عن مساور الوراق عن جعفر ابن عمرو بن حریث عن ابیه اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَ عَلَیْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ۔

''عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ ہی سے یہ روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خطبہ دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔''

ف: مشہور قول کے موافق یہ خطبہ فتح مکہ کا خطبہ ہے جو کعبہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جس کا ذکر پہلی حدیثوں میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے گزر چکا ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے اس وجہ سے کہ اس قصہ میں بعض جگہ منبر کا لفظ آیا ہے اور فتح مکہ کا وہ خطبہ منبر پر نہیں تھا اس لیے مدینہ منورہ کا کوئی اور خطبہ جمعہ کا مراد لیا ہے کہ بعض حدیثوں میں اس قصہ میں جمعہ کا لفظ بھی موجود ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں میرک شاہ سے نقل کیا ہے کہ یہ خطبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وصال کا ہے۔ واللہ اعلم

(۴) حدثنا هارون بن اسحاق الهمدانی حدثنا یحیی بن محمد المدینی عن عبدالعزیز عن محمد بن عبیدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمرؓ قال کان النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهٗ بَیْنَ کَتِفَیْهِ قَالَ نَافِعٌ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَفْعَلُ ذٰلِكَ قَالَ عُبَیْدُ اللّٰهِ وَرَاَیْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَسَالِمًا یَفْعَلَانِ

ذٰلِكَ

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملہ کو اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان یعنی پچھلی جانب ڈال لیتے تھے نافع یہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ایسے ہی کرتے دیکھا عبیداللہ جو نافع کے شاگرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم بن عبداللہ کو ایسے ہی کرتے دیکھا۔''

ف: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ شملہ کے بارہ میں مختلف رہی ہے شملہ چھوڑنے کا معمول اکثر تھا حتیٰ کہ بعض علماء نے یہاں تک لکھ دیا کہ بغیر شملہ کے باندھنا ثابت ہی نہیں لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ گاہے بغیر شملہ چھوڑے بھی عمامہ باندھ لیتے تھے اور شملہ چھوڑنے میں بھی مختلف معمول رہا ہے اور کبھی آگے دائیں جانب کبھی پیچھے دونوں مونڈھوں کے درمیان شملہ چھوڑتے تھے۔ کبھی عمامہ کے دونوں سرے شملہ کے طریقہ پر چھوڑ لیتے تھے۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ثابت اگرچہ سب صورتیں ہیں لیکن ان میں افضل اور زیادہ صحیح دونوں مونڈھوں کے درمیان یعنی پچھلی جانب ہے۔

**(۵) حدثنا یوسف بن عیسٰی حدثنا وکیع حدثنا ابو سلیمان وھو عبدالرحمن بن الغسیل عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَیْہِ عَمَامَۃٌ سَوْدَاءُ اَوْ عِصَابَۃٌ وَسْمَاءُ**

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خطبہ دیا اور آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا یا چکنی پٹی تھی۔''

ف: یہ قصہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کا ہے اور آخری وعظ ہے کہ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ منبر پر تشریف لے گئے نہ کوئی خطبہ پڑھا۔ اس میں انصار کی مراعات کا خاص طور سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا۔ ان کے محاسن اور احسانات گنوائے اور یہ ارشاد بھی فرمایا کہ جو تم میں سے کسی چیز کا بھی امیر بنایا جائے وہ ان کی خاص طور سے رعایت کرے۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں شدید درد تھا جس کی وجہ سے پٹی کا باندھنا بھی موجہ ہے اور چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر تیل کی زیادہ مالش ہوتی تھی، جیسا کہ آئندہ آنے والا ہے اس لیے اس پٹی کا چکنا ہونا بھی قرین قیاس ہے اور سیاہ عمامہ تو ظاہر ہے۔ اس میں کسی قسم کا بعد نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت

شریفہ تھی ہی۔ غرض علماء اس کے مطلب میں دونوں طرف گئے ہیں کہ بعض علماء نے سیاہ عمامہ کا ترجمہ فرمایا ہے اور بعض نے چکنی پٹی کا اور دونوں صحیح ہیں کہ لفظ بھی دونوں کو محتمل ہے اور قول بھی دونوں کے موافق ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی ابن الغسیل رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کی اولاد ہیں۔ حضرت حنظلہؓ کا لقب غسیل الملائکہ پڑ گیا تھا جس کا ترجمہ فرشتوں کا غسل دیا ہوا ہے۔ ان کا عجیب واقعہ گزرا ہے کہ جس وقت احد کی لڑائی کے لیے کوچ ہوا اور روانگی کا اعلان ہوا تو یہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مشغول تھے اس حالت میں شور سنا معلوم ہوا کہ قافلہ روانہ ہو رہا ہے یہ بھی خبر سنتے ہی ساتھ ہو لیے اور اتنی مہلت نہ ہوئی کہ غسل سے فراغت پاتے وہاں پہنچ کر شہید ہو گئے۔ چونکہ شہید کو غسل نہیں دیا جاتا اس لیے ان کو بھی غسل نہیں دیا گیا مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں اس لیے تحقیق فرمایا اور واپسی پر ان کی اہلیہ سے یہ سارا حال معلوم ہوا۔ درحقیقت ان حضرات کے نزدیک دین پر مرمٹنا' اس کے لیے جان دے دینا اتنا ہی سہل تھا جتنا ہم لوگوں کو اپنی خواہشات دنیوی میں مشغول و منہمک ہو جانا آسان ہے۔

❀❀❀

# باب ما جاء فی صفة ازار رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کی لنگی کا ذکر

ف: حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ لنگی باندھنے کی تھی۔ پاجامہ پہننا آنحضرت ﷺ کا مختلف فیہ ہے علامہ بیجوری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے موافق راجح قول پہننے کا عدم ثبوت ہے البتہ یہ محقق ہے کہ حضور ﷺ کے پاس موجود تھا حتی کہ کہا گیا ہے کہ وصال کے بعد ترکہ میں بھی تھا۔ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خریدا تو ہے ہی اور ظاہر ہے کہ پہننے ہی کے لیے خریدا ہے اس کے علاوہ متعدد احادیث میں حضور ﷺ کا پہننا بھی وارد ہے اور صحابہ کرامؓ تو حضور ﷺ کی اجازت سے پہنتے تھے (زادالمعاد) ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اہل کتاب لنگی نہیں باندھتے پاجامہ پہنتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم لوگ ان کا خلاف کرو پاجامہ بھی پہنو لنگی بھی باندھو۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا آپ بھی پاجامہ پہنتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا پہنتا ہوں مجھے بدن کے ڈھانکنے کا حکم ہے اس سے زیادہ پردہ اور چیزوں میں نہیں ہے۔ لیکن محدثین نے اس حدیث کو ضعیف بتایا ہے (نیل الاوطار) حضور اقدس ﷺ کا معمول لنگی باندھنے کا اور چادر اوڑھنے کا اکثر تھا۔ حضور ﷺ کی چادر چار ہاتھ لمبی اور اڑھائی ہاتھ چوڑی اور ایک قول کے موافق چھ ہاتھ لمبی اور تین ہاتھ اور ایک بالشت چوڑی بتائی جاتی ہے اور حضور ﷺ کی لنگی چار ہاتھ اور ایک بالشت لمبی اور دو ہاتھ چوڑی لکھتے ہیں۔ اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چار حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا احمد بن منیع حدثنا اسمٰعیل بن ابراھیم حدثنا ایوب عن حمید بن ھلال عن ابی بردة قال اَخْرَجَتْ اِلَیْنَا عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا کِسَاءً مُلَبَّدًا اَوْ اِزَارًا غَلِیْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ هٰذَیْنِ

"ابوبردہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک پیوند لگی ہوئی چادر اور ایک موٹی لنگی دکھائی اور یہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا وصال ان دو کپڑوں میں ہوا تھا۔"

ف: یعنی وصال کے وقت حضور ﷺ کا معمول ایسے ہی کپڑوں کے استعمال کا تھا حالانکہ اس

وقت فتوحات بھی شروع ہو چکی تھیں فی الجملہ وسعت بھی ہو گئی تھی۔ خیبر کی فتح کے بعد سے مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہونا شروع ہو گئی تھی اور فتح مکہ کے بعد سے تو دوسرے سلاطین اور دوسرے ملکوں سے ہدایا اور نذرانوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ لیکن حضور ﷺ کا معمول اپنی معیشت کے لیے وہی قدیم طرز رہا اور جو کچھ آتا اس کو دوسروں پر تقسیم فرما دیتے جس کا کچھ نمونہ ''حکایات صحابہ'' میں لکھ چکا ہوں امام نوویؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اور اس جیسی حدیثیں اس طرف مشیر ہیں کہ حضور ﷺ کو دنیاوی لذات اور تنعمات سے اعراض تھا۔ موٹا کپڑا تواضع اور انکسار کی طرف لے جاتا ہے۔ اور باریک عمدہ لباس بسا اوقات عجب وتکبر اور خود بینی پیدا کرتا ہے۔ مجھ سے میرے محترم بزرگ مولانا مولوی حکیم جمیل الدین صاحب نگینوی ثم الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اقدس فخر المحدثین مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا عجیب وغریب قصہ نقل فرمایا کہ حضرت اقدس جب حج کو تشریف لے گئے تو مطاف کے کنارہ پر ایک نابینا بزرگ تشریف فرما تھے جب حضرت طواف میں اس طرف گزرتے تو وہ البس لباس الصالحین ہلکی آواز سے کہتے اور جب حضرت طواف سے فراغت پر اس طرف تشریف لے گئے تو انہوں نے خشن خشن (موٹا موٹا) فرمایا جس سے تنبیہ مقصود تھی کہ صلحاء کا لباس موٹا کپڑا ہے۔ یہ اکثری لباس تھا اور بعض اوقات عمدہ کپڑا بھی پہننا ثابت ہے جو بعض دینی مصالح کی وجہ سے نیز ترک تکلف کی وجہ سے تھا کہ جیسا مہیا ہو گیا پہن لیا یہ نہیں کہ عمدہ کپڑے سے خصوصی احتراز فرماتے۔

**(۲) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابوداود عن شعبة عن الاشعث بن سلیم قال سمعت عَمَّتِیْ تُحَدِّثُ عَنْ عَمِّهَا قَالَ بَیْنَمَا اَنَا اَمْشِیْ بِالْمَدِیْنَةِ اِذَا اِنْسَانٌ خَلْفِیْ یَقُوْلُ ارْفَعْ اِزَارَکَ فَاِنَّهٗ اَتْقٰی وَاَبْقٰی فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا هِیَ بُرْدَةٌ مَلْحَاءُ قَالَ اَمَا لَکَ فِیَّ اُسْوَةٌ فَنَظَرْتُ فَاِذَا اِزَارُهٗ اِلٰی نِصْفِ سَاقَیْهِ**

''عبید بن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ جا رہا تھا کہ میں نے ایک شخص کو اپنے پیچھے سے یہ کہتے سنا کہ لنگی اوپر کو اٹھاؤ کہ اس سے (نجاست ظاہری اور باطنی تکبر وغیرہ سے) نظافت بھی زیادہ حاصل رہتی ہے اور کپڑا زمین پر گھسٹ کر خراب اور میلا ہونے سے محفوظ رہتا ہے میں نے کہنے والے کی طرف متوجہ ہو کر دیکھا تو آپ حضور رسالت مآب ﷺ تھے۔ میں نے عرض کیا حضور ﷺ یہ ایک معمولی سی چدر یہ ہے (اس

میں کیا تکبر ہوسکتا ہے اور کیا اس کی حفاظت کی ضرورت ہے؟) حضور ﷺ نے فرمایا اگر کوئی مصلحت تیرے نزدیک نہیں تو کم از کم میرا اتباع تو کہیں گیا ہی نہیں۔ میں نے حضور ﷺ کے ارشاد پر حضور ﷺ کی لنگی کو دیکھا تو نصف ساق تک تھی۔''

ف: لنگی، پاجامہ وغیرہ کے ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی بہت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ٹخنوں سے نیچے جتنے حصہ پر کپڑا لٹکتا ہے وہ آگ میں جلایا جائے گا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے لنگی کے بارے میں استفسار کیا وہ فرمانے لگے کہ تم نے بڑے واقف سے سوال کیا حضور اکرم ﷺ نے یہ فرمایا کہ مسلمان کی لنگی آدھی پنڈلی تک ہونی چاہیے اور اس کے نیچے ٹخنوں تک بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن ٹخنوں سے نیچے جتنے حصہ پر لنگی لٹکے گی وہ آگ میں جلے گا اور جو شخص متکبرانہ کپڑے کو لٹکائے گا قیامت میں حق تعالیٰ شانہ اس کی طرف نظر نہیں کریں گے (ابوداؤد) اس قسم کی وعیدیں اور احادیث میں بھی آئی ہیں اس لیے اس کی طرف خاص طور سے توجہ کرنی چاہیے اس کے بالعکس ہمارے اس زمانہ میں خاص طور سے کپڑا نیچے لٹکایا جاتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی

**(۳) حدثنا سوید بن نصر حدثنا عبداللہ بن المبارک عن موسی بن عبیدة عن ایاس بن سلمة بن الاکوع عن ابیه قال کَانَ عُثْمَانُ یَاْتَزِرُ اِلٰی اَنْصَافِ سَاقَیْهِ وَقَالَ هٰکَذا کَانَتْ اِزْرَةُ صَاحِبِیْ یَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ**

''سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ لنگی نصف ساق تک رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہی ہیئت تھی میرے آقا حضور ﷺ کی لنگی کی۔''

**(۴) حدثنا قتیبة حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحٰق عن مسلم بن نذیر عن حذیفة بن الیمان قال اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِعَضَلَةِ سَاقِیْ اَوْ سَاقِهٖ فَقَالَ هٰذَا مَوْضِعُ الْاِزَارِ فَاِنْ اَبَیْتَ فَاَسْفَلَ فَاِنْ اَبَیْتَ فَلَا حَقَّ لِلْاِزَارِ فِی الْکَعْبَیْنِ**

''حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میرے پنڈلی کے یا اپنی پنڈلی کے گوشت کا حصہ پکڑ کر یہ فرمایا کہ یہ حد ہے لنگی کی اگر تجھے اس پر قناعت نہ ہو تو اس سے کچھ نیچی سہی، اگر اس پر بھی قناعت نہ ہو تو لنگی کا ٹخنوں پر کوئی حق نہیں لہٰذا ٹخنوں تک نہیں پہنچنا چاہیے۔''

ف: ٹخنوں سے نیچی لنگی یا پاجامہ وغیرہ کا لٹکانا حرام ہے، لیکن علماء نے ضرورت کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے کہ اگر کسی شخص کے ٹخنے میں پھنسی ہو جس سے مکھی وغیرہ بیٹھتی ہے تو ایسے شخص کو اس کی حفاظت کے لیے لنگی یا پاجامہ لٹکا لینا جائز ہے جب تک کہ زخم اچھا نہ ہو۔

# باب ما جاء فی مشیة رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کی رفتار کا ذکر

ف: حلیہ شریف کی روایات میں بھی حضور ﷺ کی رفتار کا ذکر تبعاً گزر چکا ہے۔ اس باب میں صرف رفتار کی کیفیت کو مستقلاً بیان کرنا مقصود ہے اس باب میں تین روایتیں مصنف نے ذکر کی ہیں۔

(۱) حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا ابن لهیعة عن ابی یونس عن ابی هریرة قال مَارَأَیْتُ شَیْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْهِهٖ وَمَا رَأَیْتُ اَحَدًا اَسْرَعَ فِیْ مَشْیَتِهٖ مِّنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَاَنَّمَا الْاَرْضُ تُطْوٰی لَهٗ اِنَّا لَنُجْهِدُ اَنْفُسَنَا وَاِنَّهٗ لَغَیْرُ مُکْتَرِثٍ

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین کوئی نہیں دیکھا (چمک اور روشنی چہرہ مبارک میں اس قدر تھی) گویا کہ آفتاب آپ ہی کے چہرہ مبارک میں چمک رہا ہے۔ میں نے آپ سے زیادہ تیز رفتار بھی کوئی نہیں دیکھا زمین گویا لپٹی جاتی تھی (کہ ابھی چند منٹ ہوئے یہاں تھے اور ابھی وہاں) ہم لوگ آپ کے ساتھ چلنے میں مشقت سے ساتھ ہوتے تھے اور آپ اپنی معمولی رفتار سے چلتے تھے۔''

ف: یعنی آپ کی معمولی رفتار کے ساتھ بھی ہم لوگ اہتمام سے ساتھ رہ سکتے تھے۔

(۲) حدثنا علی بن حجر وغیر واحدٍ قالوا حدثنا عیسی بن یونس عن عمر بن عبدالله مولی غفرة حدثنی ابراهیم بن محمد من ولد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ عَلِیٌّ اِذَا وَصَفَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا مَشٰی تَقَلَّعَ کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ

''ابراہیم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب آپ کا ذکر فرماتے تو یہ فرماتے کہ جب آپ چلتے تھے تو ہمت اور قوت سے پاؤں اٹھاتے (عورتوں کی طرح سے پاؤں زمین پر گھسیٹ کر نہیں چلتے تھے۔ چلنے میں تیزی اور قوت کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ) گویا اونچائی سے اتر رہے ہوں۔''

ف: یہ حدیث پہلے حلیہ شریف میں مفصل گزر چکی ہے۔

**(۴) حدثنا سفیان بن وکیع قال حدثنا ابی عن المسعودی عن عثمان بن مسلم بن ہرمز عن نافع بن جبیر ابن مطعم عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَشٰى تَكَفَّأَ تَكَفُّوًا كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ**

''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لے چلتے تو کچھ جھک کر چلتے تھے۔ گویا کہ بلندی سے اتر رہے ہیں۔''

ف: یہ مضمون بھی گزشتہ احادیث میں چند جگہ آچکا ہے۔

❀❀❀

# باب ما جاء فی تقنع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

## باب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قناع کا ذکر

ف: قناع وہ کپڑا کہلاتا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک پر عمامہ سے نیچے رکھ لیتے تھے تاکہ تیل کی وجہ سے عمامہ خراب نہ ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی چند منافع علماء نے تحریر فرمائے ہیں اس باب میں ایک ہی حدیث ذکر کی گئی۔

(۱) حدثنا یوسف بن عیسٰی حدثنا وکیع حدثنا الربیع بن صبیح عن یزید بن ابان عن انس بن مالك قال كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ الْقِنَاعَ كَاَنَّ ثَوْبَهٗ ثَوْبُ زَيَّاتٍ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر کپڑا اکثر رکھا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کپڑا چکناہٹ کی وجہ سے تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا تھا۔''

ف: یعنی جیسا اس کا کپڑا چکنا رہتا ہے ایسا ہی یہ کپڑا بھی تیل کے کثرت استعمال سے چکنا رہتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں یہ شمار کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کپڑا میلا نہ ہوتا تھا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں میں جوں پڑتی تھی نہ کھٹمل خون کو چوس سکتا تھا (قاری) علامہ رازی سے مناوی نے نقل کیا ہے کہ مکھی بھی آپ کے کپڑے پر کبھی نہیں بیٹھی۔

❀❀❀

# باب ما جاء فی جلسة رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کی نشست کا ذکر

ف: یعنی حضور اقدس ﷺ کے بیٹھنے کی کیا ہیئتیں وارد ہوئی ہیں۔ اس باب میں تین احادیث روایت فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا عبدالله بن حمید انبأنا عفان بن مسلم حدثنا عبدالله بن حسان عن جدتیه عن قیلة بنت مخزمة اَنَّهَا رَأَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ وَهُوَ قَاعِدُ الْقُرْفُصَاءَ قَالَتْ فَلَمَّا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُتَخَشِّعَ فِی الْجِلْسَةِ اُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرَقِ

''قیلہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو مسجد (میں کچھ ایسی عاجزانہ صورت) میں گوٹ مارے دیکھا کہ میں رعب کی وجہ سے کانپنے لگی۔''

ف: قرفصاء کی تصویر میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ دونوں رانیں کھڑی کر کے دونوں ہاتھوں سے ان کا احاطہ کرے اور سُرین پر بیٹھے' اسی کو گوٹ مار کر بیٹھنا بھی کہتے ہیں۔ رعب کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ یہ حالت فکر و رنج کی تھی اور حضور اکرم ﷺ کو فکر کسی معمولی بات سے ہو نہیں سکتا تھا' اسی لیے ان کو یہ خوف ہوا کہ مبادا امت پر کوئی عذاب تو نہیں آ رہا اس لیے کہ حضور ﷺ کو امت کا فکر زیادہ رہتا تھا۔ یہ بظاہر وہی حدیث ہے جو حضور ﷺ کے لباس کے بارہویں نمبر پر تھوڑی سی گزر چکی ہے وہاں بھی اس کی طرف تھوڑا سا اشارہ کر دیا تھا۔ اس حدیث میں کچھ حصہ اور بھی ہے جس کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر کر دیا ہے وہ یہ کہ قیلہ کی یہ دہشت کی حالت دیکھ کر حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ مسکینہ تو خوف زدہ ہو گئی۔ قیلہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کی پشت کی طرف تھی۔ حضور ﷺ نے ادھر توجہ بھی نہیں فرمائی۔ زبان مبارک سے صرف اتنا ارشاد فرمایا کہ اے مسکینہ سکون اختیار کر۔ حضور ﷺ کا یہ فرمانا تھا کہ جس قدر خوف و دہشت مجھ پر تھی ساری جاتی رہی۔ بعض روایات میں یہ قصہ کسی مرد کے متعلق مذکور ہے جیسا کہ حضور اقدس ﷺ کے لباس کے بیان میں گزر چکا ہے۔

(۲) حدثنا سعید بن عبدالرحمن المخزومی وغیر واحد قالوا حدثنا سفیٰن عن الزھری عن عباد بن تمیم عن عمه اَنَّهٗ رَأَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِیًا فِی الْمَسْجِدِ وَاضِعًا اِحْدٰی رِجْلَیْهِ عَلَی الْاُخْرٰی

''عباد کے چچا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا' اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے تھے۔''

ف: مسلم شریف کی روایت میں اس طرح لیٹنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ علماء نے دونوں کے درمیان میں مختلف طریقوں سے جمع فرمایا ہے۔ واضح توجیہ یہ ہے کہ اس طرح لیٹنے کی دو صورتیں ہیں جو دونوں حدیثوں کا علیحدہ علیحدہ مصداق ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ دونوں پاؤں پھیلا کر ایک قدم دوسرے قدم پر رکھ لے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں اور یہ صورت اس حدیث کا مصداق ہے جو شمائل میں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قدم کو دوسرے پاؤں کا گھٹنا کھڑا کر کے اس پر رکھے۔ یہ مسلم شریف کی روایت کا مصداق ہے۔ اس میں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں عام طور سے لنگی باندھنے کا دستور تھا لنگی باندھ کر اس طرح لیٹنے سے ستر کے کھل جانے کا احتمال قوی ہے۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ اس جگہ یہ بھی اشکال کرتے ہیں کہ اس حدیث کو ہیئت نشست سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ علماء نے اس کی مختلف وجوہ بتلائی ہیں سہل یہ ہے کہ باب میں بیٹھنے سے مراد عام لیا جائے بیٹھنے اور لیٹنے کو۔ اگرچہ لیٹنے کی بعض روایات سونے کے بیان میں آئی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے جو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے کہ جب اس قسم کا لیٹنا (باوجودیکہ روایت میں اس کی ممانعت آئی ہے) مسجد میں جائز ہے تو بیٹھنا ہر قسم سے جائز ہوا۔

(۳) حدثنا سلمة بن شبیب انبانا عبداللّٰه بن ابراهیم المدنی حدثنا اسحٰق بن محمد الانصاری عن ربیح بن عبدالرحمن بن ابی سعید عن ابیه عن جده ابی سعید الخدری ؓ قال كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ فِی الْمَسْجِدِ احْتَبٰی بِیَدَیْهِ

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف رکھتے تو گوٹ مار کر تشریف رکھتے تھے۔''

ف: گوٹ مار کر بیٹھنا یہ کہلاتا ہے کہ دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر کے سرین کے بل بیٹھے اور دونوں

ہاتھوں سے پنڈلیوں پر حلقہ کرے۔ بسا اوقات بجائے ہاتھوں کے کپڑا، لنگی، عمامہ وغیرہ اس طرح لپیٹا جاتا ہے کہ کمر اور پنڈلیوں پر لپٹ جائے۔ یہ ہیئت تواضع اور مسکنت کی نشست ہے۔ اس لیے حضور اقدس ﷺ بھی اکثر ایسے ہی تشریف رکھتے تھے۔ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی۔ لیکن یہ مقصود نہیں کہ ہمیشہ ایسے ہی تشریف فرما ہوتے تھے۔ اس لیے اب ابوداؤد کی اس روایت سے کچھ خلاف نہیں رہا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک مسجد میں چار زانو تشریف رکھتے تھے۔ ایسے ہی اور ان مختلف احادیث سے بھی خلاف نہیں رہا جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اس طرح بیٹھنے میں علاوہ تواضع اور انکسار کے راحت بھی ہے۔ اس لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ گوٹ مار کر بیٹھنا عرب کی دیواریں ہیں یعنی جنگل میں چونکہ دیواریں نہیں ہوتیں جس سے سہارا ہو سکے اس لیے یہ قائم مقام دیوار کے ہے۔ بسا اوقات بجائے ہاتھوں کے کپڑا لپیٹ لیا جاتا ہے جو مزید راحت کا سبب ہوتا ہے۔

# باب ما جاء فی تکأة رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے تکیہ کا ذکر

ف: مصنفؒ نے اس باب میں چار حدیثیں ذکر فرمائی ہیں

(۱) حدثنا عباس بن محمد الدوری البغدادی حدثنا اسحٰق بن منصور عن اسرائیل عن سماك بن حرب عن جابر بن سمرةؓ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ عَلٰى يَسَارِهِ

''جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا جو بائیں جانب رکھا ہوا تھا۔''

ف: تکیہ دائیں اور بائیں دونوں جانب جائز ہے۔ حدیث میں بائیں جانب کا لفظ کسی تخصیص کی وجہ سے نہیں اتفاقی امر ہے۔ لیکن قواعد محدثین کے لحاظ سے بائیں کا لفظ یہاں مشہور روایات میں نہیں ہے۔ اس لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے ختم پر اس لفظ پر کلام کیا ہے۔

(۲) حدثنا حمید بن مسعدة حدثنا بشر بن المفضل حدثنا الجریر عن عبدالرحمن بن ابی بکرة عن ابیه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ قَالَ وَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مُتَّكِئًا قَالَ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ اَوْ قَوْلُ الزُّوْرِ قَالَ فَمَازَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهٗ سَكَتَ

''ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ بتاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ضرور یا رسول اللہ ارشاد فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل جلالہٗ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کرنا (راوی کو شک ہے کہ ان دونوں میں سے کونسی بات فرمائی تھی) اس وقت حضور اقدس ﷺ کسی چیز پر ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے۔ اور

جھوٹ کا ذکر فرماتے وقت اہتمام کی وجہ سے بیٹھ گئے اور بار بار ارشاد فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم لوگ یہ تمنا کرنے لگے کاش اب حضور ﷺ سکوت فرمائیں اور بار بار ارشاد نہ فرمائیں۔''

ف: حضور ﷺ کے بار بار ارشاد فرمانے پر سکوت کی تمنا یا تو اس عشق و محبت کی وجہ سے ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ کے ساتھ تھی کہ حضور ﷺ کو بار بار فرمانے پر تعب ہوگا اور ہم لوگوں کے لیے ایک بار فرمانا بھی کافی ہے اور ممکن ہے اس خوف سے ہو کہ حضور اقدس ﷺ پر ناراضی اور غصہ کے آثار ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس خطرہ سے ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کوئی لفظ ایسا ارشاد فرمائیں کہ جو امت کے لیے باعث خسران بن جائے۔ جن لوگوں کو کسی دینی و دنیاوی دربار کی حاضری میسر ہوتی ہے وہ اس حالت سے خوب واقف ہوتے ہیں اور حضور ﷺ کا بار بار ارشاد فرمانا شدت اہتمام کی وجہ سے تھا کہ جھوٹ کی وجہ سے آدمی زنا، قتل وغیرہ بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ کہ جھوٹ ایمان سے دور رہتا ہے (اعتدال) اس حدیث شریف میں کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے۔ شریعت میں گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک صغیرہ کہلاتے ہیں جو وضو، نماز، روزہ، حج وغیرہ سے معاف ہوتے رہتے ہیں دوسرے کبیرہ گناہ یعنی بڑے سخت گناہ کہلاتے ہیں، جن کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ وہ بغیر توبہ کے ہرگز معاف نہیں ہوتے۔ البتہ حق تعالیٰ شانہ کسی کی رعایت فرما کر اپنے فضل سے معاف فرمائیں تو یہ امر آخر ہے مگر آئینی چیز یہی ہے کہ وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ اس میں اختلاف ہے کہ کبیرہ گناہ کتنے ہیں؟ علماء نے مستقل تصانیف ان میں تحریر فرمائی ہیں۔ علامہ ذہبیؒ کی ایک کتاب اس مضمون میں مستقل ہے جس میں چار سو کبیرہ گناہ گنوائے ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دو جلدوں میں ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جو مصر میں چھپ چکی ہے۔ اس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، معاملات وغیرہ ہر باب کے کبیرہ گناہ مستقل گنوائے ہیں اور کل مجموعہ چار سو سرسٹھ مفصل شمار کرائے ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے شرح شمائل میں مشہور کبائر کو گنوایا ہے جو حسب ذیل ہیں۔

آدمی کا قتل کرنا، زنا کرنا، اغلام بازی، شراب پینا، چوری کرنا، کسی کو تہمت لگانا، سچی گواہی کا چھپانا، جھوٹی قسم کا کھانا، کسی کا مال چھین لینا، بلا عذر کفار کے مقابلہ سے بھاگنا، سودی معاملہ کرنا، یتیم کا مال کھانا، رشوت لینا، اصول یعنی والدین وغیرہ کی نافرمانی کرنا، قطع رحمی کرنا، جھوٹی حدیث بیان کرنا، رمضان کا روزہ بلا عذر توڑ دینا، ناپ تول میں کمی کرنا، فرض نماز کو وقت سے آگے پیچھے پڑھنا،

زکوٰۃ نہ دینا' مسلمان کو یا کسی کافر کو جس سے معاہدہ ہو ناحق مارنا' کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرنا' غیبت کرنا بالخصوص کسی عالم کی یا حافظ قرآن کی' کسی ظالم سے چغلی کھانا' دیوث پن کرنا یعنی اپنی بیوی بیٹی وغیرہ کے ساتھ کسی کے فحش تعلق کو گوارا کرنا' قرم سازی یعنی بھڑواپن کرنا کہ اجنبی مرد عورت یا اس قسم کے دوسرے ناجائز تعلقات میں سعی کرنا' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینا یعنی نیک کاموں کا حکم اور بری باتوں سے روکنے کو باوجود قدرت کے چھوڑ دینا' جادو کا سیکھنا یا سکھانا' کسی پر جادو کرنا' قرآن پاک پڑھ کر بھلا دینا' بلا مجبوری کسی جاندار کو جلانا' اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا اور اسکے عذاب سے نہ ڈرنا' عورت کا خاوند کی نافرمانی کرنا اس کی خواہش پر بلا وجہ انکار کرنا' چغلی کرنا۔

ملا علی قاریؒ نے مثال کے طور پر ان کو نقل کیا ہے۔ مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف کے شروع میں کبائر کا مستقل باب ہے۔ اس میں بھی ان کو اور اس قسم کے اور چند گناہوں کو گنوایا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا خواہ اس کی ذات میں کسی کو شریک کرے یا عبادت میں یا اس سے استعانت حاصل کرنے میں یا علم میں یا قدرت میں یا تصرف میں یا پیدا کرنے میں یا پکارنے میں یا کہنے میں یا نام رکھنے میں یا ذبح کرنے میں یا نذر ماننے میں یا لوگوں کے امور اس کی طرف سونپنے میں یعنی جیسے اللہ جل شانہ کے سب کام سپرد ہیں اسی طرح اور کو بھی جانے۔ نیز امور ذیل بھی اس میں ذکر کیے ہیں۔

گناہ پر اصرار کی نیت رکھنا۔ نشہ کی چیز پینا۔ اپنے محرموں سے نکاح کرنا۔ جوا کھیلنا۔ کفار سے باوجود قدرت کے جہاد نہ کرنا۔ مردار کا گوشت کھانا۔ نجومی اور کاہن کی تصدیق کرنا۔ قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ اور فرشتوں کو برا کہنا یا ان کا انکار کرنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنا۔ بیوی اور خاوند میں لڑائی ڈلوانا۔ اسراف کرنا۔ فساد کرنا۔ کسی کے سامنے ننگا ہونا۔ (یعنی بیوی کے علاوہ) بخل کرنا۔ پیشاب اور منی سے پاک نہ کرنا یعنی اگر لگ جائیں تو نہ دھونا۔ تقدیر کو جھٹلانا۔ تکبر کی وجہ سے پائینچہ ٹخنوں سے نیچے کرنا۔ نوحہ کرنا۔ برا طریقہ ایجاد کرنا۔ محسن کی ناشکری کرنا۔ کسی مسلمان کو کافر کہنا۔ حائضہ سے صحبت کرنا۔ غلہ کی گرانی سے خوش ہونا۔ جانور سے بدفعلی کرنا۔ کسی کو شہوت سے دیکھنا۔ کسی کے گھر میں جھانکنا۔ عالموں اور حافظوں کی حقارت کرنا۔ اگر ایک سے زیادہ بیبیاں ہوں تو ان کے درمیان مساوات نہ کرنا۔ امیر سے عہد شکنی کرنا وغیرہ وغیرہ بتائے ہیں۔ ان کبائر میں بھی درجات ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث بالا میں کبائر کو بڑے گناہ فرمایا گیا ہے اور مختلف احادیث میں موقع کے مناسب مختلف قسم کے گناہوں کا ذکر فرمایا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اصرار کرنے سے صغیرہ گناہ بھی

کبیرہ بن جاتا ہے اور توبہ واستغفار کرنے سے کبیرہ گناہ بھی باقی نہیں رہتا معاف ہو جاتا ہے اور توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ دل سے اس فعل پر واقعی ندامت ہو اور آئندہ کو اس گناہ کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو کہ اب کبھی نہ کروں گا چاہے اس کے بعد کسی دوسرے وقت وہ پھر سرزد ہی ہو جائے۔ اس سے وہ پہلی توبہ زائل نہیں ہوتی۔ توبہ کے وقت یہ پختہ ارادہ ہونا چاہیے کہ پھر کبھی نہیں کروں گا۔

**(۳) حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا شريك عن علي بن الاقمر عن ابی جحيفة قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اَنَا فَلَا اٰكُلُ مُتَّكِئًا**

**(۴) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی حدثنا سفيان عن علي بن الاقمر قال سمعت ابا جحيفة يقول قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لا اٰكُلُ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ قال ابو عيسٰى لم يذكر وكيع علی يساره هكذا روی غير واحد عن اسرائيل نحو رواية وكيع ولا نعلم احدا روی فيه علی يساره الا ما روی اسحٰق بن منصور عن اسرائيل**

(۳، ۴) ''ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔''

ف: اس لیے کہ یہ صورت تواضع کے خلاف ہونے کے علاوہ بہت کھانا کھانے کی طرف منجر ہوتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے پیٹ بھی بڑھ جاتا ہے اور سرعت ہضم بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اپنا ذکر حضور ﷺ نے اس لیے فرمایا تا کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ٹیک لگانے کی چار صورتیں ہیں چاروں اس میں داخل ہیں۔ اول یہ کہ دائیں یا بائیں پہلو کو دیوار یا تکیہ وغیرہ پر سہارا لگائے۔ دوسرے یہ کہ ہتھیلی سے زمین پر سہارا لگائے۔ تیسرے یہ کہ چوزانو یعنی چوکڑی مار کر کسی گدے وغیرہ پر بیٹھے۔ چوتھے یہ کہ کمر گاؤ تکیہ یا دیوار سے لگائے کہ یہ سب ہی صورتیں بفرق مراتب ٹیک میں داخل ہیں۔

**(۵) حدثنا يوسف بن عيسٰى حدثنا وكيع حدثنا اسرائيل عن سماك بن حرب عن جابر بن سمرةؓ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُتَّكِئًا علی وِسَادَةٍ**

''جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا۔''

ف: یہ وہی حدیث ہے جو باب کے شروع میں گزر چکی۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر کلام کرنا مقصود تھا۔ اس لیے مکرر ذکر فرمایا۔

# باب ما جاء فی اتکاۃ رسول الله ﷺ

# باب حضور اقدس ﷺ کا تکیہ کے علاوہ کسی اور چیز پر ٹیک لگانے کا ذکر

ف: تکیہ کا ذکر پہلے باب میں گزر چکا ہے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کا آدمیوں پر بیماری کی حالت میں سہارا اور ٹیک لگانا بھی ثابت ہے۔ بظاہر اسی لیے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کو مستقل ذکر کیا۔ اس باب میں دو روایتیں ہیں۔

(۱) حدثنا عبدالله بن عبدالرحمن حدثنا عمرو بن عاصم حدثنا حماد بن سلمة عن حمید عن انس رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ شَاکِیًا فَخَرَجَ یَتَوَکَّأُ عَلٰی اُسَامَةَ وَعَلَیْهِ ثَوْبٌ قِطْرِیٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِهٖ فَصَلّٰی بِهِمْ

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی طبیعت ناساز تھی اس لیے حجرہ شریفہ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر سہارا کیے ہوئے تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی حضور اقدس ﷺ اس وقت ایک یمنی منقش چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔"

ف: یہ حدیث حضور اقدس ﷺ کے لباس کے بیان میں نمبر ۶ پر گزر چکی ہے۔

(۲) حدثنا عبدالله بن عبدالرحمن حدثنا محمد بن المبارك حدثنا عطاء بن مسلم الخفاف الحلبی حدثنا جعفر بن برقان عن عطاء ابن ابی رباح عن الفضل بن عباس رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْهِ وَعَلٰی رَأْسِهٖ عِصَابَةٌ صَفْرَاءُ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ یَا فَضْلُ قُلْتُ لَبَّیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اشْدُدْ بِهٰذِهِ الْعِصَابَةِ رَأْسِیْ قَالَ فَفَعَلْتُ ثُمَّ قَعَدَ فَوَضَعَ کَفَّهٗ عَلٰی مَنْکِبِیْ ثُمَّ قَامَ وَدَخَلَ فِی الْمَسْجِدِ وَفِی الْحَدِیْثِ قِصَّةٌ

"فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آپ کے مرض الوفات کی حالت میں حاضر ہوا۔ حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک پر اس وقت زرد پٹی بندھی ہوئی تھی۔ میں نے سلام کیا۔ حضور ﷺ نے جواب کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے

فضل! اس پٹی سے میرے سر کو خوب زور سے باندھ دو۔ پس میں نے تعمیل ارشاد کی۔ پھر حضور ﷺ بیٹھے اور میرے مونڈھے پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور مسجد کو تشریف لے گئے۔ اس حدیث میں ایک مفصل قصہ ہے۔''

ف: حضور ﷺ نے سر مبارک پر درد کی وجہ سے پٹی باندھ رکھی تھی۔ بعض علماء نے بجائے پٹی کے عمامہ کا ترجمہ کیا ہے اور حضور اقدس ﷺ کا مختلف رنگ کے عمامے باندھنا ثابت کیا ہے۔ منجملہ ان کے زرد عمامہ کا ترجمہ اس حدیث سے کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے مجمع الزوائد میں یہ مفصل مذکور ہے۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کو بخار چڑھ رہا ہے اور سر مبارک پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑ لے۔ میں نے حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑا۔ حضور ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو آواز دے کر جمع کر لوں۔ میں لوگوں کو اکٹھا کر لایا۔ حضور ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد یہ مضمون ارشاد فرمایا ''میرا تم لوگوں کے پاس سے چلے جانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے اس لیے جس کی کمر پر میں نے مارا ہو میری کمر موجود ہے بدلہ لے لے اور جس کی آبرو پر میں نے کوئی حملہ کیا ہو میری آبرو سے بدلہ لے لے جس کا کوئی مالی مطالبہ مجھ پر ہو وہ مال سے بدلہ لے لے۔ کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ مجھے بدلہ لینے سے رسول اللہ ﷺ کے دل میں بغض پیدا ہونے کا ڈر ہے کہ بغض رکھنا نہ میری طبیعت ہے نہ میرے لیے موزوں ہے۔ خوب سمجھ لو کہ مجھے بہت محبوب ہے وہ شخص جو اپنا حق مجھ سے وصول کر لے یا معاف کر دے کہ میں اللہ جل شانہ کے یہاں بشاشت نفس کے ساتھ جاؤں۔ میں اپنے اس اعلان کو ایک دفعہ کہہ دینے پر کفایت کرنا نہیں چاہتا پھر بھی اس کا اعلان کروں گا۔'' چنانچہ اس کے بعد منبر سے اتر آئے۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور وہی اعلان فرمایا نیز بغض کے متعلق بھی مضمون بالا کا اعادہ فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس کے ذمے کوئی حق ہو وہ بھی ادا کر دے اور دنیا کی رسوائی کا خیال نہ کرے کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت کم ہے۔ ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ تین درم میرے آپ کے ذمے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی مطالبہ کرنے والے کی نہ تکذیب کرتا ہوں نہ اس کو قسم دیتا ہوں لیکن پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیسے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ایک سائل ایک دن آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اس کو تین درم دے دو۔ حضور ﷺ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کے تین درم ادا کر دو۔ اس کے بعد ایک اور صاحب اٹھے۔ انہوں

نے عرض کیا کہ میرے ذمہ تین درم بیت المال کے ہیں۔ میں نے خیانت سے لے لیے تھے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کیوں خیانت کی تھی۔ عرض کیا میں اس وقت بہت محتاج تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان سے وصول کرلو۔ اس کے بعد پھر حضور ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جس کسی کو اپنی کسی حالت کا اندیشہ ہو وہ بھی دعا کرالے (کہ اب روانگی کا وقت ہے) ایک صاحب اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں جھوٹا ہوں منافق ہوں بہت سونے کا مریض ہوں۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی ''یا اللہ! اس کو سچائی عطا فرما۔ ایمان (کامل) نصیب فرما اور زیادتی نیند کے مرض سے صحت بخش دے۔'' اس کے بعد ایک اور صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں جھوٹا ہوں منافق ہوں کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو میں نے نہ کیا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تنبیہ فرمائی کہ اپنے گناہوں کو پھیلاتے ہو؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا عمر چپ رہو دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت ہلکی ہے اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا یا اللہ! اس کو سچائی اور (کامل) ایمان نصیب فرما اور اس کے احوال کو بہتر فرما دے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع سے کوئی بات کہی جس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عمر میرے ساتھ ہیں اور میں عمر کے ساتھ ہوں میرے بعد حق عمر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہے جدھر بھی وہ جائیں۔ ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک اور صاحب اٹھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بزدل ہوں۔ سونے کا مریض ہوں۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کے لیے بھی دعا فرمائی۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے ہم دیکھتے تھے کہ ان کے برابر کوئی بھی بہادر نہ تھا۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور اسی طرح عورتوں کے مجمع میں بھی اعلان فرمایا اور جو ارشادات مردوں کے مجمع میں فرمائے تھے یہاں بھی ان کا اعادہ فرمایا۔ ایک صحابیہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنی زبان سے عاجز ہوں۔ حضور ﷺ نے ان کے لیے بھی دعا فرمائی۔ (مجمع الزوائد) ان حضرات کا اپنے کو منافق فرمانا اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے یہ حضرات بہت زیادہ مغلوب رہتے تھے جس کے چند واقعات ''حکایات صحابہ'' کے باب دوم میں لکھے جا چکے ہیں۔ اسی غلبہ خوف سے اپنے اوپر نفاق کا شبہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو باتفاق اہل حق تمام امت میں افضل ہیں یہ شبہ ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ ''حکایات صحابہ'' میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں مذکور ہے ابن ابی ملیکہؒ کہتے ہیں کہ میں نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو پایا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے منافق ہونے سے ڈرتا تھا کہ مبادا میں منافق تو نہیں ہوں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور اکابر صوفیاء میں

ہیں اور تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان جو گزر چکے یعنی صحابہ کرامؓ اور وہ مسلمان جو موجود ہیں یعنی بقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کوئی بھی ان میں ایسا نہیں جو اپنے نفاق سے نہ ڈرتا ہو اور گزشتہ زمانہ میں اور موجودہ دور میں کوئی بھی منافق ایسا نہیں ہے جو مطمئن نہ ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ بھی مقولہ ہے کہ جو نفاق سے نہ ڈرتا ہو وہ منافق ہے۔ ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ جو فقہاء تابعین میں سے ہیں کہتے ہیں کہ میں جب بھی اپنی بات کو اپنے فعل پر پیش کرتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ جھوٹ نہ ہو (بخاری شریف فتح الباری) یہی مطلب ہے ان سب حضرات کے نفاق سے خوف کا کہ اپنے اعمال کو ہیچ اور کالعدم سمجھتے تھے اور پند ونصیحت وغیرہ احوال کے اعتبار سے یہ ڈر رہتا تھا کہ یہ نفاق نہ بن جائے۔

# باب ما جاء فی صفة اکل رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے کھانا تناول فرمانے کا طریقہ

ف: یعنی کھانا تناول فرمانے کے بعض آداب کا بیان۔ اس باب میں پانچ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی عن سفیٰن عن سعد بن ابراهیم عن ابن الکعب بن مالك عن ابیه اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَلْعَقُ اَصَابِعَهٗ ثَلٰثًا قال ابو عیسٰی وروی غیر محمد بن بشار هذا الحدیث قَالَ کَانَ یَلْعَقُ اَصَابِعَهُ الثَّلٰثَ

''کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنی انگلیاں تین مرتبہ چاٹ لیا کرتے تھے۔''

ف: کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے پہلے انگلیاں چاٹ لینا مستحب ہے البتہ اس روایت کی بناء پر بعض کے نزدیک تین مرتبہ مستحب ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تین مرتبہ مراد نہیں بلکہ تین انگلیاں چاٹنا مراد ہے جیسا کہ دوسری روایت میں آتا ہے۔ چنانچہ اسی باب میں خود کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہی کی روایت آگے آ رہی ہے لیکن بعض شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ یہ مستقل ادب ہے کہ تین مرتبہ چاٹنے سے بالکل صفائی ہو جاتی ہے اور تین انگلیاں جو دوسری روایت میں آ رہا ہے وہ مستقل ادب ہے۔

(۲) حدثنا الحسن بن علی الخلال حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمة عن ثابت عن انسؓ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَکَلَ طَعَامًا لَعِقَ اَصَابِعَهُ الثَّلٰثَ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔''

ف: حضور ﷺ کی عادت شریفہ تین ہی انگلیوں سے کھانا نوش فرمانے کی تھی۔ اگرچہ بعض

روایات سے پانچوں انگلیوں سے کھانا بھی معلوم ہوتا ہے لیکن تین انگلیاں جن میں انگوٹھا مسبحہ اور وسطیٰ ہے اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے تین انگلیوں سے کھانے کی مصلحت لقمہ کا چھوٹا ہونا ہے تاکہ زیادہ مقدار میں نہ کھایا جائے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان احادیث سے تین انگلیوں سے کھانے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا چوتھی یا پانچویں انگلی بلاضرورت شامل نہ کرے۔ البتہ اگر ضرورت ہو یعنی کوئی ایسی چیز ہو جس کو تین انگلیوں سے کھانے میں دقت ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پانچوں انگلیوں سے کھانا حریصوں کی علامت ہے اور لقمہ کے بڑا ہونے کی وجہ سے بسا اوقات فم معدہ پر بوجھ اور حلق میں اٹک جانے کا سبب بھی ہو جاتا ہے۔

**(۳) حدثنا الحسین بن علی بن یزید الصدائی البغدادی حدثنا یعقوب بن اسحٰق یعنی الحضرمی حدثنا شعبة عن سفیان الثوری عن علی بن الاقمر عن ابی جحیفة قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَّا اَنَا فَلَا اٰکُلُ مُتَّکِئًا حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی حدثنا سفیان عن علی بن الاقمر نحوه**

''ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔''

ف: یہ حدیث ایک باب میں پہلے گزر چکی ہے۔

**(۴) حدثنا ھٰرون بن اسحٰق الهمدانی حدثنا عبدة بن سلیمان عن هشام بن عروة عن ابن الکعب بن مالك عن ابیه قال کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُ بِاَصَابِعِہِ الثَّلٰثِ وَیَلْعَقُھُنَّ**

''کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمانے کی تھی اور ان کو چاٹ بھی لیا کرتے تھے۔''

ف: بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ پہلے بیچ کی انگلی چاٹتے تھے اس کے بعد شہادت کی انگلی اس کے بعد انگوٹھا۔ یہی تین انگلیاں تھیں جن سے کھانا تناول فرمانے کا معمول میرے آقا کا تھا۔ اس ترتیب میں بھی علماء نے متعدد مصالح بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ انگلیاں چاٹنے کا دور اس طرح دائیں کو چلتا ہے کہ شہادت کی انگلی درمیانی انگلی کے دائیں جانب واقع ہوگی۔ دوسرے یہ کہ بیچ کی انگلی لمبی ہونے کی وجہ سے زیادہ ملوث ہوتی ہے اس لیے بھی اس سے ابتداء مناسب ہے۔ خطابی لکھتے

ہیں کہ بعض بیوقوف انگلیاں چاٹنے کو ناپسند اور قبیح سمجھتے ہیں حالانکہ ان کو اتنی عقل نہیں کہ انگلیوں پر جو کھانا لگا ہوا ہے وہی تو ہے جو اتنی دیر سے کھایا جا رہا تھا اس میں کیا نئی چیز ہوگئی؟ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے فعل کو قبیح سمجھے تو اس کے متعلق کلام کیا جا سکتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کو قباحت کی طرف منسوب کرنے سے اندیشہ کفر ہے۔ (جامع الوسائل)

درحقیقت ایسے امور میں عادت کو بڑا دخل ہوتا ہے، جن کو عادت ہوتی ہے ان کو التفات بھی نہیں ہوتا اس لیے اگر کسی کو کراہت طبعی اپنے اس فعل سے ہو بھی تب بھی عادت کی کوشش کرنی چاہیے۔ بندہ جب حجاز گیا تھا تو وہاں کے بعض احباب نے جو ہندوستان کبھی نہیں آئے تھے مجھ سے نہایت ہی تعجب اور بڑی حیرت سے یہ پوچھا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ ہندوستان میں کوئی پھل آم کہلاتا ہے اس کے متعلق ایسی گندی بات سنی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس کو منہ میں لے کر چوسا جاتا ہے، پھر باہر نکالا جاتا ہے پھر اس کو منہ میں لے کر چوسا جاتا ہے پھر اس کو نکال کر دیکھتے ہیں پھر منہ میں لے لیتے ہیں۔ غرض اس انداز سے وہ گھناوٹ سے تعبیر کر رہے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کو اس تذکرہ سے قے ہو جائے گی۔ لیکن کسی ہندی کو کراہیت کا خیال بھی نہیں آتا۔ ایک اسی پر کیا موقوف ہے فیرنی کا سارا چمچہ منہ میں لے لیا جاتا ہے پھر اسی لعاب سے بھرے ہوئے کو رکابی میں ڈال دیا جاتا ہے پھر دوبارہ اور سہ بارہ۔ اسی طرح اور سینکڑوں مناظر ہیں کہ ان کے عادی ہونے کی وجہ سے کراہیت کا واہمہ بھی نہیں ہوتا۔

**(۵) حدثنا احمد بن منیع حدثنا الفضل بن دکین حدثنا مصعب بن سلیم قال سمعت انس بن مالکؓ یقول اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ فَرَأَیْتُہٗ یَاْکُلُ وَھُوَ مُقْعٍ مِنَ الْجُوْعِ**

"انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوریں لائی گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نوش فرما رہے تھے اور اس وقت بھوک کی وجہ سے اپنے سہارے سے تشریف فرما نہیں تھے بلکہ اکڑوں بیٹھ کر کسی چیز پر سہارا لگائے ہوئے تھے۔"

ف: یعنی کمر کو دیوار وغیرہ کسی چیز سے ٹیک رکھا تھا۔ کسی چیز پر ٹیک لگا کر کھانے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے لیکن اس جگہ پر چونکہ ضعف کے عذر سے تھا اس لیے نہ اس روایت پر ان احادیث کے خلاف کا اشکال ہو سکتا ہے جن میں ممانعت آئی ہے اور نہ اس روایت سے بلا عذر ٹیک لگا کر کھانے کا استحباب ثابت ہو سکتا ہے۔

# باب ما جاء فی صفة خبز رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کی روٹی کا ذکر

ف: یعنی کس قسم کی روٹی کھانے کا آپ کا معمول تھا؟ اس باب میں آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

**(۱) حدثنا محمد بن المثنی ومحمد بن بشار قالا حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن ابی اسحٰق قال سمعت عبدالرحمن بن یزید یحدث عن الاسود بن یزید عن عائشة رضی الله عنها اَنَّهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی وفات تک حضور ﷺ کے اہل وعیال نے مسلسل دو دن کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔''

ف: یعنی کھجوروں سے اگرچہ اس کی نوبت آ گئی ہو لیکن روٹی سے کبھی یہ نوبت نہیں آئی کہ مسلسل دو دن ملی ہو۔ لیکن اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ روایات سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنی بیبیوں کا ایک سال کا نفقہ مرحمت فرما دیا کرتے تھے۔ اب ان دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے۔ علماء نے اس کی مختلف توجیہیں فرمائی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ اس حدیث میں اہل کا لفظ زائد ہے اور مراد خود سرور کائنات ﷺ کی ذات بابرکات ہے اور اپنے لیے ذخیرہ ثابت نہیں۔ چنانچہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت باب کے اخیر میں اسی مضمون کی آ رہی ہے۔ بعض نے یہ بھی توجیہ فرمائی ہے کہ ذخیرہ تو حضور ﷺ حوالہ فرما دیا کرتے تھے لیکن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی شوق ثواب میں سب صدقہ فرما دیتی تھیں بندۂ ناچیز کے نزدیک ان کے علاوہ دو توجیہیں اور بھی ممکن ہیں لیکن چونکہ کسی بڑے کے کلام سے منقول نہیں اس لیے حجت نہیں تاہم محتمل ضرور ہیں اول یہ کہ سال بھر کا نفقہ اسی حساب سے ہو کہ مسلسل دو دن کی روٹی کا حساب نہ بیٹھتا ہو کبھی روٹی کبھی کھجوریں کبھی فاقہ۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ وہ نفقہ کیا عجب ہے کہ کھجوریں ہوں۔ اس حدیث میں اس کی نفی نہیں بلکہ روٹی کی نفی ہے۔

(۲) حدثنا عباس بن محمد الدوری حدثنا یحیی بن ابی بکیر حدثنا حریز بن عثمان عن سلیم بن عامر قال سمعت ابا امامة الباهلیؓ یقول مَا کَانَ یَفْضِلُ عَنْ اَهْلِ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُبْزُ الشَّعِیْرِ

''ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جو کی روٹی کبھی نہیں بچتی تھی۔''

ف: یعنی جو کی روٹی اگر کبھی پکتی تھی تو وہ مقدار میں اتنی ہوتی ہی نہیں تھی کہ بچتی اس لیے کہ پیٹ بھرنے کو بھی کافی نہیں ہوتی تھی اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں کی کثرت اور اہل صفہ تو مستقل طور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے ہی۔

(۳) حدثنا عبدالله بن معاویة الجمحی حدثنا ثابت بن یزید عن هلال بن خباب عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَبِیْتُ اللَّیَالِیَ الْمُتَتَابِعَةَ یَجِدُ طَاوِیًا وَّهُوَ وَاَهْلُهٗ لَا یَجِدُوْنَ عَشَاءً وَّکَانَ اَکْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِیْرِ

''ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والے کئی کئی رات پے در پے بھوکے گزار دیتے تھے کہ رات کو کھانے کے لیے کچھ موجود نہیں ہوتا تھا۔ اور اکثر غذا آپ کی جو کی روٹی ہوتی تھی۔ (گو کبھی کبھی گیہوں کی روٹی بھی مل جاتی تھی)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں اگرچہ بعض لوگ ایسے تھے جو اہل ثروت تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غایت اخفاء کی وجہ سے ان کو علم ہی نہیں ہوتا تھا۔ ایسے ہی اہل وعیال بھی اخفاء کرتے تھے۔

(۴) حدثنا عبدالله بن عبدالرحمن حدثنا عبیدالله بن عبدالمجید الحنفی حدثنا عبدالرحمن وهو ابن عبدالله بن دینار حدثنا ابو حازم عن سهل بن سعدؓ اَنَّهٗ قِیْلَ لَهٗ اَکَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النَّقِیَّ یَعْنِی الْحُوَّارٰی فَقَالَ سَهْلٌ مَارَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النَّقِیَّ حَتّٰی لَقِیَ اللّٰهَ تَعَالٰی فَقِیْلَ لَهٗ هَلْ کَانَتْ لَکُمْ مَنَاخِلُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا کَانَتْ لَنَا مَنَاخِلُ فَقِیْلَ کَیْفَ کُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ بِالشَّعِیْرِ قَالَ نَنْفُخُهٗ فَیَطِیْرُ مِنْهُ مَا طَارَ ثُمَّ نَعْجِنُهٗ

''سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سفید میدہ کی روٹی بھی کھائی ہے انہوں نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اخیر عمر تک کبھی میدہ آیا بھی نہیں

پھر سائل نے پوچھا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تم لوگوں کے یہاں چھلنیاں تھیں انہوں نے فرمایا کہ نہیں تھیں۔ سائل نے پوچھا کہ پھر جو کی روٹی کیسے پکاتے تھے؟ (چونکہ اس میں تنکے وغیرہ زیادہ ہوتے ہیں) سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آٹے میں پھونک مارلیا کرتے تھے جو موٹے موٹے تنکے ہوتے تھے وہ اڑ جاتے تھے۔ باقی گوندھ لیتے تھے۔''

ف: اللہ الصمد' آج کل گیہوں کی روٹی بھی بغیر چھنے کھانا مشکل سمجھا جاتا ہے حالانکہ بغیر چھنے آٹے کی روٹی زود ہضم بھی ہوتی ہے اور میدہ کی روٹی نہایت ثقیل۔ لیکن پھر بھی تنعم کے زور میں بہت سے گھرانوں میں یہ فضول رواج جاری ہو گیا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سب سے پہلی بدعت جو اسلام میں آئی ہے وہ چھلنیوں کا رواج ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ وہ بدعت ہے جو شرعاً سنت کے مقابل شمار کی جاتی ہے بلکہ جدید رواج کے اعتبار سے بدعت کہہ دیا ہے ورنہ اس کے جائز ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

**(۵) حدثنا محمد بن بشار حدثنا معاذ ابن هشام قال حدثني ابي عن يونس عن قتادة عن انس بن مالكؓ قال مَا اَكَلَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خِوَانٍ وَلَا فِيْ سُكُرَّجَةٍ وَلَا خُبِزَ لَهٗ مُرَقَّقٌ قَالَ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ فَعَلٰى مَا كَانُوْا يَأْكُلُوْنَ قَالَ عَلٰى هٰذِهِ السُّفَرِ قَالَ محمد بن بشار يونس هذا الذى روى عن قتادة هو يونس الاسكاف**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی کھانا میز پر تناول نہیں فرمایا نہ چھوٹی طشتریوں میں نوش فرمایا' نہ آپ کے لیے کبھی چپاتی پکائی گئی۔ یونس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر نوش فرماتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہی چمڑے کے دستر خوان پر۔''

ف: یونس رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ جن کا ذکر ترجمہ میں آیا ہے وہ اس حدیث کی سند میں دو راوی ہیں۔ علامہ مناویؒ اور ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ میز پر کھانا کھانا ہمیشہ سے متکبر لوگوں کی عادت رہی ہے۔ کوکب دری میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ اس میں نصاریٰ کے ساتھ تشبہ بھی ہے اس لیے مکروہ تحریمی ہے تشبہ کا مسئلہ نہایت ہی اہم ہے۔ احادیث میں بہت کثرت سے اس پر مختلف عنوانات سے تنبیہ کی گئی ہے کھانے میں پینے میں لباس میں حتیٰ کہ عبادات تک میں بھی اس سے روکا گیا ہے۔ جیسا کہ عاشوراء کے روزے اور اذان کی احادیث میں کثرت سے یہ مضمون کتب حدیث

میں مذکور ہے مگر ہم لوگ اس میں خاص طور سے لاپروا ہیں۔ فالی اللہ المشتکی

(۶) حدثنا احمد بن منیع حدثنا عباد بن عباد المھلبی عن مجالد عن الشعبی عن مسروق قال دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَۃَؓ فَدَعَتْ لِیْ بِطَعَامٍ وَقَالَتْ مَا اَشْبَعُ مِنْ طَعَامٍ فَاَشَاءُ اَنْ اَبْکِیَ اِلَّا بَکَیْتُ قَالَ قُلْتُ لِمَ قَالَتْ اَذْکُرُ الْحَالَ الَّتِیْ فَارَقَ عَلَیْھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الدُّنْیَا وَاللّٰہِ مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ مَرَّتَیْنِ فِیْ یَوْمٍ وَاحِدٍ

''مسروق رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔ انہوں نے میرے لیے کھانا منگایا اور یہ فرمانے لگیں کہ میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتی مگر میرا رونے کو دل چاہتا ہے۔ پس رونے لگی ہوں۔ مسروق رحمۃ اللہ نے پوچھا کہ کیوں رونے کو دل چاہتا ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حالت یاد آجاتی ہے جس پر ہم سے مفارقت فرمائی کہ کبھی ایک دن میں دو مرتبہ گوشت روٹی سے پیٹ بھرنے کی نوبت نہیں آئی۔''

(۷) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابو داؤد قال حدثنا شعبۃ عن ابی اسحٰق قال سمعت عبدالرحمن ابن یزید یحدث عن الاسود بن یزید عن عائشۃؓ قالت مَا شَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ یَوْمَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ حَتّٰی قُبِضَ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر میں کبھی جو کی روٹی سے بھی دو دن پے در پے پیٹ نہیں بھرا۔''

ف: یہ وہی حدیث ہے جو شروع باب میں گزر چکی۔ اتنا فرق ہے کہ وہاں سب گھر والوں کا ذکر تھا۔ یہاں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کا ذکر ہے۔ مآل ایک ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے فقر ہی پسند تھا۔ اتنا ہوتا ہی نہیں تھا کہ سب پیٹ بھر سکیں۔ جو کچھ ہوتا تھا وہ غرباء پر تقسیم ہو جاتا تھا۔

(۸) حدثنا عبداللہ بن عبدالرحمن حدثنا عبداللہ بن عمرو ابو معمر حدثنا عبدالوارث عن سعید ابن ابی عروبۃ عن قتادۃ عن انسؓ قَالَ مَا اَکَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی خِوَانٍ وَلَا اَکَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتّٰی مَاتَ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اخیر تک میز پر کھانا تناول نہیں

فرمایا اور نہ کبھی چپاتی نوش فرمائی۔"

ف: یہ حدیث بھی اسی باب کے نمبر ۵ پر گزر چکی ہے۔ روایات حدیث سے یہ بات تو تصریحاً ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے فقر کی حالت خود پسند فرمائی تھی اور جب حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کسی فرشتے کی زبانی حضور اقدس ﷺ سے فقر و فاقہ اور ثروت و ریاست کے درمیان ترجیح پوچھی جاتی تو حضور ﷺ پہلی ہی قسم کو پسند فرماتے۔ چنانچہ متعدد احادیث اس مضمون کی وارد ہیں لیکن اس میں علماء کے دو قول ہیں کہ حضور ﷺ کے پسند فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ میسر ہی اتنا ہوتا تھا جس کا اوپر ذکر ہوا۔ یا باوجود میسر ہونے کے حضور ﷺ تواضعاً تناول نہیں فرماتے تھے اور تقسیم فرما دیتے تھے۔

# باب ما جاء فی صفة ادام رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

## باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سالن کا ذکر

ف: اس باب میں تیس سے زائد حدیثیں ہیں۔ بعض نسخوں میں اس باب میں ایک مضمون اور بھی ذکر کیا ہے وہ یہ کہ سالن اور مختلف اشیاء کا ذکر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمائی ہیں۔

**(۱) حدثنا محمد بن سهل بن عسكر وعبدالله بن عبدالرحمن قالا حدثنا يحيى بن حسان حدثنا سليمان بن بلال عن هشام ابن عروة عن ابيه عن عائشة رضى الله عنها اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ ابن عبدالرحمن فِیْ حديثه نِعْمَ الْاُدُمُ اَوِ الْاِدَامُ الْخَلُّ**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ سرکہ بھی کیسا اچھا سالن ہے۔''

ف: اس لحاظ سے کہ اس میں دقت و محنت زیادہ نہیں ہوتی اور روٹی بے تکلف کھائی جاتی ہے ہر وقت میسر آجاتا ہے نیز تکلفات سے بعید ہے اور دنیوی گزران میں اختصار بھی مقصود ہے۔ اس کے علاوہ سرکہ میں خصوصی فوائد بھی بہت سے ہیں۔ سمیات کے لیے مفید ہے۔ بلغم اور صفراء کا قاطع ہے۔ کھانے کے ہضم میں معین ہے۔ پیٹ کے کیڑوں کا قاتل ہے۔ بھوک اچھی لگاتا ہے۔ البتہ سرد مزاج ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں کو مضر ہوتا ہے لیکن اس لحاظ سے کہ بہترین سالن ہے ہر وقت میسر آسکتا ہے جتنی بھی مدح ہو قرین قیاس ہے۔ اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوش فرماتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ کیا ہی اچھا سالن ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں برکت کی دعا فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ پہلے انبیاء کا بھی یہ سالن رہا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس گھر میں سرکہ ہو وہ محتاج نہیں ہیں یعنی سالن کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔ جمع الوسائل میں ان روایات کو ابن ماجہ سے نقل کیا ہے۔

**(۲) حدثنا قتيبة حدثنا ابو الاحوص عن سماك بن حرب قال سمعت النعمان بن بشير رضی اللہ عنہ يقول اَلَسْتُمْ فِیْ طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَاشِئْتُمْ لَقَدْ رَاَيْتُ نَبِيَّكُمْ وَمَا يَجِدُ**

مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهُ

''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کیا تم لوگ کھانے پینے کی خاطر خواہ نعمتوں میں نہیں ہو؟ حالانکہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ان کے ہاں معمولی قسم کی کھجوروں کی بھی اتنی مقدار نہ ہوتی تھی کہ جس سے شکم سیر ہو سکے۔''

ف: صحابی کا مقصود ترغیب دینا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور دنیا کی مختصر گیری کی اور حدیث میں جب شکم سیر کھجوروں کی نفی ہوگئی تو روٹی سالن کا کیا ذکر؟ لہٰذا ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی ظاہر ہو گئی۔

(۳) حدثنا عبدة بن عبدالله الخزاعي حدثنا معاوية بن هشام عن سفيان عن محارب بن دثار عن جابر بن عبدالله قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الْإِدَامَ الْخَلُّ

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ سرکہ بھی کیا ہی اچھا سالن ہے۔''

ف: ممکن ہے کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ دونوں حضرات موجود ہوں اور اقرب یہ ہے کہ مختلف اوقات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہو۔

(۴) حدثنا هناد حدثنا وكيع عن سفيان عن ايوب عن ابى قلابة عن زهدم الجرمى قَالَ كُنَّا عِنْدَ اَبِيْ مُوْسٰى فَاُتِيَ بِلَحْمِ دُجَاجٍ فَتَنَحّٰى رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَالَكَ قَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُهَا فَقَالَ تَاْكُلُ شَيْئًا فَحَلَفْتُ اَنْ لَا اٰكُلَهَا قَالَ اُدْنُ فَاِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ

''زہدم کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ ان کے پاس کھانے میں مرغی کا گوشت آیا۔ مجمع میں سے ایک آدمی پیچھے ہٹ گیا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سے ہٹنے کی وجہ دریافت کی اس نے عرض کیا کہ میں نے مرغی کو گندگی کھاتے دیکھا تھا اس لیے میں نے مرغی نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آؤ اور بے تکلف کھاؤ۔ میں نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغی کا گوشت نوش فرماتے دیکھا ہے اگر ناجائز یا ناپسند ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے تناول فرماتے۔''

ف: مقصود یہ ہے کہ مباح شرعی کی تحریم نہیں کرنی چاہیے اس لیے اپنی قسم کو توڑ دو اور کفارہ دو۔ مرغی

جمہور ائمہ کے نزدیک جائز ہے البتہ جلالہ کو (جلالہ وہ مرغی ہے جو گندگی کھاتی ہو) علماء نے مکروہ فرمایا ہے۔ مرغی حار رطب ہوتی ہے سریع الہضم ہے۔ اخلاط اچھے پیدا کرتی ہے۔ دماغ اور جملہ اعضائے رئیسہ کو قوت دیتی ہے۔ آواز بھی صاف کرتی ہے اور رنگ بھی خوشنما پیدا کرتی ہے۔ عقل کو بھی قوت دیتی ہے۔

**(۵) حدثنا الفضل بن سهل الاعرج البغدادی حدثنا ابراهیم بن عبدالرحمن بن مهدی عن ابراهیم ابن عمر بن سفینة عن ابیه عن جده قَالَ اَكَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُبَارٰى**

''سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حباریٰ کا گوشت کھایا ہے۔''

ف: حباریٰ ایک پرندہ ہے۔ اس کے ترجمہ میں علماء مختلف ہوئے ہیں۔ بعض نے تعذری کیا ہے۔ بعض نے بٹیر اور بعض نے سرخاب اور بعض مترجمین نے چکا چکوئی کیا ہے۔ محیط اعظم میں لکھا ہے کہ حباریٰ کو فارسی میں ہوبرہ اور شوات اور شوال کہتے ہیں۔ ترکی میں تو عذری اور ہندی میں چرز کہتے ہیں۔ جنگلی پرندہ ہے۔ جس کا رنگ خاکی اور گردن بڑی اور پاؤں لمبے اور چونچ میں تھوڑی سی لمبائی ہوتی ہے۔ بہت تیز اڑتا ہے اس کو جرج بھی کہتے ہیں۔ یونانی لوگ اس کو غلوفس کہتے ہیں۔ جثہ میں کونج اور مرغابی کے درمیان ہوتا ہے۔ صاحب لغات الصراح نے بھی حباریٰ کا ترجمہ شوات لکھا ہے اور مظاہر حق میں تعذری لکھا ہے۔ حباریٰ کا ترجمہ اور حضرات نے بھی تعذری لکھا ہے اس لیے یہی صحیح ہے۔ صاحب غیاث نے تعذری اور چرز لکھا ہے۔ صاحب بحر الجواہر نے بھی تعذری اور چرز لکھا ہے نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس کو سرخاب بھی کہتے ہیں لیکن صاحب محیط نے سرخاب جس کو چکوہ بھی کہتے ہیں دوسرا پرندہ لکھا ہے اور صاحب نفائس نے چکوا اور سرخاب کی عربی نحام لکھا ہے اس لیے اقرب یہی ہے کہ سرخاب دوسرا جانور ہے۔ سفینہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ کا لقب تھا۔ ان کو سفینہ اس لیے کہتے تھے کہ کشتی کی طرح سے سفر میں بہت سا سامان اپنے اوپر لاد لیتے تھے۔

**(۶) حدثنا علی بن حجر حدثنا اسمعیل بن ابراهیم عن ایوب عن القاسم التمیمی عن زهدم الجرمی قال كُنَّا عِنْدَ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ فَقُدِّمَ طَعَامُهٗ وَقُدِّمَ فِىْ طَعَامِهٖ لَحْمُ دُجَاجٍ وَفِى الْقَوْمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِىْ تَيْمِ اللّٰهِ اَحْمَرُ كَاَنَّهٗ مَوْلًى قَالَ فَلَمْ يَدْنُ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ مُوْسٰى اُدْنُ فَاِنِّىْ قَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ مِنْهُ قَالَ اِنِّىْ رَاَيْتُهٗ يَاْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهٗ فَحَلَفْتُ اَنْ لَا اَطْعَمَهٗ اَبَدًا**

''زہدم کہتے ہیں کہ ہم ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ ان کے پاس کھانا لایا گیا۔ جس میں مرغی کا گوشت بھی تھا۔ مجمع میں ایک آدمی قبیلہ بنوتیم اللہ کا بھی تھا جو سرخ رنگ تھا۔ بظاہر آزاد شدہ غلام معلوم ہوتا تھا۔ اس نے توجہ نہ کی۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے متوجہ ہونے کو کہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرغی تناول فرمانے کا ذکر فرمایا۔ اس نے عذر کیا کہ میں نے اس کو کچھ ایسی ہی چیز کھاتے دیکھا جس کی وجہ سے مجھے اس سے کراہت آتی ہے اس لیے میں نے اس کے نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے۔''

ف: یہ وہی حدیث ہے جو پہلے مذکور ہوئی۔ اختلاف سند سے صورتاً قصہ میں کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ شمائل میں دونوں حدیثیں ذکر کی گئیں۔ بخاری شریف میں یہ لمبا قصہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پھر بھی یہی فرمایا کہ کھاؤ اور قسم کا کفارہ ادا کرو کہ حلال چیز کے نہ کھانے کی قسم کے کیا معنی؟

**(۷) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابو احمد الزبیری وابونعیم قالا حدثنا سفیان عن عبداللہ بن عیسی عن رجل من اھل الشام یقال لہ عطاء عن ابی اسیدٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُوا الزَّیْتَ وَادَّھِنُوْا بِہٖ فَاِنَّہٗ مِنْ شَجَرَۃٍ مُبَارَکَۃٍ**

''ابواسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھانے میں استعمال کرو اور مالش میں بھی۔ اس لیے کہ یہ بابرکت درخت کا تیل ہے۔''

ف: اس درخت پر مبارک کا اطلاق کلام اللہ شریف کی اس آیت میں آیا ہے ﴿مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ الآیۃ﴾ اور بابرکت ہونے کی وجہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اکثر شام میں پیدا ہوتا ہے اور وہ زمین اس لیے بابرکت ہے کہ اس میں ستر نبی مبعوث ہوئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ برکت کا اطلاق اس لیے ہے کہ اس میں منافع بہت ہیں۔ چنانچہ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ اس میں ستر بیماریوں کی شفا ہے جن میں سے ایک جذام بھی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کی ہر چیز میں منافع ہے۔ اس کا تیل جلانے کے کام میں آتا ہے' کھانے کے کام میں آتا ہے' دباغت کے کام میں آتا ہے۔ ایندھن جلانے کے کام میں لایا جاتا ہے۔ حتی کہ اس کی راکھ ریشم دھونے کے لیے خاص طور سے مفید ہے کہتے ہیں کہ اس کے درخت کی عمر بہت ہوتی ہے' چالیس سال کے بعد تو پھل لاتا ہے اور ایک ہزار برس کی عمر اکثر ہوتی ہے۔ اس کے منافع طب کی

کتب میں بکثرت ذکر کیے گئے ہیں۔

**(۸) حدثنا یحیی بن موسی حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر عن زید بن اسلم عن ابیه عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُلُوا الزَّیْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَکَةٍ قال ابوعیسی وکان عبدالرزاق یضطرب فی هذا الحدیث فربما اسنده وربما ارسله حدثنا السنجی وهو ابو داؤد سلیمان بن معبد المروزی السنجی حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن زید بن اسلم عن ابیه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوه ولم یذکر فیه عن عمر**

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور مالش میں استعمال کرو اس لیے کہ وہ مبارک درخت سے پیدا ہوتا ہے۔''

ف: ان روایات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں ذکر کرنا اس وجہ سے ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دی ہے تو خود استعمال فرمانا ظاہر ہے۔

**(۹) حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر وعبدالرحمن بن مهدی قالا حدثنا شعبة عن قتادة عن انس بن مالکؓ قال کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعْجِبُهُ الدُّبَّاءُ فَاُتِیَ بِطَعَامٍ اَوْدُعِیَ لَهٗ فَجَعَلْتُ اَتَتَبَّعُهٗ فَاَضَعُهٗ بَیْنَ یَدَیْهِ لِمَا اَعْلَمُ اَنَّهٗ یُحِبُّهٗ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی دعوت میں تشریف لے گئے (راوی کو شک ہے کہ یہ قصہ کس موقع کا ہے) جس میں کدو تھا۔ چونکہ مجھے معلوم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مرغوب ہے اس لیے اس کے قتلے ڈھونڈ کر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیتا تھا۔''

ف: اس سے معلوم ہوا کہ اگر برتن میں مختلف چیزیں ہوں تو اپنے علاوہ دوسری جانب سے بھی کسی مرغوب چیز کے اٹھا لینے میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ ساتھی کو کراہت نہ آئے۔ ڈھونڈ کر پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شوربا زیادہ رکھنے کا معمول تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب بھی فرمائی ہے کہ شوربا زیادہ رکھا کرو کہ پڑوسی بھی منتفع ہو سکے۔

**(۱۰) حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا حفص بن غیاث عن اسمعیل بن ابی خالد**

عن حکیم بن جابر عن ابیه قال دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُ عِنْدَهٗ دُبَّاءً يُقَطَّعُ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَ نُكَثِّرُ بِهٖ طَعَامَنَا قال ابوعیسٰی و جابر هذا هو جابر بن طارق ویقال ابن ابی طارق وهو رجل من اصحاب رسول الله ﷺ ولا یعرف له الا هذا الحدیث الواحد وابو خالد اسمه سعد

''جابر بن طارق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کدو کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے جارہے تھے میں نے عرض کیا کہ اس کا کیا بنے گا؟ فرمایا کہ اس سے سالن میں اضافہ کیا جائے گا۔''

ف: کدو کے فوائد بھی علمائے حدیث نے بہت سے لکھے ہیں اور طب کی کتابوں میں بھی بہت سے منافع لکھے ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ عقل کو تیز کرتا ہے دماغ کو قوت دیتا ہے۔

(۱۱) حدثنا قتیبة بن سعید عن مالك ابن انس عن اسحٰق بن عبدالله بن ابی طلحة انه سمع انس بن مالكؓ یقول اِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهٗ فَقَالَ اَنَسٌ رضی اللہ عنہ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى ذٰلِكَ الطَّعَامِ فَقَرَّبَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا مِنْ شَعِيْرٍ وَمَرَقًا فِيْهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيْدٌ قَالَ اَنَسٌ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ حَوَالَيِ الْقَصْعَةِ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمَئِذٍ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس ﷺ کی ایک مرتبہ دعوت کی۔ میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ حاضر ہوا۔ اس نے حضور ﷺ کی خدمت میں جو کی روٹی اور کدو گوشت کا شوربا پیش کیا۔ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ پیالہ کے سب جانبوں سے کدو کے ٹکڑے تلاش فرما کر نوش فرما رہے تھے۔ اس وقت سے مجھے بھی کدو مرغوب ہو گیا۔''

ف: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خود بھی دعوت ہو گی یا حضور ﷺ کے ساتھ خادمیت میں چلے گئے ہوں گے اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ داعی کو گراں نہ ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ مجھے اس وقت سے کدو سے رغبت ہو گئی اس محبت کا ثمرہ ہے جو ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھی اور محبت کا مقتضٰی یہی ہے کہ محبوب کی ہر ادا پسند ہو، اس کی ہر بات دل میں جگہ کرنے والی ہو، جس درجہ کی محبت ہو گی اسی مرتبہ میں محبوب کے اثرات کے ساتھ شغف ہو گا لیکن اللہ کی شان ہے کہ آج حضور ﷺ کے ساتھ محبت کے دعوے داروں کو حضور ﷺ جیسی صورت بنانا بھی پسند نہیں۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تابکجا

(۱۲) حدثنا احمد بن ابراهيم الدورقي وسلمة بن شبيب ومحمود بن غيلان قالوا حدثنا ابو اسامة عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشةؓ قالت كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو میٹھا اور شہد پسند تھا۔''

ف: بظاہر حدیث میں حلوے سے مراد ہر میٹھی چیز ہے لیکن بعض لوگوں نے اس سے متعارف حلوا مراد لیا ہے جو مٹھائی اور گھی وغیرہ سے بنایا جاتا ہے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حلوا بنوا کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا اور حضور ﷺ نے اس کو پسند فرمایا' یہ حلوا آٹے اور شہد اور گھی سے بنایا گیا تھا۔ شکر کا اس زمانہ میں کچھ ایسا دستور نہ تھا اس لیے میٹھی چیز عموماً شہد یا کھجور سے بنائی جاتی تھی۔

(۱۳) حدثنا الحسن بن محمد الزعفراني حدثنا حجاج بن محمد قال قال ابن جريج اخبرني محمد بن يوسف ان عطاء بن يسار اخبره ان ام سلمةؓ اخبرته اَنَّهَا قَرَّبَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِيًّا فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَمَا تَوَضَّاَ

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے پہلو کا بھنا ہوا گوشت حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا حضور ﷺ نے تناول فرمایا اور پھر بلا وضو کیے نماز پڑھی۔''

ف: بعض روایات سے آگ سے پکی ہوئی چیز کا ناقض وضو ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہی مذہب بعض علمائے متقدمین کا ہے لیکن خلفائے اربعہ اور ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ جو احادیث وجوب وضو پر دلالت کرتی ہیں وہ منسوخ ہیں یا مؤول ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بھی جمہور کی تائید کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے نیا وضو کیے بغیر نماز پڑھی۔

(۱۴) حدثنا قتيبة حدثنا ابن لهيعة عن سليمان بن زياد بن عبدالله بن الحارثؓ قال اَكَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِوَاءً فِي الْمَسْجِدِ

''عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بھنا ہوا گوشت مسجد میں کھایا۔''

ف: اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں کھانا پینا جائز ہے بشرطیکہ ریزہ وغیرہ سے مسجد خراب نہ

ہو ورنہ مکروہ ہو گا اور ممکن ہے کہ یہ حالت اعتکاف کا ذکر ہو کہ حضور ﷺ کا معمول ہر سال اعتکاف کرنے کا تھا اور اس صورت میں مسجد میں کھانا پینا ظاہر ہے۔

**(۱۵) حدثنا محمود بن غیلان انبانا وکیع حدثنا مسعر عن ابی صخرة جامع بن شداد عن المغیرة ابن عبدالله عن المغیرة بن شعبة قَالَ ضِفْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ فَاُتِیَ بِجَنْبٍ مَشْوِیٍّ ثُمَّ اَخَذَ الشَّفْرَةَ فَجَعَلَ یَحُزُّ فَحَزَّلِیْ بِهَا مِنْهُ قَالَ فَجَاءَ بِلَالٌ یُؤْذِنُهٗ بِالصَّلٰوةِ فَاَلْقَی الشَّفْرَةَ فَقَالَ مَالَهٗ تَرِبَتْ یَدَاهُ قَالَ وَکَانَ شَارِبُهٗ وَقَدْ وَفٰی فَقَالَ لَهٗ اَقُصُّهٗ لَكَ عَلٰی سِوَاكٍ اَوْ قُصَّهٗ عَلٰی سِوَاكٍ**

''مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات حضور اقدس ﷺ کے ساتھ مہمان ہوا۔ کھانے میں ایک پہلو بھنا ہوا لایا گیا۔ حضور ﷺ چاقو لے کر اس میں سے کاٹ کاٹ کر مجھے مرحمت فرما رہے تھے۔ اسی دوران میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر نماز کی تیاری کی اطلاع دی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خاک آلودہ ہوں اس کے دونوں ہاتھ' کیا ہوا اس کو کہ ایسے موقع پر خبر کی اور پھر چھری رکھ کر نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دوسری بات میرے ساتھ یہ پیش آئی کہ میری مونچھ بہت بڑھ رہی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لاؤ مسواک پر رکھ کر ان کو کتر دوں' یا یہ فرمایا کہ مسواک پر رکھ کر ان کو کتر دو۔ راوی کو الفاظ میں شک ہے کہ کیا لفظ فرمائے؟''

ف: اس حدیث میں چند مضمون قابل تنبیہ ہیں اول یہ کہ حضور ﷺ کے ساتھ مہمان ہوا اس کے مطلب میں علماء کے دو قول ہیں اور روایات مختلفہ ہے دونوں کی تائید ہوتی ہے ایک یہ کہ ساتھ کا لفظ زائد ہے اور مقصود یہ ہے کہ میں حضور ﷺ کا مہمان بنا اور حضور ﷺ نے میزبانی کی مد میں پہلو کا گوشت بھنوایا اور کاٹ کاٹ کر کھلایا۔ جامع ترمذی شریف کی روایت اس مضمون کے کچھ زیادہ مناسب ہے اور ابوداؤد کی روایت تو گویا اس مضمون میں صریح ہے۔ جس کے لفظ یہ ہیں کہ میں حضور ﷺ کا مہمان بنا۔ دوسرے یہ کہ میں اور حضور ﷺ دونوں کسی تیسرے شخص کے مہمان ہوئے' ساتھ کا لفظ روایات میں اس کی تائید کرتا ہے۔ اس صورت میں حضور ﷺ کا کاٹ کر کھلانا تالیف قلوب کے لیے تھا۔ تیسرا مطلب بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو اپنا مہمان کیا' مگر یہ صحیح نہیں۔ بندہ کے نزدیک اقرب یہ ہے کہ میں حضور ﷺ کا مہمان تھا اور حضور اقدس ﷺ کی مع

مہمانوں کے کسی جگہ دعوت تھی جیسا کہ دستور عام ہے کہ اکابر کی دعوت مع خدام و مہمانان ہوتی ہے اس صورت میں ابوداؤد اور ترمذی' دونوں کی روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ اصل میں حضور ﷺ کے مہمان تھے اور حضور ﷺ کی اس وقت مع مہمانوں کے دعوت کی وجہ سے یہ اور حضور اقدس ﷺ دونوں دوسرے کے مہمان تھے۔ دوسرا مضمون چاقو سے کاٹنے کے متعلق ہے۔ ابوداؤد شریف اور بیہقی کی روایات میں چاقو سے کاٹنے کی ممانعت بھی آئی ہے۔ علمائے حدیث نے ان دونوں حدیثوں کے درمیان مختلف طریقوں سے تطبیق فرمائی ہے۔ سہل یہ ہے کہ وہ ممانعت چاقو سے کھانے کی ہے اور یہ واقعہ چاقو سے کاٹ کر ہاتھ سے کھانے کا ہے اگر گوشت اچھی طرح نہ گلا ہو تو چاقو سے کاٹ کر ہاتھ سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور ضابطہ کی بات یہ ہے کہ جس چیز میں اجازت اور ممانعت دونوں پائی جاتی ہوں اور وجوہ ترجیح میں سے کوئی وجہ نہ ہو تو قاعدہ کے موافق ممانعت کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔ یہ ضابطہ مستقل ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جس حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے اس کے لفظ یہ ہیں کہ چاقو سے گوشت نہ کاٹا کرو یہ عجمیوں کا (یعنی کفار کا) طریقہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت اس طریق میں ہے جس سے کفار سے تشبہ ہوتا ہو۔ مطلقاً چاقو سے کاٹنے کی ممانعت نہیں ہے اور کفار کے ساتھ تشبہ سے بچنے کی تاکید تو سینکڑوں احادیث میں ہے۔ تیسری بات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے یہ الفاظ تنبیہ سے ہے۔ ایسے الفاظ کے معنی مقصود نہیں ہوتے ملامت اور تنبیہ مقصود ہوتی ہے ہر زبان میں اس قسم کے الفاظ ڈانٹنے کے موقع میں مستعمل ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس جگہ پر بعض علماء نے حضور ﷺ کے الفاظ ہونے کی وجہ سے اس کے نفس نفیس معنی بھی بتلائے ہیں لیکن ظاہر صرف تنبیہ ہے اور تنبیہ اس امر پر تھی کہ جب حضور اقدس ﷺ ایک مہمان کی وجہ سے اس کے اہتمام میں مشغول تھے تو اس کے درمیان میں اطلاع نہ کرنی چاہیے تھی بلکہ فراغت کا انتظار مناسب تھا جب کہ نماز کے وقت میں گنجائش بھی تھی۔ چوتھی بات لبوں کے کاٹنے کے متعلق ظاہر یہی مطلب ہے جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ کی لبیں بڑھی ہوئی تھیں اور حضور ﷺ نے کنگھے کے بجائے مسواک رکھ کر کاٹنے کے متعلق ارشاد فرمایا۔ بعض شراح حدیث اس طرف گئے ہیں کہ حضور ﷺ کی اپنی لبیں مراد ہیں لیکن ابوداؤد شریف کی روایت میں تصریح ہے کہ میری لبیں بڑھی ہوئی تھیں جن کو حضور اقدس ﷺ نے کاٹ دیا۔ متعدد احادیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد مختلف الفاظ سے وارد ہوا ہے جس میں ڈاڑھی کے بڑھانے کا حکم ہے اور مونچھوں کے کاٹنے میں مبالغہ کرنے کی تاکید ہے اسی وجہ سے ایک جماعت علمائے سلف کی اس طرف ہی ہے کہ مونچھوں

کا منڈانا سنت ہے لیکن اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ کتروانا سنت ہے لیکن کتروانے میں ایسا مبالغہ ہو کہ مونڈنے کے قریب ہو جائے۔

(۱۶) حدثنا واصل بن عبدالاعلی حدثنا محمد بن فضیل عن ابی حیان التیمی عن ابی زرعة عن ابی هریرةؓ قال اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَیْهِ الذِّرَاعُ وَکَانَتْ تُعْجِبُهٗ فَنَهَشَ مِنْهَا

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں کہیں سے گوشت آیا اس میں سے دست (یعنی بونگ) حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوا۔ حضور ﷺ کو دست یعنی بونگ کا گوشت پسند بھی تھا۔ حضور ﷺ نے اس کو دانتوں سے کاٹ کر تناول فرمایا (یعنی چھری وغیرہ سے نہیں کاٹا)

ف: دانتوں سے کاٹ کر کھانے کی ترغیب بھی حضور ﷺ نے فرمائی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ گوشت کو دانتوں سے کاٹ کر کھایا کرو کہ اس سے ہضم بھی خوب ہوتا ہے اور بدن کو زیادہ موافق پڑتا ہے۔

(۱۷) حدثنا محمد بن بشار حدثنا ابوداؤد عن زهیر یعنی ابن محمد عن ابی اسحٰق عن سعد بن عیاض عن ابن مسعودؓ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ قَالَ وَسُمَّ فِی الذِّرَاعِ وَکَانَ یُرٰی اَنَّ الْیَهُوْدَ سَمُّوْهُ

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو ذراع یعنی دست کا گوشت مرغوب تھا اور اسی میں حضور اقدس ﷺ کو زہر دیا گیا۔ گمان یہ ہے کہ یہود نے زہر دیا تھا''

ف: فتح خیبر میں ایک یہودی عورت کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپؐ کو دست کا گوشت یعنی بونگ مرغوب ہے تو ایک بکری کا گوشت بھونا اور اس میں بہت زیادہ زہر ملا دیا' اور دست میں خصوصیت سے بہت زیادہ زہر قاتل بھر کر حضور ﷺ کی دعوت کی اور سامنے پیش کیا۔ حضور ﷺ نے لقمہ منہ میں رکھا لیکن نگلنے کی نوبت نہیں آئی تھی یا کچھ نگل بھی لیا تھا کہ اس کو تھوک دیا اور فرمایا کہ اس گوشت نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس میں زہر ہے لیکن کچھ نہ کچھ اثر پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ اس کا سمی اثر کبھی زور کرتا تھا اور آخر میں یہی اثر حضور ﷺ کے وصال کے وقت عود کر کے حضور ﷺ کی شہادت کا سبب بنا۔ اس حدیث میں گوشت کے خود اطلاع دینے کا ذکر ہے اور بعض روایات میں حضرت جبریل علیہ السلام

کے اطلاع دینے کا ذکر ہے۔اس میں کوئی تعارض نہیں کہ اول گوشت نے معجزہ کے طور پر خود کہا ہو کہ مجھ میں زہر ہے۔اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کی تصدیق فرمائی ہو۔اس اطلاع کے بعد حضور ﷺ نے خود بھی ترک فرمادیا اور ساتھیوں کو بھی کھانے سے منع فرمادیا۔اس کے بعد اس عورت کو بلایا گیا اور اس سے پوچھا گیا کہ اس میں زہر ملا ہے؟ اس نے اقرار کیا کہ واقعی میں نے زہر ملایا ہے۔حضور اقدس ﷺ نے اپنے لیے انتقام نہیں لیا اس لیے عورت کو اس وقت معاف فرمادیا گیا لیکن بشر بن براء صحابی رضی اللہ عنہ اس زہر سے شہید ہوئے اس لیے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شہادت پر اس عورت کو قصاصاً یا تعزیراً قتل فرمایا۔اس کے بارے میں مختلف روایتیں آتی ہیں بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ قصاص لیا' بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ نہیں لیا اور دونوں صحیح ہیں جیسا کہ اصل واقعہ سے معلوم ہوگیا۔ایسی صورت میں شرعاً قصاص واجب ہوتا ہے یا دیت وغیرہ' یہ فقہی مسئلہ ہے جو ائمہ میں مختلف ہے اور علمی بحث ہے اس لیے ترک کر دی گئی۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ گمان یہ ہے کہ یہود نے زہر ملا دیا تھا' یہ ان کے خیال کی بناء پر ہے بظاہر ان کو محقق نہیں ہوا اور نہ اصل واقعہ محقق ہو چکا اور یہود نے خود اقرار کیا کہ ہم نے ایسا کیا ہے جیسا کہ دوسری احادیث میں مفصل مذکور ہے۔

**(۱۸) حدثنا محمد بن بشار حدثنا مسلم بن ابراهيم حدثنا ابان بن يزيد عن قتادة عن شهر بن حوشب عن ابی عبيدؓ قال طَبَخْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِدْرًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ فَنَاوَلْتُهُ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَمْ لِلشَّاةِ مِنْ ذِرَاعٍ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْسَكَتَّ لَنَا وَلْتَنِي الذِّرَاعَ مَا دَعَوْتُ**

''ابو عبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کے لیے ہانڈی پکائی چونکہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بونگ کا گوشت زیادہ پسند تھا اس لیے میں نے ایک بونگ پیش کی۔پھر حضور ﷺ نے دوسری طلب فرمائی' میں نے دوسری پیش کی' پھر حضور ﷺ نے اور طلب فرمائی' میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! بکری کے دو ہی بونگیں ہوتی ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تو چپ رہتا تو میں جب تک مانگتا رہتا اس دیگچی سے بونگیں نکلتی رہتیں۔''

ف: حضور اقدس ﷺ کا یہ معجزہ تھا۔مسند احمد میں اس روایت کے ہم معنی ابو رافع رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ قصہ دونوں کے ساتھ پیش آیا۔اس میں کچھ استعجاب نہیں۔اس قسم کے واقعات

حضور ﷺ کی سوانح حیات میں بکثرت ملتے ہیں۔ چند واقعات قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفا میں ذکر کیے ہیں۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت کی اور اتنا کھانا تیار کیا کہ جو دو آدمیوں کو کافی ہو جائے۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ شرفائے انصار میں سے تین آدمیوں کو بلا لاؤ۔ وہ بلا کر لے آئے اور ان کے کھانے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا اب ساٹھ آدمیوں کو بلا کر لاؤ اور ان کے فارغ ہونے کے بعد اوروں کو بلایا۔ غرض ایک سو اسی (۱۸۰) نفر کو یہ کھانا کافی ہو گیا۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس کہیں سے ایک پیالہ میں گوشت آیا اور صبح سے لے کر رات تک مجمع آتا رہا اور اس میں سے کھاتا رہا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک تھیلی میں چند کھجوریں دس دانوں سے کچھ زیادہ تھیں۔ حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ چند کھجوریں اس تھیلی میں ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس تھیلی میں سے تھوڑی سی نکالیں اور ان کو پھیلایا اور دعا پڑھی اور فرمایا کہ دس دس نفر کو بلاتے رہو اور کھلاتے رہو۔ اس طرح پورے لشکر کو کافی ہو گئیں اور جو بچیں وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو واپس کر دی گئیں اور ارشاد فرمایا کہ اس تھیلی میں سے نکال کر کھاتے رہنا اس کو الٹ کر خالی نہ کرنا چنانچہ یہ اس میں سے نکال نکال کر کھاتے رہتے تھے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں نکال کر کھائیں اور متفرق اوقات میں اس میں سے نکال کر صدقہ بھی کرتا رہتا تھا جس کی مقدار کئی من ہو گئی ہو گی لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے حادثہ کے وقت وہ کسی نے مجھ سے زبردستی چھین لی اور مجھ سے جاتی رہی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ایک ولیمہ میں میری والدہ نے ملیدہ تیار کیا اور ایک پیالہ میں میرے ہاتھ حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس پیالہ کو رکھ دو اور فلاں فلاں شخص کو بلا لاؤ اور جو تمہیں ملے اس کو بھی بلانا میں ان لوگوں کو بلا کر لایا اور جو ملتا رہا اس کو بھی بھیجتا رہا۔ حتیٰ کہ تمام مکان اور اہل صفہ کے رہنے کی جگہ سب آدمیوں سے پر ہو گئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دس دس آدمی حلقہ بنا کر بیٹھتے رہیں اور کھاتے رہیں۔ جب سب شکم سیر ہو گئے تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اس پیالہ کو اٹھا لو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں کہہ سکتا

کہ وہ پیالہ ابتداء میں زیادہ بھرا ہوا تھا یا جس وقت میں نے اس کو اٹھایا اس وقت زیادہ پر تھا۔

غرض اس قسم کے بہت سے واقعات حضور ﷺ کے ساتھ پیش آئے ہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعات بڑے بڑے مجمعوں میں پیش آئے ہیں ایسے واقعات کو خلاف واقعہ نقل کرنا بہت زیادہ دشوار ہے اور جو لوگ ان واقعات میں شریک تھے وہ خلاف واقعہ نقل پر سکوت نہیں کر سکتے تھے۔ حدیث بالا میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے اس کہنے پر کہ بکری کے دو ہی بونگیں ہوتی ہیں آئندہ کا سلسلہ بند ہو جانا ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس بناء پر ہے کہ معجزات کرامات اور اس قسم کے خوارق کا پیش آنا فنائے تامہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس جواب کی وجہ سے حضور ﷺ کی وہ توجہ تام جو پہلے سے تھی باقی نہ رہی اور توجہ کے انقطاع کی وجہ سے یہ چیزیں منقطع ہو گئیں۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حقیقت میں ایک انعام الٰہی تھا اگر یہ انقیاد تام کے ساتھ حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کرتے رہتے تو وہ باقی رہتا لیکن ان کی طرف سے اعتراض کی صورت پیدا ہوئی جو موقع کے مناسب نہ تھی اس لیے وہ اکرام تام بھی منقطع ہو گیا۔

**(۱۹) حدثنا الحسن بن محمد الزعفرانی حدثنا یحیی بن عباد عن فلیج بن سلیمان قال حدثنی رجل من عباد یقال له عبدالوهاب بن یحیی بن عباد عن عبدالله بن الزبیر عن عائشةؓ قالت مَا کَانَ الذِّرَاعُ اَحَبَّ اللَّحْمِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لٰکِنَّهٗ کَانَ لَا یَجِدُ اللَّحْمَ اِلَّا غِبًّا وَکَانَ یَعْجَلُ اِلَیْهَا لِاَنَّهَا اَعْجَلُهَا نُضْجًا**

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بونگ کا گوشت کچھ لذت کی وجہ سے حضور ﷺ کو زیادہ پسند نہ تھا بلکہ گوشت چونکہ گاہے گاہے پکتا تھا اور یہ جلدی گل جاتا ہے اس لیے حضور ﷺ اس کو پسند فرماتے تھے تاکہ جلدی سے فارغ ہو کر اپنے مشاغل عالیہ میں مصروف ہوں۔"

ف: حضور ﷺ کا دست کو پسند فرمانا روایات متعددہ سے معلوم ہوتا ہے لیکن وجوہ رغبت ممکن ہے کہ کئی ہوں منجملہ ان کے یہ بھی ہو جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تجویز فرمائی۔ اور جس رغبت کی نفی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں وہ رغبت بظاہر میلان خاطر اور اشتہا کا درجہ ہے جو حضور ﷺ کی شان کے مناسب نہیں ورنہ صرف پسندیدگی کا بظاہر انکار نہیں ہے۔

**(۲۰) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابو احمد حدثنا مسعر قال سمعت شیخا من فهم قال سمعت عبدالله ابن جعفرؓ یقول سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی**

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَطْيَبَ لَحْمُ الظَّهْرِ

''عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پیٹھ کا گوشت بہترین گوشت ہے۔''

ف: یہ روایت ان روایات کے خلاف نہیں ہے جو دست کی پسندیدگی کے بارے میں گزری ہیں اس لیے کہ پسندیدگی اور عمدگی مختلف وجوہ سے دونوں میں ہوسکتی ہے۔ مثلاً قوت کے لحاظ سے یا ریشہ نہ ہونے یا چکنا ہونے کی وجہ سے وغیرہ وغیرہ۔ غرض مختلف لحاظ سے دو چیزیں پسندیدہ اور عمدہ ہوسکتی ہیں۔

(۲۱) حدثنا سفیان بن وکیع حدثنا زید بن الحباب عن عبداللہ بن المؤمل عن ابن ابی ملیکة عن عائشةؓ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔''

ف: یہ مضمون شروع باب میں متعدد روایات میں گزر چکا ہے۔

(۲۲) حدثنا ابو کریب حدثنا ابوبکر بن عیاش عن ثابت ابی حمزة الثمالی عن الشعبی عن ام ھانیؒ قَالَتْ دَخَلَ عَلَی النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اَعِنْدَكِ شَیْءٌ فَقُلْتُ لَا اِلَّا خُبْزٌ يَابِسٌ وَخَلٌّ فَقَالَ هَاتِیْ مَا اَقْفَرَ بَیْتٌ مِنْ اُدْمٍ فِیْهِ خَلٌّ

''حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد بہن) فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (فتح مکہ میں) میرے پاس تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ میں نے عرض کیا کہ سوکھی روٹی اور سرکہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لے آ وہ گھر سالن سے خالی نہیں جس میں سرکہ ہو۔''

ف: یہ قصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں جس کو بیہقی نے تخریج کیا ہے زیادہ مفصل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو بھی رکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سوکھی روٹی ہے جس کو پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے' آپ نے فرمایا کہ نہیں لے آؤ۔ وہ لے آئیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ٹکڑے کیے اور پانی میں بھگو کر نمک ملایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کچھ سالن بھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ سرکہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ آپ نے منگایا اور اس پر ڈال کر نوش فرمایا اور اللہ کا

شکر ادا کیا اور فرمایا کہ ام ہانی! جس گھر میں سرکہ موجود ہو وہ گھر سالن سے خالی نہیں۔ اللہ اکبر کیا سادہ زندگی تھی حضور ﷺ کی۔ کاش حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف اور اپنے نبی اکرم ﷺ کے طفیل سے ہم لوگوں کو بھی اس سادگی کا اتباع نصیب فرماتا۔ حق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی نگاہ میں کھانا پینا صرف اضطرار اور مجبوری ہی کا درجہ رکھتا تھا۔ ضرورت کے وقت جو میسر ہوا جیسا موجود ہوا نوش فرمالیا کہ کھانا زندگی کی ضرورت سے تھا نہ یہ کہ ہم لوگوں کی طرح سے زندگی کھانے پینے کی ضرورت ہے' جس میں اصل مقصد پیٹ کا پالنا بن جائے اور دینی مشاغل مدزائد میں شمار ہو جائیں۔ وہاں مقصد زندگی دین کی اشاعت اور اس کو سرسبز کرنا تھا اور یہ ضروریات بشریہ مجبوری کے درجہ میں پوری کر لی جاتی تھیں۔ نیز حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جہاں بے تکلفی ہو' تعلقات وسیع ہوں' سوال میں بھی مضائقہ نہیں ہے۔

**(۲۳) حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن عمرو بن مرة عن مرة الهمدانی عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ قال فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ**

''ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔''

ف: اس حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر بھی ثابت ہوتی ہے اور ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر بھی نکلتی ہے۔ ثرید شوربے میں بھگوئے ہوئے ٹکڑوں کو کہتے ہیں جن میں علاوہ لذت وقوت کے سہولت وسرعت ہضم' جلدی تیار ہو جانا وغیرہ وغیرہ منافع ہیں۔ عرب میں اس کا دستور تھا اور سب کھانوں میں افضل شمار ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں بہت سی روایات آئی ہیں۔ اس روایت میں علماء کا اختلاف ہے عورتوں سے مراد سب عورتیں ہیں یا کچھ مستثنیٰ ہیں اسی بناء پر اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر بھی ہے یا نہیں کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضیلت بتائی ہے اور کوئی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضیلت کا قائل ہے کوئی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی افضیلت عن الکل کی طرف مائل ہے۔ لیکن بندہ کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کسی خاص فضیلت کے لحاظ سے سب سے افضل ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فقاہت اور محبوبیت کے ساتھ اس امر میں بھی بڑھی ہوئی ہیں کہ وحی ان کے لباس میں نازل ہو جاتی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی بیوی پہلی مومنہ وغیرہ وغیرہ بہت سے امور کی بناء پر افضل ہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کا جگر گوشہ اور جنت کی سردار وغیرہ وغیرہ امور کے باعث سب سے افضل ہیں۔

(۲۴) حدثنا علی بن حجر حدثنا اسمٰعیل بن جعفر حدثنا عبداللہ بن عبدالرحمن بن معمر الانصاری ابو طوالۃ انہ سمع انس بن مالکؓ یقول قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَضْلُ عَائِشَۃَ عَلَی النِّسَاءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَائِرِ الطَّعَامِ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت ہے تمام کھانوں پر۔''

ف: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ان روایات کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ حضور ﷺ کو ثرید پسند تھا چنانچہ مختلف روایات سے اس کے نوش فرمانے کا معمول معلوم ہوتا ہے۔

(۲۵) حدثنا قتیبۃ بن سعید حدثنا عبدالعزیز بن محمد عن سهیل ابن ابی صالح عن ابیہ عن ابی هریرۃؓ اَنَّہٗ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ مِنْ ثَوْرِ اَقِطٍ ثُمَّ رَاٰہُ اَکَلَ مِنْ کَتِفِ شَاۃٍ ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّاْ

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک مرتبہ پنیر کا ٹکڑا نوش فرما کر وضو فرماتے دیکھا اور پھر ایک دفعہ دیکھا کہ بکری کا شانہ نوش فرمایا اور وضو نہیں فرمایا۔''

ف: ابتدائے اسلام میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے پنیر کے ٹکڑے سے جس زمانہ میں وضو فرمایا ہو وہ زمانہ آگ سے پکی ہوئی چیزوں سے وضو ٹوٹ جانے کا زمانہ ہو یا کسی اور وجہ سے وضو فرمایا ہو۔ مثلاً وضو بر وضو کا ارادہ فرمایا ہو یا پہلا وضو کسی اور وجہ سے جاتا رہا ہو۔ لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طرز بیان سے یہی مقصد معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں حضور ﷺ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو کرتے تھے اسی لیے پنیر کے نوش فرمانے سے حضور اقدس ﷺ نے وضو کیا بعد میں یہ حکم باقی نہیں رہا اسی لیے بکری کا گوشت نوش فرما کر وضو نہیں کیا۔

(۲۶) حدثنا ابن ابی عمر حدثنا سفیان بن عیینۃ عن وائل بن داؤد عن ابنہ وھو بکر بن وائل عن الزھری عن انس بن مَالِکٍؓ قَالَ اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی صَفِیَّۃَ بِتَمْرٍ وَسَوِیْقٍ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کھجور اور ستو سے فرمایا تھا۔''

ف: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت ہارون علی نبینا وعلیہ والصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے ہیں۔ محرم ۷ ہجری میں جنگ خیبر میں باندی بن کر آئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرما کر نکاح کر لیا اور سفر ہی میں ان کا ولیمہ ہوا۔ ولیمہ میں کیا چیز تھی؟ اس میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں۔ بعض میں حیس جو ایک قسم کا حلوا ہے اس کا ولیمہ وارد ہوا ہے۔ بعض میں پنیر بھی آیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ چونکہ سفر کا موقعہ تھا اس لیے ناشتہ وغیرہ میں جو کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اور خاص مخلصین کے پاس موجود تھا سب ولیمہ میں شریک کر دیا۔

(۲۷) حدثنا الحسين بن محمد البصری حدثنا الفضيل بن سليمان حدثنی فائد مولی عبیدالله بن علی ابن ابی رافعؓ مولی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال حدثنا عبیدالله بن علی عن جدته سلمی اَنَّ الْحَسَنَ ابْنَ عَلِيٍّ وَابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ جَعْفَرٍ رضی اللہ عنہم اَتَوْهَا فَقَالُوْا لَهَا اصْنَعِیْ لَنَا طَعَامًا مِمَّا کَانَ یُعْجِبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُحْسِنُ اَكْلَهٗ فَقَالَتْ يَا بُنَيَّ لَا تَشْتَهِيْهِ الْيَوْمَ قَالَ بَلٰى اِصْنَعِيْهِ لَنَا قَالَ فَقَامَتْ فَاَخَذَتْ شَيْئًا مِّنَ الشَّعِيْرِ فَطَحَنَتْهُ ثُمَّ جَعَلَتْهُ فِىْ قِدْرٍ وَصَبَّتْ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْ زَيْتٍ وَدَقَّتِ الْفُلْفُلَ وَالتَّوَابِلَ فَقَرَّبَتْهُ اِلَيْهِمْ فَقَالَتْ هٰذَا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُحْسِنُ اَكْلَهٗ

''سلمی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ امام حسن اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم ان کے پاس تشریف لے گئے اور یہ فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کھانا پسند تھا اور اس کو رغبت سے نوش فرماتے تھے وہ ہمیں پکا کر کھلاؤ۔ سلمی رضی اللہ عنہا نے کہا پیارے بچو! اب وہ کھانا پسند نہیں آئے گا۔ (وہ تنگی ہی میں پسند ہوتا ہے) انہوں نے فرمایا کہ نہیں ضرور پسند آئے گا وہ اٹھیں اور تھوڑے جو لے کر اسے پیسا اور ہانڈی میں ڈالے اور اس پر ذرا سا زیتون کا تیل ڈالا اور کچھ مرچیں اور زیرہ وغیرہ مسالا پیس کر ڈالا اور پکا کر رکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند تھا۔''

(۲۸) حدثنا محمود بن غيلان حدثنا ابو احمد حدثنا سفيان عن الاسود ابن قيس عن نبيح العنزی عن جابر بن عبداللهؓ قَالَ اَتَانَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَنْزِلِنَا فَذَبَحْنَا لَهٗ شَاةً فَقَالَ كَاَنَّهُمْ عَلِمُوْا اَنَّا نُحِبُّ اللَّحْمَ وَفِی

اَلْحَدِيْثِ قِصَّةٌ

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بکری ذبح کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (دلداری کے لیے اظہار مسرت کے طرز پر) فرمایا کہ بظاہر ان لوگوں کو یہ علم ہے کہ ہمیں گوشت مرغوب ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اور بھی قصہ ہے جس کو مختصر کر دیا گیا۔''

ف: کہتے ہیں کہ یہ وہ قصہ ہے جو کتب حدیث میں غزوۂ خندق کے قصہ میں مذکور ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ کا بھی ذکر ہے۔ وہ یہ کہ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بھوک کا اثر محسوس کیا۔ گھر میں جا کر پوچھا کہ کچھ کھانے کو بھی ہے؟ معلوم ہوا کہ ایک بکری کا بچہ ہے اور تھیلی میں تھوڑے سے جو ہیں۔ میں نے بکری کے بچہ کو ذبح کیا اور بیوی نے جو پیس کر آٹا گوندھا۔ گوشت دیگچی میں پکنے کے لیے رکھ کر میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چپکے سے عرض کیا کہ تھوڑا سا کھانا موجود ہے آپ اور چند رفقاء آپ کے ساتھ تشریف لے چلیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تمام اہل خندق میں جو تقریباً ایک ہزار آدمی تھے اعلان فرما دیا کہ جابر رضی اللہ عنہ کے یہاں دعوت ہے سب چلیں اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جتنے میں میں نہ آؤں دیگچی کو چولہے سے نہ اتارنا اور نہ روٹی پکانا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو آئے اور دیگچی پر دم کیا جس کی وجہ سے اس قدر برکت ہوئی کہ اس دیگچی میں سے برابر سالن نکلتا رہا اور آٹے سے برابر روٹیاں پکتی رہیں خدا کی قسم ایک ہزار آدمی کھا کر چلے گئے اور دیگچی میں سالن جوش مارتا رہا اور اس آٹے سے برابر روٹیاں پکتی رہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۲۹) حدثنا ابن ابی عمرؒ حدثنا سفیان حدثنا عبداللہ بن محمد بن عقیل سمع جابرا قال سفیان وحدثنا محمد بن المنکدر عن جابر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَنَا مَعَهٗ فَدَخَلَ عَلَى امْرَأَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَذَبَحَتْ لَهٗ شَاةً فَاَكَلَ مِنْهَا وَاَتَتْهُ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ تَوَضَّأَ لِلظُّهْرِ وَصَلّٰى ثُمَّ انْصَرَفَ فَاَتَتْهُ بِعُلَالَةٍ مِنْ عُلَالَةِ الشَّاةِ فَاَكَلَ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک انصاری عورت کے مکان پر تشریف لے گئے میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بکری ذبح کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا' اس کے بعد کھجور کی چنگیری

میں کچھ تازہ کھجوریں لائیں حضور ﷺ نے اس میں سے بھی کچھ تناول فرمایا پھر ظہر کی نماز کے لیے حضور ﷺ نے وضو کر کے نماز ادا کی' پھر واپس تشریف لانے پر انہوں نے بچا ہوا گوشت سامنے رکھا۔ حضور ﷺ نے اس کو تناول فرمایا اور عصر کی نماز کے لیے دوبارہ وضو نہیں کیا اسی پہلے وضو سے نماز ادا فرمائی۔''

ف: اس حدیث سے بھی آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو نہ ٹوٹنے پر استدلال کیا جاتا ہے نیز دن میں دو مرتبہ کھانے کا اثبات بھی اس حدیث سے کیا جاتا ہے لہٰذا جن احادیث میں دو مرتبہ کا انکار گزرا ہے وہ کہنے والے کے اپنے علم کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ ان میں دو مرتبہ پیٹ بھرنے کا انکار تھا دو مرتبہ کھانے کا انکار نہ تھا کہ تھوڑا سا دوبارہ کھا لیا گیا۔

(۳۰) حدثنا العباس بن محمد الدوری حدثنا یونس بن محمد حدثنا فلیح بن سلیمان عن عثمان بن عبدالرحمن عن یعقوب بن ابی یعقوب عن ام المنذرؓ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عَلِيٌّ وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٌ قَالَتْ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ وَعَلِيٌّ مَعَهُ يَأْكُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ مَهْ يَا عَلِيُّ فَإِنَّكَ نَاقِةٌ قَالَتْ فَجَلَسَ عَلِيٌّ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَشَعِيْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَاعَلِيُّ مِنْ هٰذَا فَأَصِبْ فَإِنَّهُ أَوْفَقُ لَكَ

''ام منذر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ میرے یہاں تشریف لائے۔ ہمارے یہاں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے۔ حضور اقدس ﷺ ان میں سے تناول فرمانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کے ساتھ تھے وہ بھی نوش فرمانے لگے' حضور ﷺ نے ان کو روک دیا کہ تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو' تم مت کھاؤ۔ وہ رک گئے اور حضور ﷺ تناول فرماتے رہے۔ ام منذر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پھر میں نے تھوڑے سے جو اور چقندر لے کر پکائے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ کھاؤ یہ تمہارے لیے مناسب ہے۔''

ف: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اسباب کی رعایت توکل کے منافی نہیں۔ چنانچہ احیاء العلوم میں اس کو مفصل لکھا ہے اس کے ترجمہ میں جس کا دل چاہے تفصیلات دیکھ لے۔

(۳۱) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا بشربن السری عن سفیان عن طلحة

بن یحییٰ عن عائشۃ بنت طلحۃ عن عائشۃ ام المومنین رضی اللہ عنہا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْتِیْنِیْ فَیَقُوْلُ اَعِنْدَکِ غَدَاءٌ فَاَقُوْلُ لَا قَالَتْ فَیَقُوْلُ اِنِّیْ صَائِمٌ قَالَتْ فَاَتَانَا یَوْمًا فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّہٗ اُھْدِیَتْ لَنَا ھَدِیَّۃٌ قَالَ وَمَا ھِیَ قُلْتُ حَیْسٌ قَالَ اَمَا اِنِّیْ اَصْبَحْتُ صَائِمًا قَالَتْ ثُمَّ اَکَلَ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاکر دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کچھ کھانے کو رکھا ہے؟ جب معلوم ہوتا کہ کچھ نہیں تو فرماتے کہ میں نے روزہ کا ارادہ کرلیا ہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک ہدیہ آیا رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کھجور کا ملیدہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو روزہ کا ارادہ کر رکھا تھا' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا۔''

ف: اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک تو یہ کہ نفلی روزہ کی نیت صبح کے وقت بھی آدھے دن تک ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ اس سے پہلے کوئی عمل روزہ کے منافی نہ کیا ہو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمانے پر نیت فرمائی۔ یہ مذہب حنفیہ وشافعیہ وغیرہ کا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ نفل روزہ کی نیت رات سے کرنا ضروری ہے۔ اس مسئلہ میں یہ حدیث ہمارے موافق ہے لیکن جب ایک معتبر امام کا خلاف ہے تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ نفلی روزہ کی نیت بھی رات ہی کو کرلی جائے البتہ کوئی عارض پیش آجائے تو دوپہر سے پہلے پہلے دن میں بھی نیت کرنے کا مضائقہ نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی نفل روزہ رکھے تو اس کے توڑ دینے کا اختیار ہے۔ یہ مذہب شافعیہ کا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک قرآن شریف کی آیت ﴿وَلَا تُبْطِلُوْآ اَعْمَالَکُمْ﴾ (اپنے اعمال کو باطل مت کرو) کی بناء پر روزہ نماز کوئی عمل توڑنا جائز نہیں۔ لیکن اس حدیث سے چونکہ روزہ کا توڑنا معلوم ہوتا ہے اس لیے دونوں چیزوں پر عمل اس طرح کیا جائے گا کہ اگر کوئی ضرورت اور مجبوری درپیش ہو تو اس حدیث کی وجہ سے اس میں گنجائش سمجھنی چاہیے اور بلا ضرورت توڑنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے بھی یہی ظاہر ہے۔ بعض علماء نے حدیث کے اس جملہ کا کہ روزہ رکھنے کا ارادہ کر رکھا تھا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ پختہ نیت نہیں فرمائی تھی البتہ ارادہ تھا کہ آج روزہ رکھ لوں گا۔ لیکن بندہ کے نزدیک پہلی توجیہ اچھی ہے۔

**مسئلہ:** اگر کسی ضرورت سے نفل روزہ توڑ دینے کی نوبت آئے تو حنفیہ کے نزدیک کسی دوسرے وقت قضا کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا تھا کہ کسی دوسرے دن قضا کر لیجیو۔

**(۳۲) حدثنا عبدالله بن عبدالرحمن حدثنا عمر بن حفص بن غياث حدثنا ابى عن محمد بن ابى يحيى الاسلمى عن يزيد بن ابى امية الاعور عن يوسف بن عبدالله بن سلام ؓ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ كِسْرَةً مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ فَوَضَعَ عَلَيْهِمَا تَمْرَةً ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ اِدَامُ هٰذِهٖ فَاَكَلَ**

''یوسف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی کا ٹکڑا لے کر اس پر ایک کھجور رکھی اور فرمایا کہ یہ اس کا سالن ہے اور نوش فرمایا۔''

ف: چونکہ کھجور کا سالن کے موقع پر کھانا متعارف نہیں تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرما دی کہ اس سے سالن کا کام بھی لیا جا سکتا ہے اور زندگی کے چند ایام کو اس طرح بھی گزارا جا سکتا ہے۔ اس لیے آدمی کو اپنی زندگی کے اوقات کو ایسے مشاغل میں خرچ کرنا جو ابدی اور سرمدی زندگی میں کارآمد ہوں سمجھ کی بات ہے اور تمام اوقات کو محض پیٹ پالنے میں ضائع کر دینا انتہائی ناسمجھی ہے کہ یہ چند ایام زندگی بہرحال گزر ہی جائیں گے اور موت ہر تکلیف کا خاتمہ ہے لیکن جس تکلیف کے لیے موت بھی نہیں ہے وہ نہایت اہتمام کے قابل ہے۔

**(۳۳) حدثنا عبدالله ابن عبدالرحمن حدثنا سعيد بن سليمان عن عباد بن العوام عن حميد عن انس بن مالك ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ الثُّفْلُ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ يَعْنِيْ مَابَقِيَ مِنَ الطَّعَامِ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہانڈی اور پیالہ کا بچا ہوا کھانا مرغوب تھا۔''

ف: یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال تواضع کی بناء پر تھا کہ اوپر کا کھانا دوسروں کو اول کھلاتے اور مابقی اپنے لیے پسند فرماتے چنانچہ متعدد واقعات حدیث کی کتابوں میں اس کے شاہد ہیں۔ بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ نیچے کے کھانے میں دہنیت کم ہونے کی وجہ سے ہضم میں سہولت ہوتی ہے۔

❀❀❀❀

# باب ما جاء فی صفة وضوءِ رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے کھانے کے وقت وضو کا ذکر

ف: کھانے کے وقت سے مراد عام ہے کہ کھانے کے بعد ہو یا پہلے۔ وضو اصطلاحی تو وہی ہے جو نماز کے لیے شرط ہے اور نماز کے اوقات میں کیا جاتا ہے۔ سب اس کو جانتے ہیں لیکن لغت عرب میں صرف ہاتھ منہ دھونے کو بھی وضو کہا جاتا ہے اور یہ وضو لغوی کے نام سے مشہور ہے اس باب میں دو طرح کی روایات وارد ہوئی ہیں بعض روایات سے وضو کرنا معلوم ہوتا ہے' یہ دوسرا وضو ہے جو وضوءِ لغوی کہلاتا ہے۔ اور بعض روایات سے وضو نہ کرنا معلوم ہوتا ہے یہ پہلا وضو ہے جو وضوء اصطلاحی کہلاتا ہے۔

(۱) حدثنا احمد بن منیع حدثنا اسمٰعیل بن ابراھیم عن ایوب عن ابن ابی ملیکة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلَآءِ فَقُرِّبَ اِلَيْهِ الطَّعَامُ فَقَالُوْا لَا نَأْتِيْكَ بِوُضُوْءٍ قَالَ اِنَّمَا اُمِرْتُ بِالْوُضُوْءِ اِذَا قُمْتُ اِلَى الصَّلٰوةِ

''ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ جب کہ بیت الخلاء سے فراغت پر باہر تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں کھانا حاضر کیا گیا اور وضو کا پانی لانے کے لیے پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے وضو کا اسی وقت حکم ہے جب نماز کا ارادہ کروں۔''

ف: یعنی وضوء اصطلاحی کا وجوب نماز ہی کے لیے ہے کھانے کے لیے یا جب استنجے وغیرہ سے فراغت ہو فوراً وضو کرنا ضروری نہیں ہے حضور ﷺ نے اسی لیے انکار فرمادیا کہ یہ ضروری نہ سمجھ لیا جائے کہ جب استنجے سے فراغت ہو تو وضو کیا جائے۔

(۲) حدثنا سعید بن عبدالرحمن المخزومی حدثنا سفیان بن عیینة عن عمرو بن دینار عن سعید بن الحویرث عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَائِطِ فَاُتِيَ بِطَعَامٍ فَقِيْلَ لَهٗ اَلَا تَتَوَضَّأُ فَقَالَ اُصَلِّيْ فَاَتَوَضَّأُ

''ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ استنجے سے فارغ ہو کر تشریف لائے، حضور ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کیا وضو نہیں فرمائیے گا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا اس وقت مجھے نماز پڑھنی ہے کہ وضو کروں؟''

ف: اس سے پہلی حدیث میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے کہ کھانے کے لیے وضو کرنا مستحب نہیں ہے البتہ ویسے ہی ہر وقت باوضو رہنا اولیٰ اور بہتر ہے کہ ظاہری طہارت کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔ اس لیے اگر استنجے وغیرہ سے فراغت پر وضو کر لیا جائے تو اولیٰ ہے۔

(۳) حدثنا یحیی بن موسٰی حدثنا عبداللہ بن نمیر حدثنا قیس بن الربیع ح وحدثنا قتیبة حدثنا عبدالکریم الجرجانی عن قیس بن الربیع عن ابی ھاشم عن زاذان عن سلمانؓ قال قَرَأْتُ فِی التَّوْرٰةِ اَنَّ بَرَکَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءِ بَعْدَهٗ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَرَأْتُ فِی التَّوْرٰةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَرَکَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءِ قَبْلَهٗ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَهٗ

''سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے سے فراغت کے بعد وضو (یعنی ہاتھ دھونا) برکت کا سبب ہے۔ میں نے حضور اقدس ﷺ سے یہ مضمون عرض کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد وضو (یعنی ہاتھ منہ دھونا) برکت کا سبب ہے۔''

ف: ممکن ہے کہ تورات میں ایک ہی وقت کا ذکر ہو۔ اس صورت میں دوسرے وقت کا اضافہ شریعت محمدیہ کی زیادتی ہوگی کہ اس شریعت میں بہت سے احکام پہلی شریعتوں میں زیادہ ہیں اور ممکن ہے کہ تورات میں بھی دونوں ہوں لیکن چونکہ اس میں تحریف ہوئی ہے اس لیے ایک حکم یعنی کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کا مسئلہ اس میں غلطی سے نکل گیا ہو۔ علماء نے لکھا ہے کہ کھانے سے قبل ہاتھ دھونے میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ کھانے میں زیادتی ہوتی ہے کھانے والوں کا شکم سیر ہو جاتا ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے برکت کا مفہوم یہ ہے کہ جن فوائد اور مقاصد کے لیے کھانا کھایا جاتا ہے وہ پورے ہوتے ہیں بدن کا جز بنتا ہے، نشاط پیدا کرتا ہے، عبادات اور عمدہ اخلاق پر تقویت کا سبب بنتا ہے۔

❀❀❀

# باب ما جاء فی قول رسول الله ﷺ قبل الطعام وبعد ما یفرغ منه

# باب ان کلمات کا ذکر جو حضور اقدس ﷺ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد فرمایا کرتے تھے

ف: یعنی جو دعائیں وغیرہ کھانے سے پہلے یا کھانے کے بعد پڑھنے کا حضور ﷺ کا معمول تھا ان کا ذکر۔ اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے سات حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا ابن لهیعة عن یزید بن ابی حبیب عن راشد بن جندل الیافعی عن حبیب بن اوس عن ابی ایوب الانصاریؓ قال كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقُرِّبَ اِلَيْهِ طَعَامٌ فَلَمْ اَرَ طَعَامًا كَانَ اَعْظَمَ بَرَكَةً مِنْهُ اَوَّلَ مَا اَكَلْنَا وَلَا اَقَلَّ بَرَكَةً فِيْ اٰخِرِهٖ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ هٰذَا قَالَ اِنَّا ذَكَرْنَااسْمَ اللّٰهِ حِيْنَ اَكَلْنَا ثُمَّ قَعَدَ مَنْ اَكَلَ وَلَمْ يُسَمِّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَاَكَلَ مَعَهُ الشَّيْطٰنُ

''ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ کھانا سامنے لایا گیا۔ میں نے آج جیسا کھانا کہ جو ابتداءً یعنی کھانے کے شروع کے وقت نہایت بابرکت معلوم ہوتا ہو اور کھانے کے ختم کے وقت بالکل بے برکت ہو گیا ہو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے حیرت سے حضور ﷺ سے دریافت کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شروع میں ہم لوگوں نے بسم اللہ کے ساتھ کھانا شروع کیا تھا اور اخیر میں فلاں شخص نے بدون بسم اللہ پڑھے کھایا اس کے ساتھ شیطان شریک ہو گیا۔''

ف: شیطان کا کھانا جمہور کے نزدیک حقیقت پر محمول ہے اور اس میں کوئی محال بھی نہیں ہے کہ شیطان کھاتا پیتا ہو۔ اس حدیث میں صرف بسم اللہ کا ذکر ہے اس وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ اگر

فقط اتنا ہی کلمہ یعنی صرف بسم اللہ پڑھے تب بھی کافی ہے لیکن بہتر اور اولیٰ پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ بسم اللہ کو آواز سے پڑھنا اولیٰ ہے تاکہ دوسرے ساتھی کو اگر خیال نہ رہے تو یاد آ جائے۔

(۲) حدثنا یحیی بن موسٰی حدثنا ابوداود حدثنا ھشام الدستوائی عن بدیل العقیلی عن عبداللہ ابن عبید بن عمیر عن ام کلثوم عن عائشة رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ فَنَسِیَ اَنْ یَّذْکُرَ اسْمَ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلٰی طَعَامِهٖ فَلْیَقُلْ بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص کھانا کھائے اور بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے درمیان جس وقت یاد آئے بسم اللہ اولہ واخرہ کہہ لے۔''

(۳) حدثنا عبداللہ بن الصباح الھاشمی البصری حدثنا عبدالاعلی عن معمر عن ھشام بن عروة عن ابیه عن عمر بن ابی سلمة اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهٗ طَعَامٌ فَقَالَ اُدْنُ یَابُنَیَّ فَسَمِّ اللّٰہَ تَعَالٰی وَکُلْ بِیَمِیْنِکَ مِمَّا یَلِیْکَ

''عمر بن ابی سلمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا بیٹا قریب ہو جاؤ اور بسم اللہ کہہ کر دائیں ہاتھ سے اپنے قریب سے کھانا شروع کرو۔''

ف: بسم اللہ کہنا بالاتفاق سنت ہے اور دائیں ہاتھ سے کھانا جمہور کے نزدیک سنت ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے اس لیے کہ ایک بائیں ہاتھ سے کھانے والے شخص پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی تھی تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ جس کا عبرت انگیز واقعہ حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہہ دیا کہ میں داہنے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ آئندہ بھی نہ کھا سکیو۔ اس کے بعد سے دایاں ہاتھ منہ تک نہیں جا سکتا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ایک عورت کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تھا تو اس پر بددعا فرمائی اور وہ عورت طاعون میں مری۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا ہے اس لیے تم بائیں ہاتھ سے مت

کھاؤ۔ بعض علماء کے نزدیک ان روایات کی بناء پر دائیں ہاتھ سے کھانا واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک گو یہ سنت ہے لیکن ان روایات کی وجہ سے اہتمام ضروری ہے۔ آج کل لوگ اس سے غافل ہیں بالخصوص پانی پینے میں تو بائیں ہاتھ سے پانی پینے کی عام وبا پھیل گئی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا حکم ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور دائیں ہاتھ سے پیو اس لیے کہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا اور پیتا ہے۔ اسی طرح تیسرا مضمون یعنی اپنی جانب سے کھانا بھی بعض علماء کے نزدیک ان روایات کی وجہ سے واجب ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک سنت ہے۔

**(۴) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابواحمد الزبیریؒ حدثنا سفیان الثوری عن ابی ھاشم عن اسمٰعیل بن رباح عن رباح بن عبیدۃ عن ابی سعید الخدریؓ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِہٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ**

"ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔ **الحمدللّٰہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین** تمام تعریف اس ذات پاک کے لیے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔"

**ف:** کھانے پر حمد تو ظاہر ہے کہ کھانے سے فراغت ہوئی اور آیت (اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں عطا میں زیادتی کروں گا) کی بنا پر شکر کا موقعہ ہے ہی۔ مسلمان ہونے کو اس کے ساتھ اس لیے منضم فرمایا کہ انعامات ظاہریہ کے ساتھ انعامات باطنیہ بھی شامل رہیں یا اس لیے کہ درحقیقت کھانے پینے پر شکر اور حق تعالیٰ شانہ کی حمد اسلام ہی کا ثمرہ ہے اس لیے اس کو بھی شامل کیا۔

**(۵) حدثنا محمد بن بشار حدثنا یحیی بن سعید حدثنا خالد بن معدان عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رُفِعَتِ الْمَائِدَۃُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ یَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ غَیْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ رَبَّنَا**

"ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے سے جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو آپ یہ دعا پڑھتے (تمام تعریف حق تعالیٰ شانہ کے لیے مخصوص ہے ایسی تعریف جس کی کوئی انتہا نہیں ہے ایسی تعریف جو پاک ہے ریا وغیرہ اوصاف رذیلہ سے جو مبارک ہے ایسی حمد جو نہ چھوڑی جا سکتی ہے اور نہ اس سے استغناء کیا جا سکتا ہے اے اللہ! (ہمارے شکر کو قبول

فرما)''

(۶) حدثنا ابوبکر محمد بن ابان حدثنا وکیع عن هشام الدستوائی عن بدیل بن میسرة العقیلی عن عبدالله بن عبید بن عمیر عن ام کلثوم عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْکُلُ الطَّعَامَ فِیْ سِتَّةٍ مِنْ اَصْحَابِہٖ فَجَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَاَکَلَہٗ بِلُقْمَتَیْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ سَمّٰی لَکَفَاکُمْ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چھ آدمیوں کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک بدوی آیا اور اس نے دو لقموں میں سب کو نمٹا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ بسم اللہ پڑھ کر کھاتا تو یہ کھانا سب کو کافی ہو جاتا۔''

ف: یعنی اس کے بسم اللہ نہ پڑھنے سے شیطان کی شرکت ہوئی اور وہ سب کو نمٹا گیا جس سے بے برکتی ہوگئی۔

(۷) حدثنا هناد و محمود بن غیلان قالا حدثنا ابو اسامة عن زکریا بن ابی زائدة عن سعید بن ابی بردة عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَیَرْضٰی عَنِ الْعَبْدِ اَنْ یَّاْکُلَ الْاَکْلَةَ وَیَشْرَبُ الشَّرْبَةَ فَیَحْمَدَہٗ عَلَیْھَا

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ حق تعالیٰ جل جلالہ عم نوالہ بندہ کی اس بات پر بہت ہی رضامندی ظاہر فرماتے ہیں کہ ایک لقمہ کھانے کھائے یا ایک گھونٹ پانی پیوے حق تعالیٰ شانہ کا اس پر شکر ادا کرے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ

❀❀❀

# باب ما جاء فی قدح رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

## باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالہ کا ذکر

ف: پیالہ سے مراد جیسا کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے وہ پیالہ ہے جس سے پانی نوش فرماتے تھے۔

(۱) حدثنا الحسین بن الاسود البغدادی حدثنا عمرو بن محمد حدثنا عیسی بن طھمان عن ثابت قَالَ اَخْرَجَ اِلَیْنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍؓ قَدَحَ خَشَبٍ غَلِیْظًا مُضَبَّبًا بِحَدِیْدٍ فَقَالَ یَا ثَابِتُ ھٰذَا قَدَحُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

''ثابتؒ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہم کو ایک لکڑی کا موٹا پیالہ جس میں لوہے کے پترے لگ رہے تھے' نکال کر دکھلایا اور فرمایا کہ اے ثابتؒ! یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ہے۔''

ف: کہتے ہیں کہ حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کی میراث سے یہ پیالہ آٹھ لاکھ درہم میں فروخت ہوا تھا۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بصرہ میں اس پیالہ سے پانی پیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اور پیالہ تھا۔

(۲) حدثنا عبداللہ بن عبدالرحمن حدثنا عمرو بن عاصم حدثنا حماد بن سلمة حدثنا حمید وثابت عن انسؓ قال لَقَدْ سَقَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِھٰذَا الْقَدَحِ الشَّرَابَ کُلَّہُ الْمَاءَ وَالنَّبِیْذَ وَالْعَسَلَ وَاللَّبَنَ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیالہ سے پینے کی سب انواع پانی' نبیذ' شہد' دودھ' سب چیزیں پلائی ہیں۔''

ف: نبیذ یہ کہلاتی ہے کہ کھجور' کشمش وغیرہ پانی میں بھگو دی جائے اور جب اس کا اثر اچھی طرح آ جائے تو وہ پانی نبیذ کہلاتا ہے۔ مقوی اور مفرح ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شب کو کھجوریں وغیرہ بھگو دی جاتی تھیں اور صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوش فرما لیتے اور کبھی دوسرے دن تک بھی جب تک کہ اس میں سکر (نشہ) کا اندیشہ نہ ہوتا تھا' کام میں لایا جاتا تھا۔

# باب ما جاء فی صفة فاکھة رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے پھلوں کا ذکر

ف: یعنی حضور اقدس ﷺ نے کیا کیا پھل تناول فرمائے ہیں؟ اس باب میں پانچ حدیثیں ذکر کی گئیں۔

(۱) حدثنا اسمٰعیل بن موسی الفرازی حدثنا ابراهیم بن سعد عن ابیه عن عبدالله بن جعفر قال كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الْقِثَّاءَ بِالرُّطَبِ

''عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ککڑی کو تازہ کھجور کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔''

ف: ککڑی چونکہ ٹھنڈی ہوتی ہے اور کھجور گرم۔ اس طرح سے دونوں کی اصلاح ہو کر اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے میں ان کے مزاج کی رعایت رکھنا مناسب ہے نیز ککڑی پھیکی ہوتی ہے اور کھجور میٹھی جس کی وجہ سے ککڑی میں بھی مٹھاس آ جاتی ہے۔

(۲) حدثنا عبدة بن عبدالله الخزاعی البصری حدثنا معاوية بن هشام عن سفيان عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الْبِطِّيْخَ بِالرُّطَبِ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تربوز کو تازہ کھجوروں کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔''

ف: ترمذی وغیرہ کی روایت میں اس قصہ میں تصریح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس کی ٹھنڈک اس کی گرمی کو اور اس کی گرمی اس کی ٹھنڈک کو زائل کر دے گی۔

(۳) حدثنا ابراهیم بن یعقوب حدثنا وهب بن جریر حدثنا ابی قال سمعت حميدا يقول او قال حدثنی حميد قال وهب وكان صديقا له عن انس بن مالكؓ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْخِرْبِزِ والرُّطَبِ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو خربوزہ اور کھجور اکٹھے کھاتے ہوئے دیکھا۔''

ف: بعض علماء نے اس جگہ بھی بجائے خربوزہ کے تربوز کا ترجمہ کیا ہے۔ اور منشاء پہلی روایت کی

بناء پر اس کا ٹھنڈا ہونا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں خربوزہ متعارف ہی مراد ہے اور کھجور سے کھانے کی وجہ بظاہر اس کا پھیکا پن ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی مصلحت سب جگہ جاری کی جائے۔ ممکن ہے کہ کسی جگہ کوئی اور مصلحت ہو۔ اس لیے بندۂ ناچیز کے نزدیک تربوز کو کھجور سے کھانے کا قصہ مستقل ہے اور اس کی مصلحت دونوں کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنا ہے کہ تربوز ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اور خربوزہ کو کھجور سے کھانے کا قصہ مستقل ہے۔ اور اس کی مصلحت خربوزہ کا پھیکا ہونا ہے کہ بسا اوقات اس کے پھیکے ہونے کی وجہ سے اس میں شکر ڈال کر اس کو کھایا جاتا ہے۔ اس لیے دونوں حدیثوں کو ایک پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴) حدثنا محمد بن یحییٰ حدثنا محمد بن عبدالعزیز الرملی حدثنا عبداللہ بن یزید بن الصلت عنّ محمدّ بن اسحق عن یزید بن رومان عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکَلَ الْبِطِّیْخَ بِالرُّطَبِ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کو تر کھجوروں کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔''

(۵) حدثنا قتیبۃ بن سعید حدثنا مالک بن انس وحدثنا اسحٰق بن موسٰی حدثنا معن حدثنا مالک عن سھل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرۃؓ قَالَ کَانَ النَّاسُ اِذَا رَأَوْ اَوَّلَ التَّمَرِ جَاؤُا بِہٖ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَخَذَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ ثِمَارِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَفِیْ مُدِّنَا اَللّٰھُمَّ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ عَبْدُکَ وَخَلِیْلُکَ وَنَبِیُّکَ وَاِنِّیْ عَبْدُکَ وَنَبِیُّکَ وَاِنَّہٗ دَعَاکَ لِمَکَّۃَ وَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ لِلْمَدِیْنَۃِ بِمِثْلِ مَا دَعَاکَ بِہٖ لِمَکَّۃَ وَمِثْلِہٖ مَعَہٗ قَالَ ثُمَّ یَدْعُوْ اَصْغَرَ وَلِیْدٍ یَرَاہُ فَیُعْطِیْہِ ذٰلِکَ الثَّمَرَ

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ جب کسی نئے پھل کو دیکھتے تو اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر پیش کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے۔ اللھم بارک لنا فی ثمارنا وبارک لنا فی مدینتنا وبارک لنا فی صاعنا وفی مدنا اللھم ان ابراھیم عبدک وخلیلک ونبیک وانا عبدک ونبیک وانہ دعاک لمکۃ وانی ادعوک للمدینۃ بمثل ما دعاک بہ لمکۃ ومثلہ معہ اس کے بعد جس چھوٹے بچہ کو

دیکھتے اس کو مرحمت فرما دیتے۔ (ترجمہ دعا) اے اللہ تعالیٰ! ہمارے پھلوں میں برکت فرما۔ اور ہمارے شہر میں برکت فرما۔ اور ہماری اس چیز سے جو صاع اور مد سے ناپی جاتی ہو (یہ دو پیمانے ہیں مدینہ منورہ میں کھجوریں وغیرہ سب چیزیں ان سے ناپ کر فروخت کی جاتی تھیں) اس میں برکت فرما۔ اے اللہ تعالیٰ! واقعی حضرت ابراہیمؑ تیرے بندے اور تیرے دوست اور تیرے نبی تھے۔ اور بے شک میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ (چونکہ موقع تواضع کا تھا۔ اس لیے اپنے حبیب ہونے کا ذکر اس جگہ نہیں فرمایا) انہوں نے (جن چیزوں کی) دعا (اپنے آباد کردہ) شہر مکہ مکرمہ کے لیے کی ہے (جس کا بیان آیت (فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ) میں ہے کہ لوگوں کے قلوب مکہ کی طرف مائل فرما دے۔ اور پھلوں کی روزی ان لوگوں کو میسر فرما) وہی دعا اس سے دو چند مقدار میں مدینہ منورہ کے لیے کرتا ہوں۔"

**(۶) حدثنا محمد بن حمید الرازی حدثنا ابراهیم بن المختار عن محمد بن اسحٰق عن ابی عبیدة بن محمد بن عمار بن یاسر عن الربیع بنت معوذ بن عفراءؓ قَالَتْ بَعَثَنِیْ مُعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَعَلَیْهِ اَجْرٌ مِنْ قِثَّاءٍ زُغْبٍ وَكَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ الْقِثَّاءَ فَاَتَیْتُهٗ بِهٖ وَعِنْدَهٗ حِلْیَةٌ قَدْ قَدِمَتْ عَلَیْهِ مِنَ الْبَحْرَیْنِ فَمَلَاَ یَدَهٗ مِنْهَا فَاَعْطَانِیْهِ**

"ربیع رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے میرے چچا معاذ بن عفراؓ نے تازہ کھجوروں کا ایک طبق جن پر چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیاں بھی تھیں دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ککڑی مرغوب تھی میں جس وقت ککڑیاں لے کر حاضر خدمت ہوئی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین کے کچھ زیورات آئے ہوئے رکھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک ہاتھ بھر کر مجھے مرحمت فرمایا۔"

ف: ککڑی کھجور کے ساتھ علاوہ مذکورہ فوائد کے بدن کو فربہ بھی کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری رخصتی کے وقت میری والدہ کو خیال ہوا کہ اس کا بدن کچھ فربہ ہو جائے تا کہ اٹھان کچھ اچھی ہو جائے۔ تو مجھے ککڑی تازہ کھجور کے ساتھ کھلائی۔ جس سے میرے بدن میں اچھی فربہی آ گئی۔ ایک ضعیف حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی نمک سے نوش فرمایا کرتے تھے۔ اس میں کوئی مانع نہیں کہ کبھی نمک سے تناول فرماتے ہوں

کبھی کھجور کے ساتھ کہ رغبت کسی وقت میٹھے کی ہوتی ہے کسی وقت نمکین کی۔

**(۷) حدثنا علی بن حجر انبانا شریك عن عبدالله بن محمد بن عقیل عن الربیع بنت معوذ بن عفراءؓ قالت اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَاَجْرٍ زُغْبٍ فَاَعْطَانِیْ مِلْأَ کَفِّہٖ حُلِیًّا اَوْ قَالَتْ ذَھَبًا**

''ربیعؓ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک طبق کھجوروں اور چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیاں لے کر گئی تو حضور ﷺ نے مجھ کو ایک ہاتھ بھر کر سونا یا زیور مرحمت فرمایا۔''

ف: یہ وہی پہلا قصہ ہے اس حدیث میں مختصر کر دیا۔ سونے اور زیور میں کسی راوی کو شک ہوا۔

# باب ما جاء فی صفة شراب رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے پینے کی چیزوں کے احوال

ف: اس باب میں مصنفؒ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔

(۱) حدثنا ابن ابی عمر حدثنا سفیان عن معمر عن الزهری عن عروة عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كَانَ اَحَبُّ الشَّرَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُلْوَا الْبَارِدَ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو پینے کی سب چیزوں میں میٹھی اور ٹھنڈی چیز مرغوب تھی۔''

ف: بظاہر تو اس حدیث سے ٹھنڈا اور میٹھا پانی مراد ہے۔ چنانچہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں بالتصریح وارد ہے اور یہ بھی محتمل ہے کہ اس سے شہد کا شربت یا کھجوروں کا نبیذ مراد ہو جیسا کہ پیالہ کے باب میں گزر چکا حضور اقدس ﷺ کے دربار میں کھانے کا اہتمام کچھ ایسا نہ تھا' جو حاضر ہوتا وہی تناول فرما لیتے لیکن میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا خاص اہتمام تھا۔ سقیا جو مدینہ طیبہ سے کئی میل پر ہے وہاں سے میٹھا پانی حضور ﷺ کے لیے لایا جاتا تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کے الفاظ میں یہ بھی نقل فرمایا کہ اے اللہ! اپنی ایسی محبت مجھے عطا فرما جو میرے لیے اپنی جان و مال اور اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی زیادہ ہو۔

(۲) حدثنا احمد بن منیع حدثنا اسمٰعیل بن ابراهیم انبانا علی بن زید عن عمر هو ابن ابی حرملة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ عَلٰی مَيْمُوْنَةَ فَجَاءَتْنَا بِاِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ فَشَرِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عَلٰی يَمِيْنِهٖ وَخَالِدٌ عَلٰی شِمَالِهٖ فَقَالَ لِیَ الشَّرْبَةُ لَكَ فَاِنْ شِئْتَ اٰثَرْتَ بِهَا خَالِدًا فَقُلْتُ مَا كُنْتُ لِاُوْثِرَ عَلٰی سُؤْرِكَ اَحَدًا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ طَعَامًا

فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ وَمَنْ سَقَاهُ اللّٰهُ لَبَنًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَزِدْنَا مِنْهُ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ شَيْءٌ يُجْزِئُ مَكَانَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ غَيْرَ اللَّبَنِ قال ابو عيسٰى هٰكذا روى سفيان ابن عيينة هذا الحديث عن معمر عن الزهرى عن عروة عن عائشة رضی اللہ عنہا ورواه عبدالله بن المبارك وعبد الرزاق وغير واحد عن معمر عن الزهرى عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم مرسلا ولم يذكروا فيه عن عروة عن عائشةؓ وهكذا روى يونس وغير واحد عن الزهرى عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم مرسلا قال ابو عيسٰى وانما اسنده ابن عيينة من بين الناس قال ابو عيسٰى وميمونة بنت الحارث زوج النبى صلی اللہ علیہ وسلم هى خالة خالد بن الوليد وخالة ابن عباس رضی اللہ عنہم وخالة يزيد بن الاصم واختلف الناس فى رواية هذا الحديث عن على بن زيد بن جدعان فروى بعضهم عن على بن زيد عن عمر ابن ابى حرملة وروى شعبة عن على بن زيد فقال عن عمرو بن حرملة والصحيح عمر بن ابى حرملة

''ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اور خالد بن الولیدؓ دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے (ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ان دونوں حضرات کی خالہ تھیں) وہ ایک برتن میں دودھ لے کر آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا۔ میں دائیں جانب تھا اور خالد بن الولیدؓ بائیں جانب' مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اب پینے کا حق تیرا ہے (کہ تو دائیں جانب ہے) اگر تو اپنی خوشی سے چاہے تو خالد کو ترجیح دے دے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے جھوٹے پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب کسی شخص کو حق تعالیٰ شانہ کوئی چیز کھلائیں تو یہ دعا پڑھنی چاہیے اللهم بارك لنا فيه واطعمنا خيرا منه (اے اللہ تو اس میں برکت عطا فرما اور اس میں سے بہتر چیز عطا فرما) اور جب کسی کو حق تعالیٰ شانہ دودھ عطا فرمائیں تو یہ دعا پڑھا چاہیے اللهم بارك لنا فيه وزدنا منه (اے اللہ! اس میں برکت عطا فرما اور زیادتی نصیب فرما) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کھانے کے بعد اس سے بہتر کی دعا اور دودھ کے بعد اس میں زیادتی کی دعا اس لیے تعلیم فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دودھ کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کھانے اور پانی دونوں کا کام دیتی ہو۔''

ف: حضور ﷺ نے دودھ مرحمت فرمانے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حق اس لیے فرمایا کہ وہ دائیں جانب تشریف فرماتھے اور خالدؓ بائیں جانب اور پیالہ کا دور (جیسا کہ متعدد روایات میں آیا) داہنی جانب سے چلنا چاہیے اور خالد کی ترجیح کو اس لیے ارشاد فرمایا کہ وہ عمر میں بڑے تھے نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تعلیم مقصود تھی کہ حق اگرچہ ان کا ہے مگر خود ان کو یہ چاہیے کہ بڑے کی ترجیح کی رعایت کریں لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے حضور ﷺ کے جھوٹے کی اہمیت اور اس کا شغف غالب ہوا جو حضور ﷺ کے ساتھ غایت عشق کا ثمرہ تھا۔

# باب ما جاء فی صفة شُرب رسول اللہ ﷺ

## باب ان احادیث کا ذکر جن میں حضور اقدس ﷺ کے پینے کا طرز وارد ہوا ہے

ف: اس باب میں مصنفؒ نے دس حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا احمد بن منیع حدثنا ھشیم انا عاصم الاحوال ومغیرة عن الشعبی عن ابن عباسؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ شَرِبَ مِنْ زَمْزَمَ وَھُوَ قَائِمٌ

''ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے زمزم کا پانی کھڑے ہونے کی حالت میں نوش فرمایا۔''

ف: حضور اقدس ﷺ سے کھڑے ہوکر پانی پینے کی ممانعت بھی آئی ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث کے ذیل میں اس کا مفصل ذکر آئے گا۔ اس بناء پر بعض علماء نے زمزم پینے کو بھی اس ممانعت میں داخل فرما کر حضور اکرم ﷺ کے اس نوش فرمانے کو ازدہام کے عذر یا بیان جواز پر حمل فرمایا ہے۔ لیکن علماء کا مشہور قول یہ ہے کہ زمزم اس نہی میں داخل نہیں اس کا کھڑے ہوکر پینا افضل ہے۔

(۲) حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا محمد بن جعفر عن حسین المعلم عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَشْرَبُ قَائِمًا وَّقَاعِدًا

''عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو کھڑے اور بیٹھے دونوں طرح پانی پیتے دیکھا۔''

ف: حضور اقدس ﷺ سے کھڑے ہوکر پانی پینے کی ممانعت میں بہت سی روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہوکر کوئی شخص پانی نہ پیئے۔ اگر بھول کر پی لے تو قے کردے۔ علماء نے حضور ﷺ کے اس فعل میں اور ممانعت میں چند وجوہ سے جمع کیا ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ ممانعت بعد میں وارد

ہوئی ہے اس لیے یہ ناسخ ہے۔ بعض علماء اس کا عکس فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پینے کی روایتیں ناسخ ہیں ممانعت کے لیے لیکن مشہور قول یہ ہے کہ ممانعت حکم شرعی اور تحریمی نہیں بلکہ آداب کے طریقہ سے ہے نیز شفقت اور رحمت کے باب سے بھی ہے۔ اس لیے کہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی چند مضرتیں بتلائی ہیں۔ الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہوئے نوش فرمانا بیان جواز کے لیے ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ممانعت کی وجہ سے کھڑے ہو کر پانی پینا حرام نہیں البتہ خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے۔

(۳) حدثنا علی بن حجر حدثنا ابن المبارك عن عاصم الاحول عن الشعبی عن ابن عباسؓ قال سَقَيْتُ النَّبِيَّ عليه السلام مِنْ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ

''ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم کا پانی پلایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوئے نوش فرمایا۔''

ف: باب کی پہلی حدیث میں اس کا ذکر گزر چکا۔

(۴) حدثنا ابو کریب محمد بن العلاء و محمد بن طریف الکوفی قالا انبانا ابن الفضیل عن الاعمش عن عبدالملک بن میسرة عن النزال بن سبرةؓ قال أُتِيَ عَلِيٌّ بِكُوْزٍ مِنْ مَّاءٍ وَهُوَ فِي الرَّحْبَةِ فَاَخَذَ مِنْهُ كَفًّا فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهٗ ثُمَّ شَرِبَ مِنْهُ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ هٰذَا وُضُوْءُ مَنْ لَّمْ يُحْدِثْ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ

''نزال بن سبرةؓ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جب کہ وہ مسجد کوفہ کے میدان میں (جو ان کا دار القضاء تھا) تشریف فرما تھے ایک کوزہ پانی لایا گیا۔ انہوں نے ایک چلو پانی لے کر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور پھر اپنے منہ پر اور ہاتھوں و سر پر مسح کیا پھر کھڑے ہو کر پانی پیا اور فرمایا کہ یہ اس شخص کا وضو ہے جو پہلے سے باوضو ہو۔ ایسے ہی میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا۔''

ف: یہ حدیث مختصر ہے مفصل مشکوۃ شریف میں بر روایت بخاری منقول ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ منہ ہاتھ وغیرہ پر حقیقتاً مسح کیا ہو۔ اس صورت میں اس کو وضو کہنا مجاز ہے لغوی معنی کے اعتبار سے اس کو وضو کہہ دیا چنانچہ پاؤں کا ذکر اس میں ہے ہی نہیں یہ قرینہ اسی احتمال کا ہے۔ دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس حدیث میں ہلکے سے دھونے کو مجازاً مسح سے تعبیر کر دیا اور پاؤں کا

ذکر اس قصہ میں بعض روایات میں آتا ہے اس توجیہ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مسح کی جگہ بعض روایات میں منہ ہاتھ دھونے کا ذکر ہے اس صورت میں اس حدیث سے تجدید وضو مراد ہے اور یہی توجیہ بندۂ ناچیز کے نزدیک اولیٰ ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا جائز ہے۔ کتب فقہ میں اس کے اور آب زمزم کے کھڑے ہو کر پینے کے جواز کی تصریح ہے بلکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کا پانی کھڑے ہو کر پینے کو بعض بزرگوں سے شفائے امراض کے لیے علاج مجرب نقل کیا ہے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شمائل میں اس کا استحباب نقل کیا ہے۔

**(۵) حدثنا قتیبة بن سعید ویوسف بن حماد قال حدثنا عبدالوارث بن سعید عن ابی عصام عن انس بن مالکؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَتَنَفَّسُ فِی الْاِنَاءِ ثَلَاثًا اِذَا شَرِبَ وَیَقُوْلُ ھُوَ اَمْرَءُ وَاَرْوٰی**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اس طریقہ سے پینا زیادہ خوشگوار ہے اور خوب سیراب کرنے والا ہے۔''

ف: پانی ایک سانس میں پینے کی ممانعت بھی آئی ہے علماء نے ایک دفعہ ہی پینے کی بہت سی مضرتیں بھی لکھی ہیں۔ بالخصوص ضعف اعصاب کا سبب بتایا ہے نیز معدہ اور جگر کے لئے بھی مضرت کا سبب ہے۔

**(۶) حدثنا علی بن خشرم حدثنا عیسی بن یونس عن رشدین بن کریب عن ابیہ عن ابن عباسؓ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ اِذَا شَرِبَ تَنَفَّسَ مَرَّتَیْنِ**

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی نوش فرماتے تو دو دفعہ سانس لیتے تھے۔''

ف: اس حدیث میں یا تو پانی دو سانس میں پینا مراد ہے اور یہی بظاہر قریب ہے اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قولی حدیث میں ہے کہ پانی ایک دفعہ ہی نہ پیا کرو بلکہ دو یا تین سانس میں پیا کرو۔ اس صورت میں یہ حدیث بعض اوقات پر محمول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اقل درجہ کے بیان فرمانے کے لیے دو سانس میں بھی پیتے تھے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں پانی پینے کے درمیان میں دو مرتبہ سانس لینا مراد ہے اور جب پانی پینے کے درمیان میں دو مرتبہ سانس لیا تو تمام پانی تین سانس میں ہو گیا اس صورت میں اور روایات سے کچھ تعارض ہی نہیں رہا۔

(۷) حدثنا ابن ابی عمر حدثنا سفیان عن یزید بن یزید بن جابر عن عبدالرحمن بن ابی عمرۃ عن جدتہ کبشۃؓ قالت دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ فِیْ قِرْبَۃٍ مُعَلَّقَۃٍ قَائِمًا فَقُمْتُ اِلٰی فِیْہَا فَقَطَعْتُہٗ

''کبشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے وہاں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اس مشکیزہ کے منہ سے پانی نوش فرمایا میں نے اٹھ کر مشکیزہ کے منہ کو کتر لیا۔''

ف: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کترنے کی دو وجہ نقل کی ہیں ایک تو تبرکاً کہ اس حصہ کو جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن مبارک لگا تھا تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھنے کے لیے کتر لیا دوسرے یہ کہ جس جگہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن مبارک لگا ہے دوسرا کوئی اس کو استعمال نہ کرے یعنی مقصود یہ کہ ادباً اس جگہ کو کتر لیا کہ کسی دوسرے کا منہ اس جگہ لگنا بے ادبی تھی۔ اس حدیث میں دو باتیں ہیں ایک کھڑے ہو کر پانی پینے کی وہ پہلے گزر چکی۔ دوسری یہ کہ بخاری شریف وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مشک کے منہ سے پانی پینے کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس لیے اس حدیث کو بیان جواز پر حمل کریں گے یا اس ممانعت کی روایت کو خلاف اولیٰ پر حمل کریں گے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پینے کو اس نہی کی وجہ سے ضرورت پر بھی حمل کیا جا سکتا ہے۔ ایک حدیث میں ایک قصہ آیا ہے کہ ایک شخص مشکیزہ کو منہ لگا کر پانی پی رہے تھے کہ اس میں سے ایک سانپ نکل آیا۔ اس بناء پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پانی پینے کی ممانعت فرما دی۔ اس حدیث کی بناء پر اس طرح پانی پینے کے واقعات بظاہر ابتدائی ہیں' ایک خصوصی بات اور بھی ہے کہ اس طرح پانی پینے میں منجملہ دوسری وجوہ کے ایک وجہ ممانعت یہ بھی ہے کہ ہر شخص کا منہ ایسا نہیں ہوتا جس کے گھڑے یا مشک وغیرہ کے لگنے سے دوسروں کو گھن نہ آئے لیکن بعض منہ ایسے ضرور ہوتے ہیں جن کا لعاب بیماروں کی شفا اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ لذیذ اور ہر فرحت کی چیز سے زیادہ سرور پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔

عنابِ لب لعابِ دہن شربتِ وصال
یہ نسخہ چاہیے ترے بیمار کے لیے

اس لیے حضور اقدس دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکیزے سے پینے کو دوسروں کے پینے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

(۸) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی حدثنا عزرة بن ثابت الانصاری عن ثمامة ابن عبداللهؒ قَالَ كَانَ انَسُ بْنُ مَالِكٍؓ يَتَنَفَّسُ فِي الْاِنَاءِ ثَلٰثًا وَزَعَمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْاِنَاءِ ثَلٰثًا

ثمامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پانی تین سانس میں پیتے تھے اور کہتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔"

(۹) حدثنا عبدالله بن عبدالرحمن حدثنا ابو عاصم عن ابی جریج عن عبدالکریم عن البراء بن زید ابن ابنة انس بن مالك عن انس بن مالكؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى اُمِّ سُلَيْمٍ وَقِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَشَرِبَ مِنْ فَمِ الْقِرْبَةِ وَهُوَ قَائِمٌ فَقَامَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ اِلٰى رَأْسِ الْقِرْبَةِ فَقَطَعَتْهَا

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہی کھڑے اس میں سے پانی نوش فرمایا ام سلیم رضی اللہ عنہا کھڑی ہوئیں اور اس مشکیزہ کے منہ کو کتر کر رکھ لیا۔"

ف: حضرت کبشہؓ کی حدیث بھی اسی نوع کی ابھی گزر چکی ہے۔ لٹکے ہوئے مشکیزہ سے بیٹھ کر پانی پینا ویسے بھی مشکل ہے۔ اس لیے ضرورت کے درجہ میں بھی یہ واقعات داخل ہیں۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے قصہ میں بعض حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ انہوں نے مشکیزہ کترتے ہوئے یہ کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی اس کو منہ لگا کر نہیں پی سکتا جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے ادباً کتر لیا۔

(۱۰) حدثنا احمد بن نصر النیسابوری حدثنا اسحٰق بن محمد الفروی حدثنا عبیدة بنت نائل عن عائشة بنت سعد بن ابی وقاصؓ عن ابیها اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَشْرَبُ قَائِمًا وقال ابو عیسٰی وقال بعضهم عبیدة بنت نائل

"حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پانی نوش فرما لیتے تھے۔"

یہ عادت شریفہ نہیں بلکہ گاہے گاہے کسی ضرورت سے ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ پہلے مفصل گزر چکا ہے۔

❀❀❀

# باب ما جاء فی تعطر رسول الله ﷺ

## باب حضور ﷺ کے خوشبو لگانے کا ذکر

ف: حضور اقدس ﷺ کے بدن شریف سے خود خوشبو مہکتی تھی۔ گو حضور اکرم ﷺ خوشبو کا استعمال نہ فرمائیں چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ میں نے کوئی خوشبو عنبر نہ مشک نہ کوئی اور خوشبو حضور اکرم ﷺ کے پسینہ مبارک کی خوشبو سے زیادہ عمدہ نہیں سونگھی۔ ایسے ہی اور بہت سی روایات اس مضمون پر دال ہیں۔ حضور ﷺ کا پسینہ خوشبو کے بجائے استعمال کرنے کے بارے میں متعدد واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں چنانچہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کی روایت مسلم شریف وغیرہ میں وارد ہوئی ہے کہ ایک مرتبہ سونے کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کے جسد اطہر سے پسینہ نکل رہا تھا۔ انہوں نے اس کو ایک شیشی میں جمع کرنا شروع کر دیا حضور اکرم ﷺ کی چشم مبارک کھل گئی حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا کر رہی ہو؟ کہنے لگیں کہ اس کو ہم اپنی خوشبو میں ملائیں گے یہ سب سے زیادہ معطر ہے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک پر دم فرما کر حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی کمر اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا جس سے اس قدر خوشبو ہو گئی تھی کہ ان کی چار بیویاں تھیں ہر ایک بے حد خوشبو لگاتی کہ ان کے برابر خوشبو ہو جائے مگر ان کی خوشبو غالب رہتی

نکہت گل را چہ کنم اے نسیم
بوئے آں پیر ہنم آرزو است

ابو یعلی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جس کوچہ سے حضور اکرم ﷺ گزرتے تھے، بعد کے گزرنے والے اس کوچہ کو خوشبو سے مہکتا ہوا پا کر سمجھ لیتے تھے کہ حضور ﷺ کا ابھی اس راہ سے گزر ہوا ہے۔ وغیرہ وغیرہ روایات کثیرہ اس مضمون پر دال ہیں لیکن باوجود اس کے بھی حضور اکرم ﷺ خوشبو کا استعمال اکثر فرماتے تھے۔ اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ حدیثیں ذکر کی ہیں۔

(۱) حدثنا محمد بن رافع وغير واحد قالوا انبانا ابو احمد الزبيری حدثنا شيبان عن عبدالله بن المختار عن موسى ابن انس بن مالك عن ابيه قَالَ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكَّةٌ يَتَطَيَّبُ مِنْهَا

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سکہ تھا اس میں سے خوشبو استعمال فرماتے تھے۔''

ف: سکہ کے معنی میں علماء کے دوقول ہیں۔ بعض تو اس کا ترجمہ عطردان اور اس ڈبہ کو بتلاتے ہیں جس میں خوشبو رکھی جاتی تھی۔ تب تو یہ معنی ہیں کہ اس عطردان میں سے نکال کر استعمال فرماتے تھے میرے استاد رحمۃ اللہ علیہ نے یہی ترجمہ ارشاد فرمایا تھا۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایک مرکب خوشبو ہے چنانچہ قاموس وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے اور صاحب قاموس نے اس کے بنانے کی ترکیب بھی مفصل لکھی ہے۔

(۲) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی حدثنا عزرة بن ثابت عن ثمامة بن عبداللّٰہؒ قَالَ كَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ لَايَرُدُّ الطِّيْبَ وَقَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَايَرُدُّ الطِّيْبَ

''ثمامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ خوشبو کو رد نہیں کرتے تھے۔ اور یہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشبو کو رد نہ کرتے تھے۔''

(۳) حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا ابن ابی فديك عن عبدالله بن مسلم بن جندب عن ابيه عن ابن عمرؓ قال قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ لَاتُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ وَالطِّيْبُ وَاللَّبَنُ

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں نہیں لوٹانی چاہئیں تکیے، اور تیل خوشبو اور دودھ۔''

ف: ان چیزوں کو اس لیے ذکر فرمایا کہ ہدیہ دینے والے پر بار نہیں ہوتا اور لوٹانے سے اس کو بعض اوقات رنج ہوتا ہے۔ انہیں چیزوں کے حکم میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جو نہایت مختصر ہوں کہ جن کے ہدیہ دینے والے پر بار نہ ہو۔ تکیہ سے مراد بعض علماء نے ہدیہ کے طور پر تکیہ کا دینا بتایا ہے کہ اس میں بھی کچھ ایسا بار نہیں ہے۔ اور بعض علماء نے ویسے ہی استعمال کے لیے کسی لیٹنے یا بیٹھنے والے کے پاس عارضی طور پر تکیہ رکھ دینا اور اس پر سر رکھنا یا ٹیک لگالینا مراد بتایا ہے۔

(۴) حدثنا محمود بن غيلان حدثنا ابوداؤد الحفری عن سفيان عن الجريری عن ابی نضرة عن رجل عن ابی هريرةؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طِيْبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيْحُهٗ وَخَفِيَ لَوْنُهٗ وَطِيْبُ النِّسَاءِ مَا

ظَهَرَ لَوْنُهٗ وَخَفِيَ رِيْحُهٗ حدثنا علی بن حجر حدثنا اسمٰعیل بن ابراهیم عن الجریر عن ابی نضرة عن الطفاوی عن ابی هریرة عن النبی ﷺ بمعناه

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مردانہ خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو پھیلتی ہوئی ہو اور رنگ غیر محسوس ہو (جیسے گلاب کیوڑہ وغیرہ) اور زنانہ خوشبو وہ ہے جس کا رنگ غالب ہو اور خوشبو مغلوب (جیسے حنا زعفران وغیرہ)

ف: مطلب یہ ہے کہ مردوں کو مردانہ خوشبو استعمال کرنا چاہیے کہ رنگ ان کی شان کے مناسب نہیں ہے اور عورتوں کو زنانہ خوشبو استعمال کرنا چاہیے کہ دور اجنبیوں تک اس کی خوشبو نہ پہنچے۔

(۵) حدثنا محمد بن خلیفة وعمرو بن علی قالا حدثنا یزید بن ذریع حدثنا حجاج الصواف عن حنان عن ابی عثمان النهدیؒ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُعْطِيَ اَحَدُكُمُ الرَّيْحَانَ فَلَا يَرُدُّهٗ فَاِنَّهٗ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ قال ابو عیسٰی لا یعرف لحنان غیر هذا الحدیث وقال عبدالرحمن ابن ابی حاتم فی کتاب الجرح والتعدیل حنان الاسدی من بنی اسد بن شریك وهو صاحب الرقیق عم والد سدد وروی عن ابی عثمان النهدی وروی عنه الحجاج بن ابی عثمان الصواف سمعت ابی یقول ذلك

''ابو عثمان نہدی تابعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو ریحان دیا جائے اس کو چاہیے کہ لوٹائے نہیں اس لیے کہ (اس کی اصل) جنت سے نکلی ہے۔''

ف: ریحان سے خاص یہی قسم مراد ہے یا خوشبو ریحان کہلاتی ہے اہل لغت کے دونوں قول ہیں۔ اور دونوں یہاں مراد ہو سکتے ہیں حق تعالیٰ جل شانہ نے جنت کی خوشبوؤں کی نقل دنیا میں اس لیے پیدا فرمائی ہے کہ یہ جنت کی طرف ترغیب کا سبب بنے اور زیادتی شوق کا ذریعہ ہو کہ خوشبو کی طرف طبعاً رغبت پیدا ہوتی ہے اور طبیعت کو ادھر کشش ہوتی ہے لیکن دنیا کی خوشبوؤں کو جنت کی خوشبوؤں سے کیا نسبت کہ ان کی مہک اتنی دور پہنچتی ہے کہ پانچ سو برس میں وہ راستہ طے ہو۔

(۶) حدثنا عمر بن اسمٰعیل بن مجالد بن سعید الهمدانی حدثنا ابی عن بیان بن قیس بن ابی حازم عن جریر بن عبداللهؓ قال عُرِضْتُ بَيْنَ يَدَيْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ فَاَلْقٰى جَرِيْرٌ رِدَاءَهٗ ومشٰى فِيْ اِزَارٍ فَقَالَ لَهٗ خُذْ رِدَاءَكَ فَقَالَ عُمَرُ

لِلْقَوْمِ مَارَأَيْتُ رَجُلًا اَحْسَنَ صُوْرَةً مِنْ جَرِيْرٍ اِلَّا مَا بَلَغَنَا مِنْ صُوْرَةِ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

''جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں (معائنہ کے لیے) پیش کیے گئے انہوں نے چادر اتار کر صرف لنگی میں چل کر اپنا امتحان کرایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چادر لے لو (معائنہ ہو چکا) پھر قوم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں نے جریرؓ سے زیادہ خوبصورت کبھی کسی کو نہیں دیکھا کہ سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت کے جیسا کہ ہم تک پہنچا۔''

ف: یعنی حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن کے قصے جو ہم تک پہنچے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جریر سے زیادہ حسین ہوں گے ورنہ ان کے علاوہ ان سے زیادہ حسین کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاد کے موقعہ پر لشکر کا تفصیلی معائنہ فرمایا ہر ایک کا امتحان لیا جن میں یہ بھی پیش ہوئے اس حدیث میں چند اشکالات ہیں جو اختصاراً ترک کیے جاتے ہیں ان کے منجملہ ایک اشکال یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کا استثناء کیا لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال وکمال حضرت یوسف علیہ السلام سے بڑھا ہوا تھا تو ان کے استثناء کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کا استثناء خود ہی ہو گیا اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا جمال عام طور سے مستور ہی تھا جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس حدیث کو باب سے بھی کچھ مناسبت نہیں اس کے جوابات میں ایک توجیہ یہ بھی کی جاتی ہے کہ خوبصورت کو خوشبو لازم ہوتی ہے جو شخص جس درجہ کا حسین ہوتا ہے۔ ویسی ہی مستانہ خوشبو اس کے بدن ولباس سے مہکا کرتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اجمل المخلوقات اور بدر البدور ہونا مسلم ہے۔ اس لیے اس کو طبعی خوشبو لازم ہے۔

# باب کیف کان کلام رسول اللہ ﷺ

# باب حضور اقدس ﷺ کی گفتگو کیسی ہوتی

ف: اس باب میں تین حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔

**(۱) حدثنا حمید بن مسعدة البصری حدثنا حمید بن الاسود عن اسامة بن زید عن الزهری عن عروة عن عائشة رضی اللہ عنہا قَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْرُدُ سَرْدَكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّهٗ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ بَيِّنٍ فَصْلٍ يَحْفَظُهٗ مَنْ جَلَسَ اِلَيْهِ**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی گفتگو تم لوگوں کی طرح لگا تار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ صاف صاف ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا پاس بیٹھنے والے اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیتے تھے۔''

ف: یعنی حضور ﷺ کی گفتگو مجمل یا جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی کہ کچھ سمجھ میں آئے کچھ نہ آئے بلکہ ایسی اطمینان کی واضح گفتگو ہوتی تھی کہ مخاطبین اچھی طرح سمجھ جاتے تھے۔

**(۲) حدثنا محمد بن یحیٰی حدثنا ابو قتیبة سلم بن قتیبة عن عبداللہ بن المثنی عن ثمامة عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعِيْدُ الْكَلِمَةَ ثَلٰثًا لِتُعْقَلَ عَنْهُ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (بعض مرتبہ) کلام کو (حسب ضرورت) تین تین مرتبہ دہراتے تا کہ آپ کے سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں۔''

ف: یعنی یہ کہ اگر مضمون مشکل ہوتا تو غور و تدبر کے لیے یا مجمع زیادہ ہوتا تو تینوں جانب متوجہ ہو کر تین مرتبہ مضمون بیان فرماتے تا کہ حاضرین اچھی طرح محفوظ کر لیں۔ تین مرتبہ غایت اکثر یہ ہے ورنہ دو مرتبہ کافی ہو جاتا تو دو مرتبہ فرماتے۔

**(۳) حدثنا سفیان بن وکیع انبانا جمیع بن عمرو بن عبدالرحمن العجلی حدثنی رجل من بنی تمیم من ولد ابی هالة زوج خدیجة یکنی ابا عبداللہ**

عن ابن لابی ھالة عن الحسن بن علیؓ قال سَأَلْتُ خَالِیْ هِنْدَ بْنَ اَبِیْ هَالَةَ وَكَانَ وَصَّافًا قُلْتُ صِفْ لِیْ مَنْطِقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الْاَحْزَانِ دَائِمَ الْفِكْرَةِ لَيْسَتْ لَهٗ رَاحَةٌ طَوِیْلُ السَّكْتِ لَایَتَكَلَّمُ فِیْ غَیْرِ حَاجَةٍ یَفْتَتِحُ الْكَلَامَ وَیَخْتِمُهٗ بِاَشْدَاقِهٖ وَیَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ كَلَامُهٗ فَصْلٌ لَا فُضُوْلٌ وَلَا تَقْصِیْرٌ لَیْسَ بِالْجَافِیْ وَلَا الْمَهِیْنِ یُعَظِّمُ النِّعْمَةَ وَاِنْ دَقَّتْ لَایَذُمُّ مِنْهَا شَیْئًا غَیْرَ اَنَّهٗ لَمْ یَكُنْ یَذُمُّ ذَوَاقًا وَلَا یَمْدَحُهٗ وَلَا تُغْضِبُهُ الدُّنْیَا وَلَا مَا كَانَ لَهَا فَاِذَا تُعُدِّیَ الْحَقُّ لَمْ یَقُمْ لِغَضَبِهٖ شَیْءٌ حَتّٰی یَنْتَصِرَ لَهٗ لَایَغْضَبُ لِنَفْسِهٖ وَلَا یَنْتَصِرُلَهَا اِذَا اَشَارَ اَشَارَ بِكَفِّهٖ كُلِّهَا وَاِذَا تَعَجَّبَ قَلَبَهَا وَاِذَا تَحَدَّثَ اتَّصَلَ بِهَا وَضَرَبَ بِرَاحَتِهِ الْیُمْنٰی بَطْنَ اِبْهَامِهِ الْیُسْرٰی وَاِذَا غَضِبَ اَعْرَضَ وَاَشَاحَ وَاِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَهٗ جُلُّ ضُحْكِهِ التَّبَسُّمُ یَفْتَرُّ عَنْ مِثْلِ حَبِّ الْغَمَامِ

''حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اکثر بیان فرماتے تھے عرض کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کی کیفیت مجھ سے بیان فرمایئے' انہوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم (آخرت کے) غم میں متواتر مشغول رہتے (ذات وصفات باری تعالیٰ یا امت کی بہبود کے) ہر وقت سوچ میں رہتے تھے ان امور کی وجہ سے کسی وقت آپ کو بے فکری اور راحت نہیں ہوتی تھی (یا یہ کہ امور دنیویہ کے ساتھ آپ کو راحت نہ ملتی تھی بلکہ دینی امور سے آپ کو راحت اور چین ملتا تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہے) اکثر اوقات خاموش رہتے تھے بلاضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے آپ کی تمام گفتگو ابتدا سے انتہا تک منہ بھر کر ہوتی تھی (یہ نہیں کہ نوک زبان سے کٹتے ہوئے حروف کے ساتھ آدھی بات زبان سے کہی اور آدھی متکلم کے ذہن میں رہی جیسا کہ موجودہ زمانہ کے متکبرین کا دستور ہے) جامع الفاظ کے ساتھ (جن کے الفاظ تھوڑے ہوں اور معانی بہت ہوں) کلام فرماتے تھے (چنانچہ ملا علی قاری نے ایسی چالیس حدیثیں اپنی شرح میں جمع کی ہیں جو نہایت مختصر ہیں عربی حاشیہ پر نقل کر دیں جو یاد کرنا چاہے اس کو دیکھ کر یاد کر لے) آپ کا کلام ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا نہ اس میں فضولیات ہوتی تھیں۔ نہ کوتاہیاں کہ مطلب پوری طرح واضح نہ ہو۔ آپ

نہ سخت مزاج تھے' نہ کسی کی تذلیل فرماتے تھے' اللہ کی نعمت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو اس کو بہت بڑا سمجھتے تھے' اس کی مذمت نہ فرماتے تھے' البتہ کھانے کی اشیاء کی نہ مذمت فرماتے نہ زیادہ تعریف (مذمت نہ فرمانا تو ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمت ہے زیادہ تعریف نہ فرمانا اس لیے تھا کہ اس سے حرص کا شبہ ہوتا ہے البتہ اظہار رغبت یا کسی کی دلداری کی وجہ سے کبھی کبھی خاص خاص چیزوں کی تعریف بھی فرمائی ہے) دنیا اور دنیاوی امور کی وجہ سے آپ کو کبھی غصہ نہ آتا تھا (البتہ آپؐ کو ان کی پرواہ بھی نہ ہوتی تھی اس لیے کبھی دنیوی نقصان پر آپؐ کو غصہ نہ آتا تھا) البتہ کسی دینی امر اور حق بات سے کوئی شخص تجاوز کرتا تو اس وقت آپ کے غصہ کی کوئی تاب نہ لا سکتا تھا اور کوئی اس کو روک بھی نہ سکتا تھا یہاں تک کہ آپ اس کا انتقام نہ لے لیں۔ اپنی ذات کے لیے نہ کسی پر ناراض ہوتے تھے' نہ اس کا انتقام لیتے تھے جب کسی وجہ سے کسی جانب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے (اس کی وجہ بعض علماء نے یہ بتلائی ہے کہ انگلیوں سے اشارہ تواضع کے خلاف ہے اس لیے حضور ﷺ پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے' اور بعض علماء نے یہ تحریر فرمائی کہ حضور ﷺ کی عادت شریفہ انگلی سے توحید کی طرف اشارہ فرمانے کی تھی اس لیے غیر اللہ کی طرف انگلی سے اشارہ نہ فرماتے تھے) جب کسی بات پر تعجب فرماتے تو ہاتھ پلٹ لیتے تھے اور جب بات کرتے تو اس کو ملا لیتے (کبھی گفتگو کے ساتھ ہاتھوں کو بھی حرکت فرماتے) اور کبھی داہنی ہتھیلی کو بائیں انگوٹھی کے اندرونی حصہ پر مارتے اور جب کسی پر ناراض ہوتے تو اس سے منہ پھیر لیتے اور بے توجہی فرماتے یا درگزر فرماتے اور جب خوش ہوتے تو حیا کی وجہ سے آنکھیں گویا بند فرما لیتے۔ آپ کی اکثر ہنسی تبسم ہوتی تھی۔ اس وقت آپ کے دندان مبارک اولے کی طرح چمک دار سفید ظاہر ہوتے تھے۔"

ف: یہ حدیث اسی حدیث کا بقیہ ہے جو سب سے پہلے باب میں ساتویں نمبر پر گزری ہے اس کا ہر ہر ٹکڑا نہایت غور سے پڑھنے اور اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کے قابل ہے کہ ہر ادا تواضع اور اخلاق کا کمال لیے ہوئے ہے۔

❀❀❀

# باب ما جاء فی ضحك رسول الله ﷺ

# باب حضور اقدس ﷺ کے ہنسنے کا بیان

ف: اس باب میں نو حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔

(۱) حدثنا احمد بن منیع حدثنا عباد بن العوام اخبرنا الحجاج وھو ابن ارطاۃ عن سماك بن حرب عن جابر بن سمرۃؓ قال کَانَ فِیْ سَاقَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَمُوْشَۃٌ وَّکَانَ لَایَضْحَكُ اِلَّا تَبَسُّمًا فَکُنْتُ اِذَا نَظَرْتُ اِلَیْہِ قُلْتُ اَکْحَلَ الْعَیْنَیْنِ وَلَیْسَ بِاَکْحَلَ

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی پنڈلیاں کسی قدر باریک تھیں اور آپ کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا۔ جب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کرتا تو دل میں سوچتا کہ آپ سرمہ لگائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس وقت سرمہ لگائے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔''

ف: بلکہ طبعاً آپ کی آنکھیں سرمگیں تھیں۔

(۲) حدثنا قتیبۃ بن سعید اخبرنا ابن لھیعۃ عن عبداللہ بن المغیرۃ عن عبداللہ بن الحارث بن جزءؓ قَالَ مَارَاَیْتُ اَحَدًا اَکْثَرَ تَبَسُّمًامِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

''عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں' کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا۔''

ف: اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ اس سے پہلے باب کی اخیر حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ حضور اقدس ﷺ دائم الفکر اور پے در پے غموم میں مبتلا رہتے تھے۔ یہ بظاہر اس کے منافی ہے۔ اس لیے اس حدیث کی دو توجیہیں کی گئیں' ایک تو یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا تبسم آپ کے ہنسنے سے زیادہ ہوتا تھا۔ ایسا کوئی اور شخص نہیں دیکھا جس کا تبسم آپ کے ہنسنے سے زیادہ ہو۔ چنانچہ آئندہ حدیث جو انہی صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کی جا رہی ہے' اس میں یہی مطلب متعین ہے۔ دوسری توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ باوجود طبعی غموم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلداری اور انبساط کے خیال سے

خندہ اور تبسم فرماتے ہوئے پیش آتے تھے۔ اور یہ کمال درجہ اخلاق و تواضع ہے' اسی باب کے نمبر ۵ و ۶ پر حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے' تبسم فرماتے۔ یعنی خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے ملتے تھے۔ اب پہلی حدیث سے کوئی تعارض نہیں ہے' اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی رنج وفکر میں مبتلا ہوتا ہے لیکن دوسروں کی دلداری یا ضرورت سے اس کو خندہ پیشانی سے ملنے کی نوبت آتی ہے جو لوگ دل میں عشق کی چوٹ کھائے ہوئے ہوں' ان کو اس کا تجربہ بہت ہوتا ہے۔

**(۳) حدثنا احمد بن الخالد الخلال حدثنا يحيى بن اسحٰق السيلحانى حدثنا ليث بن سعد عن يزيد بن ابى حبيب عن عبدالله بن الحارثؓ مَا كَانَ ضِحْكُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَّا تَبَسُّمًا قال ابو عيسٰى هذا حديث غريب من حديث ليث بن سعد**

''عبداللہ ابن حارث رضی اللہ عنہ ہی کی یہ بھی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا تبسم سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔''

ف: یعنی اکثر اوقات تبسم اور مسکرانا ہی ہوتا تھا' ہنسنے کی نوبت بہت کم آتی تھی۔

**(۴) حدثنا ابو عمارالحسين بن حريث انبانا وكيع حدثنا الاعمش عن المعرور بن سويد عن ابى ذر رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّىْ لَاَ عَلَمُ اَوَّلَ رَجُلٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَاٰخِرَ رَجُلٍ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُقَالُ اعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهٖ وَتُخْبَأُ عَنْهُ كِبَارُهَا فَيُقَالُ لَهٗ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا كَذَا وَكَذَا وَهُوَ مُقِرٌّ لَا يُنْكِرُ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِهَا فَيُقَالُ اَعْطُوْهُ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ عَمِلَهَا حَسَنَةً فَيَقُوْلُ اِنَّ لِىْ ذُنُوْبًا اَرَاهَا هٰهُنَا قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ**

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس شخص کو خوب جانتا ہوں جو سب سے اول جنت میں داخل ہوگا اور اس سے بھی واقف ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا۔ قیامت کے دن ایک آدمی دربار الٰہی میں حاضر کیا جائے گا' اس کے لیے یہ حکم ہوگا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس پر پیش کیے جائیں اور بڑے بڑے گناہ مخفی رکھے جائیں' جب اس پر چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے کہ تو نے

فلاں دن فلاں گناہ کیے ہیں تو وہ اقرار کرے گا اس لیے کہ انکار کی گنجائش نہیں ہوگی اور اپنے دل میں نہایت خوف زدہ ہوگا کہ ابھی تو صغائر ہی کا نمبر ہے۔ کبائر پر دیکھیں' کیا گزرے؟ کہ اس دوران میں یہ حکم ہوگا کہ اس شخص کو ہر ہر گناہ کے بدلے ایک ایک نیکی دی جائے تو وہ شخص یہ حکم سنتے ہی خود بولے گا کہ میرے تو ابھی بہت سے گناہ باقی ہیں جو یہاں نظر نہیں آتے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مقولہ نقل فرما کر ہنسے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے' ہنسی اس بات پر تھی کہ جن گناہوں کے اظہار سے ڈر رہا تھا ان کے اظہار کا خود طالب بن گیا۔''

ف: یہ شخص جس کا مفصل حال بیان فرمایا وہی شخص ہے جس کو اول مجملاً جنت میں آخری داخل ہونے والا ارشاد فرمایا تھا یا کوئی اور شخص ہے۔ شراح کی تحقیق یہ ہے کہ یہ کوئی اور شخص ہے۔ اور جنت میں آخری داخل ہونے والا شخص وہ ہے جس کا قصہ اسی باب کے نمبرے پر آرہا ہے۔''

(۵) حدثنا احمد بن منیع حدثنا معاویة بن عمر حدثنا زائدة عن بیان عن قیس بن ابی حازم عن جریر بن عبداللّٰہؓ قال ما حَجَبَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَاٰنِیْ اِلَّا ضَحِكَ

(۶) حدثنا احمد بن منیع حدثنا معاویة بن عمرو حدثنا زائدة عن اسماعیل بن ابی خالد عن قیس عن جریر قال مَا حَجَبَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَاٰنِیْ اِلَّا تَبَسَّمَ

''جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے مسلمان ہونے کے بعد سے کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا۔ اور جب مجھے دیکھتے تو ہنستے تھے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ تبسم فرماتے تھے۔''

ف: یہ دوسری روایت اسی لیے ذکر کی گئی تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ پہلی حدیث میں ہنسنے سے تبسم فرمانا ہی مراد ہے اور یہ تبسم اظہار مسرت کے لیے ہوتا تھا کہ خندہ پیشانی سے ملنا دوسرے کے لیے انبساط کا سبب ہوتا ہے۔ میں نے اپنے اکابر کو دیکھا ہے کہ بسا اوقات آنے والوں کے ساتھ ایسی بشاشت اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے' جس سے ان کو محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے آنے کی بڑی خوشی ہوئی۔

(۷) حدثنا ھناد بن السری حدثنا ابو معاویة عن الاعمش عن ابراھیم عن

عبيدة السلمانی عن عبدالله ابن مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّىْ لَاَعْرِفُ اٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا رَجُلٌ يَّخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا فَيُقَالُ لَهُ انْطَلِقْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ فَيَذْهَبُ لِيَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ اَخَذُوا الْمَنَازِلَ فَيَرْجِعُ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ قَدْ اَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ فَيُقَالُ لَهُ اَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِىْ كُنْتَ فِيْهِ فَيَقُوْلُ نَعَمْ قَالَ فَيُقَالُ لَهُ تَمَنَّ قَالَ فَيَتَمَنّٰى فَيُقَالُ لَهُ تَمَنَّ قَالَ فَيَتَمَنّٰى فَيُقَالُ لَهُ فَاِنَّ لَكَ الَّذِىْ تَمَنَّيْتَ وَعَشْرَةَ اَضْعَافِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَقُوْلُ اَتَسْخَرُبِىْ وَاَنْتَ الْمَلِكُ قَالَ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے اخیر میں آگ سے نکلے گا وہ ایک ایسا آدمی ہوگا کہ زمین پر گھسٹتا ہوا دوزخ سے نکلے گا (کہ جہنم کے عذاب کی سختی کی وجہ سے سیدھے چلنے پر بھی قادر نہ ہوگا) اس کو حکم ہوگا کہ جا! جنت میں داخل ہو جا۔ وہ وہاں جا کر دیکھے گا کہ لوگوں نے تمام جگہوں پر قبضہ کر رکھا ہے سب جگہیں پر ہو چکی ہیں۔ لوٹ کر بارگاہ الٰہی میں اس کی اطلاع کرے گا' وہاں سے ارشاد ہوگا کہ کیا دنیوی منازل کی حالت بھی یاد ہے (کہ جب جگہ پر ہو جائے تو آنے والوں کی گنجائش نہ ہو اور پہلے جانے والے جتنی جگہ پر چاہیں قبضہ کر لیں اور بعد میں آنے والوں کے لیے جگہ نہ رہے اس عبارت کا ترجمہ اکابر علماء نے یہی تحریر فرمایا مگر بندۂ ناچیز کے نزدیک اگر اس کا مطلب یہ کہا جائے تو زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کیا دنیا کی وسعت اور فراخی بھی یاد ہے کہ تمام دنیا کتنی بڑی تھی اور یہ اس لیے یاد دلایا کہ آئندہ تمام دنیا سے دس گنا زائد اس کو عطا فرمانے کا اعلان ہونے والا ہے تو ساری دنیا کا ایک مرتبہ تصور کرنے کے بعد اس عطیہ کی کثرت کا اندازہ ہو) وہ عرض کرے گا کہ رب العزت! خوب یاد ہے اس پر ارشاد ہوگا کہ اچھا کچھ تمنائیں کرو' جس نوع سے دل چاہے وہ اپنی تمنائیں بیان کرے گا' وہاں سے ارشاد ہوگا کہ اچھا تم کو تمہاری تمنائیں اور خواہشات بھی دیں' اور تمام دنیا سے دس گنا زائد عطا کیا' وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ! آپ بادشاہوں کے بادشاہ ہو کر مجھ سے تمسخر فرماتے ہیں (کہ وہاں ذرا سی بھی جگہ نہیں ہے اور آپ تمام دنیا سے دس گنا زائد مجھے عطا فرما رہے ہیں) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو

دیکھا کہ جب اس شخص کا یہ مقولہ نقل فرما رہے تھے تو آپ کو ہنسی آ گئی حتی کہ آپ کے دندان مبارک بھی ظاہر ہو گئے۔''

ف: حضور اقدس ﷺ کا ہنسنا یا تو اللہ جل شانہ کے اس انعام واکرام پر خوشی اور مسرت کی وجہ سے ہے کہ جب ایسے شخص کو جو جہنم سے سب سے اخیر میں نکالا گیا' جس سے اس کا سب سے زیادہ گنہگار ہونا بدیہی ہے اس قدر زیادہ عطاء وانعام ہوا تو سارے مسلمانوں پر بالخصوص متقی اور پرہیز گاروں پر کیا کچھ الطاف کی بارش ہوگی اور امتیوں پر جس قدر انعام ہوا اتنا ہی حضور اکرم ﷺ کے لیے مسرت کا سبب ہے' اور ممکن ہے کہ یہ ہنسی اس شخص کی حالت پر ہو کہ کس قدر عذاب اور مصائب برداشت کر کے تو نکلا ہے اور پھر یہ جرأتیں اور تمنائیں کہ اللہ جل شانہ سے یہ کہے کہ آپ تمسخر کر رہے ہیں۔

(۸) حدثنا قتیبة بن سعید انبانا ابوالاحوص عن ابی اسحٰق عن علی بن ربیعة قال شَهِدْتُّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اُتِيَ بِدَابَّةٍ لِّيَرْكَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهٗ فِي الرِّكَابِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ فَلَمَّا اسْتَوٰى عَلٰى ظَهْرِهَا قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثَلٰثًا وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلٰثًا سُبْحَانَكَ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَايَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ لَهٗ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اَحَدٌ غَيْرِيْ

''ابن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس (ان کے زمانہ خلافت میں) ایک مرتبہ (گھوڑا وغیرہ) کوئی سواری لائی گئی' آپ نے رکاب میں پاؤں رکھتے ہوئے بسم اللہ کہا اور جب سوار ہو چکے تو الحمدللہ کہا' پھر یہ دعا پڑھی سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے لیے مسخر فرما دیا ورنہ ہم کو اس کے مطیع بنانے کی طاقت نہ تھی۔ اور واقعی ہم لوگ اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں' علماء فرماتے ہیں کہ سواری چونکہ اسباب ہلاکت سے ہے' اس لیے سواری کی تسخیر پر حق تعالیٰ جل شانہ کے شکریہ کے ساتھ اپنے موت کے ذکر کو

بھی متصل فرما دیا کہ ہم آخر کار مرنے کے بعد اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے الحمدللہ تین مرتبہ کہا' پھر اللہ اکبر تین مرتبہ کہا' پھر سبحنك انی ظلمت نفسی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت۔ تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے اور میں نے تیری نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں اور اوامر کی اطاعت نہ کرنے میں اپنے ہی نفس پر ظلم کیا ہے۔ پس یا اللہ آپ میری مغفرت فرمائیں کیونکہ مغفرت تو آپ کے سوا اور کوئی کر ہی نہیں سکتا' اس دعا کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنسے۔ ابن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح دعائیں پڑھی تھیں اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبسم فرمایا تھا' میں نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تبسم کی وجہ پوچھی تھی جیسا کہ تم نے مجھ سے پوچھی تو حضور اطہر واقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ شانہ بندہ کے اس کہنے پر کہ میرے گناہ تیرے سوا کوئی معاف نہیں کر سکتا' خوش ہو کر فرماتے ہیں کہ میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی شخص گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ اَللّٰهُمَّ رَبِّ اغفرلی ولوالدی فانه لا یغفر الذنوب الا انت اللهم لااحصی ثناء علیك لك الكبریاء و العظمة

(۹) حَدَّثَنَا محمد بن بشار انبأنا محمد بن عبدالله الانصاری حدثنا ابن عون عن محمد بن محمد بن الاسود عن عامر بن سعدؓ قَالَ قَالَ سَعْدٌ لَقَدْ رَاَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ یَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ قَالَ قُلْتُ كَیْفَ كَانَ ضِحْكُهٗ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مَّعَهٗ تُرْسٌ وَكَانَ سَعْدٌ رَامِیًا وَكَانَ یَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا بِالتُّرْسِ یُغَطِّیْ جَبْهَتَهٗ فَنَزَعَ لَهٗ سَعْدٌ بِسَهْمٍ یَعْنِیْ جَبْهَتَهٗ وَانْقَلَبَ وَشَالَ بِرِجْلِهٖ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ قَالَ قُلْتُ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ ضَحِكَ قَالَ مِنْ فِعْلِهٖ بِالرَّجُلِ

''عامر بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد سعدؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق کے دن ہنسے حتیٰ کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کس بات پر ہنسے تھے؟ انہوں نے کہا کہ ایک کافر ڈھال لیے ہوئے تھا۔ اور سعد رضی اللہ عنہ گو بڑے تیر انداز تھے لیکن وہ اپنی ڈھال کو ادھر ادھر کر لیتا تھا' (گویا مقابلہ میں سعد رضی اللہ عنہ کا تیر لگنے نہ دیتا تھا حالانکہ یہ مشہور تیر انداز تھے) سعد رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ تیر نکالا

اوراس کو کمان میں کھینچ کر انتظار میں رہے ) جس وقت اس نے ڈھال سے سر اٹھایا فوراً ایسا لگایا کہ پیشانی سے چوکا نہیں اور فوراً گر گیا۔ ٹانگ بھی اوپر کو اٹھ گئی۔ پس حضور اقدس ﷺ اس قصہ پر ہنسے‘ میں نے پوچھا‘ کہ اس میں کونسی بات پر‘ انہوں نے کہا کہ سعد رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر۔‘‘

ف: چونکہ اس قصہ میں اس کا شبہ ہو گیا تھا کہ اس کے پاؤں اٹھنے اور ستر کھل جانے پر تبسم فرمایا ہو‘ اس لیے مکرر دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی‘ انہوں نے فرمادیا کہ یہ نہیں بلکہ میرے حسن نشانہ اور اس کے باوجود اتنی احتیاط کے تیر لگ جانے پر کہ وہ تو ہوشیاری کر ہی رہا تھا کہ ڈھال کو فوراً ادھر ادھر کر لیتا تھا‘ مگر سعد رضی اللہ عنہ نے بھی تدبیر سے ایسا جڑا کہ فوراً ہی گرا اور مہلت بھی نہ ملی۔

# باب ما جاء فی صفة مزاح رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے مزاح اور دل لگی کے بیان میں

ف: حضور اقدس ﷺ سے مزاح ثابت ہے۔ اور ممانعت بھی وارد ہوئی ہے چنانچہ ترمذی شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں میں اس طرح تطبیق فرمائی ہے کہ کثرت مزاح جو باعث قساوت قلب کا بن جائے یا اللہ جل شانہ کے ذکر وفکر سے روک دے یا ایذائے مسلم کا سبب بن جائے' یا وقار وہیبت گرادے۔ یہ سب ممانعت میں داخل ہے اور جوان سب سے خالی ہو محض دوسرے کی دلداری اور اس کے انبساط کا سبب ہو وہ مستحب ہے چنانچہ عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ خوش طبعی کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی خوش طبعی بجائے گرانی کے مایہ فخر وناز تھی ؎

گر طمع خواہد زمن سلطانِ دیں
خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

نیز نبی کریم ﷺ کے لیے مزاح کی ایک خاص ضرورت بھی تھی وہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ کا ذاتی وقار اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ایک مہینہ کے سفر کی دوری تک آپ کا رعب پہنچتا تھا' اس لیے اگر حضور اکرم ﷺ تبسم اور مزاح کا اہتمام نہ فرماتے تو حاضرین کو رعب کی وجہ سے پاس رہنا مشکل ہو جاتا اور انتفاع کے اسباب مسدود ہو جاتے۔ نیز قیامت تک آنے والے مشائخ واکابر جو حضور ﷺ کے اتباع میں جان توڑ کوشش کرتے ہیں' وہ قصداً تبسم اور مزاح سے گریز کرتے۔ ان کے جملہ خدام کے لیے بھی مشائخ کا یہ طرز مشکلات کا سبب بنتا۔ حق تعالیٰ جل شانہ بے نہایت درود وسلام اس پاک ہستی پر نازل فرمائے جوامت کی ہر سہولت کا دروزہ کھول گئی۔ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو بڑے محدث ہیں کسی نے کہا کہ مذاق بھی ایک آفت ہے' انہوں نے کہا بلکہ سنت ہے مگر اس شخص کے حق میں جو اس کے مواقع جانتا ہو اور اچھا مذاق کرسکتا ہو۔

(۱) حَدَّثَنَا محمود بن غيلان انبانا ابو اسامة عن شريك عن عاصم الاحوال عن انس بن مالكؓ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَهٗ يَا ذَا الْاُذُنَيْنِ قال محمود قال ابو

اسامة يعني يمازحه

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک مرتبہ مزاحاً یاذاالاذنین فرمایا اے دو کانوں والے۔''

ف: کان تو سب ہی کے دو ہوتے ہیں' ان کو جو دو کانوں والا فرمایا تو کوئی مقامی خصوصیت ہوگی۔ مثلاً ان کے کان بڑے ہوں گے یا تیز ہوں گے کہ بات دور سے سن لیتے ہوں گے' یہی اقرب ہے۔

(۲) حدثنا هناد بن السرى حدثنا وكيع عن شعبة عن ابى التياح عن انس بن مالك قال ان كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَيُخَالِطُنَا حَتّٰى يَقُوْلَ لِاَخٍ لِّيْ صَغِيْرٍ يَا اَبَا عُمَيْرُ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ قال ابو عيسٰى وفقه هٰذا الحديث ان النبى صلی اللہ علیہ وسلم كان يمازح وفيه انه كنى غلاما صغيرا فقال له يا ابا عمير وفيه ان لا باس ان يعطى الصبى الطير ليلعب به وانما قال له النبى صلی اللہ علیہ وسلم يا ابا عمير ما فعل النغير لانه كان له نغير فيلعب به فمات فحزن الغلام عليه فمازحه النبى صلی اللہ علیہ وسلم فقال يا ابا عمير ما فعل النغير

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ میل جول میں مزاح فرماتے تھے' چنانچہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے یا ابا عمیر! ما فعل النغیر' اے ابوعمیر وہ نغیر کہاں جاتی رہی۔''

ف: نغیر ایک جانور ہے' جس کا ترجمہ علماء لال سے کرتے ہیں۔ صاحب حیوۃ الحیوان نے بلبل لکھا ہے' امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچہ کو کنیت سے تعبیر فرمایا' اس نے ایک جانور پال رکھا تھا' وہ مر گیا تھا جس کی وجہ سے یہ رنجیدہ بیٹھا تھا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھیڑنے کے لیے پوچھا' کہ وہ نغیر کیا ہوا؟ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ وہ مر گیا۔ یہ حدیث ایک مسئلہ مختلف فیہ میں حنفیہ کی تائید بھی ہے' وہ مسئلہ یہ ہے کہ حرم مدینہ کا شکار شافعیہ کے نزدیک حرم مکہ کے شکار کے حکم میں ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک دونوں میں فرق ہے حرم مکہ میں شکار جائز نہیں بخلاف حرم مدینہ کے کہ وہاں جائز ہے' چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر انکار نہ فرمانا منجملہ دلائل کے ایک دلیل ہے اور تفسیر کتب فقہ وحدیث میں موجود ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ ابوعمیر ان کی پہلے ہی سے کنیت تھی' یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ابتداءً کنیت سے تعبیر فرمایا' بعض علماء نے اس حدیث میں سو سے زائد مسائل اور فوائد بتائے ہیں' اس ذات کے قربان جس کے ایک

مذاقی فقرہ میں سو سو مسائل ہوتے ہوں۔ اور ان علماء کی قبروں کو حق تعالیٰ شانہ سراپا نور بنائے جنہوں نے اپنے رسول اکرم ﷺ کے مبارک کلام کی اس قدر خدمت کی کہ ایک ایک حدیث سے کتنے کتنے مسائل استنباط کیے' ان کو محفوظ رکھا اور پھیلایا' اس حدیث میں ایک اشکال یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس میں جانور کا پنجرہ وغیرہ میں بند کرنا اور بچہ کا اس سے کھیلنا وارد ہے۔ یہ جانور کو عذاب دینا اور ستانا ہے اور جانور کو عذاب دینے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محض بند کرنا یا اس سے دل بہلانا اور کھیلنا عذاب دینا نہیں ہے۔ ستانا اور عذاب دینا دوسری چیز ہے' اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ جانور کا رکھنا اسی کو جائز ہے جو اس کو ستائے نہیں' اس کی خیر خبر رکھے اور جو بچہ ناسمجھ ہو یا سخت دل ہو کہ جانور کو تکلیف پہنچاتا ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

**(۳) حدثنا عباس بن محمد الدوری قال حدثنا علی بن الحسین بن شقیق حدثنا عبداللہ بن المبارک عن اسامة بن زید عن سعید المقبری عن ابی ہریرةؓ قال قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِنَّکَ تُدَاعِبُنَا قَالَ اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا**

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہم سے مذاق بھی فرما لیتے ہیں' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں ہاں مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا۔''

ف: صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوال کا منشاء یہ تھا کہ حضور ﷺ نے مذاق سے منع بھی فرما رکھا ہے اور ویسے بھی بڑائی کی شان کے خلاف ہے کہ یہ وقار کو گراتا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری خوش طبعی اس میں داخل نہیں ہے۔ چنانچہ شروع باب میں اس کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔

**(۴) حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا خالد بن عبداللہ عن حمید عن انس بن مالکؓ اَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ حَامِلُکَ عَلٰی وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور اقدس ﷺ سے درخواست کی کہ کوئی سواری کا جانور مجھے عطا فرما دیا جائے' حضور ﷺ نے فرمایا ایک اونٹنی کا بچہ تم کو دیں گے' سائل نے عرض کیا کہ حضور ﷺ میں بچہ کو کیا کروں گا؟ (مجھے تو سواری کے لیے چاہیے) حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک اونٹ کسی اونٹ کا بچہ ہوتا ہے۔''

ف: سائل کا گمان یہ ہوا کہ وہ چھوٹا نا قابل سواری ہوگا' اس حدیث میں علاوہ مزاح کے اس طرف

بھی اشارہ ہے کہ آدمی کو گفتگو میں دوسرے کی بات کمال غور وفکر سے سننی اور سمجھنی چاہیے۔

**(۵) حدثنا اسحٰق بن منصور حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر عن ثابت عن انس بن مالکؓ** اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ كَانَ اسْمُهٗ زَاهِرًا وَّكَانَ يُهْدِىْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً مِّنَ الْبَادِيَةِ فَيُجَهِّزُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْرُجَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوْهُ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّهٗ وَكَانَ رَجُلًا دَمِيْمًا فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا وَهُوَ يَبِيْعُ مَتَاعَهٗ وَاحْتَضَنَهٗ مِنْ خَلْفِهٖ وَلَا يُبْصِرُهٗ فَقَالَ مَنْ هٰذَا اَرْسِلْنِىْ فَالْتَفَتَ فَعَرَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ لَا يَاْلُوْا مَا اَلْصَقَ ظَهْرَهٗ بِصَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عَرَفَهٗ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ يَّشْتَرِىْ هٰذَا الْعَبْدَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذًا وَاللّٰهِ تَجِدُنِىْ كَاسِدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنَّ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ اَوْ قَالَ اَنْتَ عِنْدَ اللّٰهِ غَالٍ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص جنگل کے رہنے والے جن کا نام زاہر بن حرامؓ تھا وہ جب حاضر خدمت ہوتے' جنگل کے ہدایہ سبزی ترکاری وغیرہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے اور وہ جب مدینہ منورہ سے واپس جانے کا ارادہ کرتے تھے تو حضور اقدس ﷺ شہری سامان خورد ونوش کا ان کو عطا فرماتے تھے' ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زاہر ہمارا جنگل ہے اور ہم اس کے شہر ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کو ان سے خصوصی تعلق تھا' زاہرؓ کچھ بدشکل بھی تھے' ایک مرتبہ کسی جگہ کھڑے ہوئے وہ اپنا کوئی سامان فروخت کرر ہے تھے کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اور پیچھے سے ان کی کولی ایسی طرح بھری کہ وہ حضور ﷺ کو دیکھ نہ سکیں' انہوں نے کہا ارے کون ہے مجھے چھوڑ دے؟ لیکن جب کنکھیوں وغیرہ سے دیکھ کر حضور اکرم ﷺ کو پہچان لیا تو اپنی کمر کو بہت اہتمام سے پیچھے کو کر کے حضور اقدس ﷺ کے سینہ مبارک سے ملنے لگے (کہ جتنی دیر بھی تلبس رہے ہزار نعمتوں اور لذتوں سے بڑھ کر ہے) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کون شخص ہے جو اس غلام کو خریدے؟ زاہرؓ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! اگر آپ مجھے فروخت فرماویں گے تو کھوٹا اور کم قیمت پائیں گے' حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں! اللہ کے نزدیک تو تم کھوٹے نہیں ہو یا

یہ فرمایا کہ بیش قیمت ہو۔''

ف: حضور اقدس ﷺ کا پیچھے سے تشریف لا کر کولی بھر لینا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ لینا تو مزاح تھا ہی' یہ ارشاد بھی مزاح ہی تھا کہ اس غلام کا کوئی خریدار ہے اس لیے کہ حضرت زاہرؓ غلام نہ تھے آزاد تھے۔ مگر حضور ﷺ کا یہ ارشاد بطور فرض اور تشبیہ کے تھا۔ بعض شراح نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صورت میں مزاح ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے بڑی حکمتیں اور اسرار اس میں ہیں اس لیے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے ان کو اپنے سامان کی فروختگی میں نہایت مشغول پایا تو حضور انور ﷺ کو اس میں انہماک اور ان کی توجہ الی اللہ کی کمی کا بظاہر خوف ہوا' اس لیے اول کولی بھری کہ حضور ﷺ کے ساتھ تلبس رجوع الی اللہ کا ذریعہ ظاہر ہے اور پھر تنبیہ کے طور پر ارشاد فرمایا کہ اس غلام کا کوئی خریدار ہے؟ اس لیے کہ جو شخص غیر اللہ میں اس قدر مشغول ہو وہ گویا اپنی خواہشات کا بندہ ہے لیکن حضور ﷺ کے ساتھ اس تلبس سے انابة الی اللہ یعنی اللہ کی طرف توجہ تام حاصل ہو چکی تھی اس لیے حضور ﷺ نے پھر ان کو مژدہ سنایا کہ اللہ کے نزدیک تم کم قیمت نہیں ہو' بلکہ بیش قیمت ہو۔

(٦) حدثنا عبد بن حمید حدثنا مصعب بن المقدام حدثنا المبارك بن فضالة عن الحسنؒ قال اَتَتْ عَجُوْزَةٌ نِالنَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّدْخِلَنِي الْجَنَّةَ فَقَالَ يَا اُمَّ فُلَانٍ اِنَّ الْجَنَّةَ لَا يَدْخُلُهَا عَجُوْزٌ قَالَ فَوَلَّتْ تَبْكِيْ فَقَالَ اَخْبِرُوْهَا اَنَّهَا لَا تَدْخُلُهَا وَهِيَ عَجُوْزٌ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اِنَّا اَنْشَاْنَاهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنَاهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا۔

''حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! دعا فرما دیجیے کہ حق جل شانہٗ مجھے جنت میں داخل فرما دے' حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں بوڑھی عورت داخل نہیں ہو سکتی' وہ عورت روتی ہوئی لوٹنے لگی' حضور ﷺ نے فرمایا' اس سے کہہ دو کہ جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی' بلکہ حق تعالیٰ جل شانہٗ سب اہل جنت عورتوں کو نو عمر کنواریاں بنا دیں گے اور حق تعالیٰ شانہٗ کے اس قول اِنَّآ اَنْشَاْنَاهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنَاهُنَّ اَبْكَارًا الآية میں اس کا بیان ہے جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے' یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں (بیان القرآن) یعنی ہمیشہ کنواریاں ہی رہتی ہیں' صحبت کے بعد پھر کنواریاں بن جاتی ہیں۔

# باب ما جاء فی صفة کلام رسول الله ﷺ فی الشعر

## باب حضور اقدس ﷺ کے ارشادات درباب اشعار

ف: یعنی حضور اقدس ﷺ کا جن اشعار کو پڑھنا یا سننا روایات میں آیا ہے ان کا ذکر۔ شعر اس کلام کو کہتے ہیں جو قصداً مقفیٰ و موزوں بنایا گیا ہو۔ یعنی ارادہ سے شعر کی طرز پر بنایا گیا ہو حضور اقدس ﷺ کا شاعر نہ ہونا قطعی ہے۔ کلام اللہ شریف میں صاف طور سے مذکور ہے بلکہ کفار کے ان مقولوں کو جو وہ حضور اقدس ﷺ کے متعلق جادوگر یا شاعر یا مجنوں ہونا بیان کرتے تھے نہایت تعجب سے ذکر کیا گیا اور آپ کی شاعری کے متعلق صاف ارشاد فرمادیا ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ﴾ ہم نے ان کو یعنی محمد ﷺ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور یہ علم شاعری ان کی شان کے مناسب بھی نہیں ہے۔ پھر جو حضور ﷺ کے کلام میں کہیں کہیں کلام موزوں پایا جاتا ہے۔ وہ بلا قصد پر محمول ہے اور کلام میں بلا قصد موزونیت اگر آجائے تو وہ شعر نہیں کہلاتا۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک درحقیقت یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا شاعر نہ ہونا عجز کی وجہ سے نہیں ہے اس لیے کہ جس شخص کے کلام میں بلا ارادہ موزونیت آجاتی ہو وہ اگر قصداً موزوں بنائے تو کس قدر بے تکلف اور بہترین بنا سکتا ہے لیکن حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کی شان کو اس سے بہت ارفع بنایا تھا اس لیے کبھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی اشعار کی تعریف اور مذمت کے بارے میں روایات مختلف آئی ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر اچھی چیز ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ممنوع اور برا ہے لیکن قول فیصل بھی ایک حدیث میں خود ہی وارد ہو گیا ہے کہ نفس شعر میں کچھ بھلائی یا برائی نہیں ہے۔ مضمون صحیح اور مفید ہے تو شعر اچھی چیز ہے اور مضمون جھوٹ یا غیر مفید ہے تو جو حکم اس مضمون کا ہے وہی حکم شعر کا بھی ہے یعنی جس درجہ میں وہ مضمون ناجائز ہے یا حرام یا مکروہ ہے یا خلاف اولیٰ ہے اسی درجہ میں شعر بھی ہے لیکن بہتر ہونے کی صورت میں بھی اس میں انہماک اور کثرت سے مشغولی ممنوع ہے۔ اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے نو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا علي بن حجر حدثنا شريك عن المقداد بن شريح عن ابيه عن عائشةؓ قَالَتْ قِيْلَ لَهَا هَلْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَمَثَّلُ بِشَيْءٍ مِنَ

الشِّعْرِ قَالَتْ كَانَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ ابْنِ رَوَاحَةَ وَيَتَمَثَّلُ وَيَقُولُ وَيَاتِيْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدْ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کیا حضور اقدس ﷺ کبھی شعر بھی پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ مثال کے طور پر کبھی عبداللہ بن رواحہ کا کوئی شعر بھی پڑھ لیتے تھے (اور کبھی کبھی کسی اور شاعر کا بھی) چنانچہ کبھی طرفہ کا یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا کرتے تھے۔ ویاتیك بالاخبار من لم تزود یعنی تیرے پاس خبریں کبھی وہ شخص بھی لے آتا ہے جس کو تو نے کسی قسم کا معاوضہ نہیں دیا''

یعنی واقعات کی تحقیق کے لیے کسی جگہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے تنخواہ دینا پڑتی ہے سفر خرچ دے کر آدمی کو حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجنا پڑتا ہے۔ مگر کبھی گھر بیٹھے بٹھائے کوئی آ کر خود ہی سارے حالات سنا جاتا ہے۔ کسی قسم کا خرچ بھی اس کے لیے کرنا نہیں پڑتا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ حضور ﷺ نے اپنی مثال ارشاد فرمائی کہ بلا کسی اجرت اور معاوضہ کے گھر بیٹھے جنت دوزخ، آخرت، قیامت، پچھلے انبیاء کے حالات اور آئندہ آنے والے واقعات سناتا ہوں، پھر بھی یہ کافر قدر نہیں کرتے، اس حدیث میں دو شاعروں کا ذکر ہے، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تو مشہور صحابی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور حضور ﷺ کے سامنے ہی غزوۂ موتہ میں شہید ہو گئے تھے۔ طرفہ عرب کا مشہور شاعر ہے۔ ادب کی مشہور کتاب ''سبعہ معلقہ'' میں دوسرا ''معلقہ'' اسی کا ہے۔ اس نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔

(۲) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی قال حدثنا سفیان عن عبدالملك بن عمیر حدثنا ابو سلمة عن ابی هریرةؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْدَقَ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهِ بَاطِلُ وَكَادَ اُمَيَّةُ بْنُ اَبِی الصَّلْتِ اَنْ يُّسْلِمَ

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا ہے وہ لبید بن ربیعہؓ کا یہ کلمہ ہے الا کل شیء ما خلا الله باطل آگاہ ہو جاؤ اللہ جل شانہ کے سوا دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور امیہ بن ابی الصلت قریب تھا کہ اسلام لے آئے!''

ف: لبید ایک مشہور شاعر تھے، لیکن مسلمان ہونے کے بعد سے شعر کہنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ کہتے تھے کہ

مجھے حق تعالیٰ جل شانہ نے اشعار کا نعم البدل عطا فرما دیا یہ مکرم صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں۔ ایک سو چالیس یا اس سے کچھ زیادہ عمر ہوئی' اس کا دوسرا مصرعہ یہ ہے و کل نعیم لا محالة زائل جس کا ترجمہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر نعمت کسی نہ کسی وقت میں زائل ہونے والی ہے۔ اور امیہ بن ابی الصلت بھی ایک مشہور شاعر تھا جو اپنے اشعار میں حقائق باندھتا تھا' قیامت کا قائل تھا لیکن توفیق ایزدی شامل نہ ہوئی' اس لیے مسلمان نہ ہو سکا۔ آٹھویں حدیث کے ذیل میں کسی قدر تفصیل بھی آ رہی ہے۔

**(۳) حدثنا محمد بن المثنی قال انبانا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن الا سود بن قیس عن جندب ابن سفیان البجلی قال اَصَابَ حَجَرٌ اُصْبَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَدُمِیَتْ فَقَالَ هَلْ اَنْتِ اِلَّا اُصْبُعٌ دَمِیْتِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَالَقِیْتِ۔**

''جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک پتھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی میں لگ گیا تھا' جس کی وجہ سے وہ خون آلود ہو گئی تھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے' تو ایک انگلی ہے جس کو اس کے سوا کوئی مضرت نہیں پہنچی' کہ خون آلود ہو گئی' اور یہ بھی رائیگاں نہیں' بلکہ اللہ جل شانہ کی راہ میں یہ تکلیف پہنچی جس کا ثواب ہوگا۔''

ف: اس حدیث میں بھی وہ اشکال کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کیسے فرمایا؟ اس کا مختصر جواب گزر بھی چکا ہے۔ اس خاص جگہ پر یہ بھی ایک جواب دیا جاتا ہے کہ یہ رجز کہلاتا ہے' شعر نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے' کہ ایک آدھ شعر کہنے سے آدمی شاعر نہیں ہوتا' لہٰذا یہ آیت وما علمناه الشعر کے خلاف نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ: دمیت اور لقیت کی تے ساکنہ ہے' مکسورہ نہیں۔ اس صورت میں موزونیت سے بھی نکل گیا۔ بندہ ناچیز کے نزدیک اگر اس کی توجیہ یہ کی جائے کہ یہ شعر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں' بلکہ منقول تھا کسی دوسرے شاعر کے کلام سے تو اس صورت میں کسی اور توجیہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔ چنانچہ واقدیؒ نے اس شعر کو ولید بن ولید کا بتایا ہے۔ اور ابن ابی الدینار نے اپنی کتاب ''محاسبة النفس'' میں ابن رواحہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ دو شاعروں سے کسی ایک شعر کا ورود ممنوع نہیں' اس لیے ممکن ہے کہ دونوں نے یہ شعر کہا ہو۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ قصہ کب کا ہے؟ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ جنگ احد کا ہے اور بعض لوگ اس کو ہجرت سے قبل کا بتاتے ہیں۔

**(۴) حدثنا محمد بن بشار حدثنا یحیی بن سعید حاثنا سفیان الثوری حدثنا**

ابو اسحٰق عن البراء بن عازبؓ قَالَ قَالَ لَهٗ رَجُلٌ اَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یٰاَبَاعُمَارَۃَ فَقَالَ لَا وَاللّٰہِ مَاوَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلٰکِنْ وَلّٰی سَرَعَانُ النَّاسِ تَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی بَغْلَتِہٖ وَاَبُوْ سُفْیَانَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اٰخِذٌ بِلِجَامِھَا وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ۔

''براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا' کیا تم سب لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جنگ حنین میں بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت نہیں پھیری' بلکہ فوج میں سے بعض جلد بازوں نے (جن میں اکثر قبیلہ بنی سلیم اور مکہ کے نومسلم نوجوان تھے) قبیلہ ہوازن کے سامنے کے تیروں کی وجہ سے منہ پھیر لیا تھا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (جن کے ساتھ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہونا ظاہر ہے) اپنے خچر پر سوار تھے اور ابوسفیانؓ اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت یہ فرما رہے تھے۔''

**انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب! انا النبی لا کذب' انا ابن عبد المطلب**

''میں بلاشک وشبہ نبی ہوں اور عبدالمطلب کی اولاد (پوتا ہوں)''

ف: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپؐ کو بجائے باپ کے اپنے دادا عبدالمطلب کی طرف اس لیے نسبت کیا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ کی اطلاع کفار قریش کو دی تھی' اور یہ وقت گویا اس کی تصدیق کرتا تھا' بعض نے یہ وجہ بتائی ہے کہ چونکہ آپؐ کے والد کا انتقال زمانہ حمل ہی میں ہو گیا تھا' اس لیے آپؐ ابن عبدالمطلب ہی کے ساتھ مشہور تھے' نیز یہ بھی کہا گیا کہ چونکہ عبدالمطلب مشہور سردار تھے اس لیے شہرت کی وجہ سے اس طرف نسبت فرمائی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ کفار میں یہ بات مشہور تھی کہ عبدالمطلب کی اولاد میں ایک شخص پیدا ہوگا جس سے لوگوں کو ہدایت ہوگی' وہ خاتم النبیین ہوں گے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نسبت کے ساتھ ان لوگوں کو یہ مشہور چیز یاد دلائی۔ غزوۂ حنین ۸ھ میں ہوا ہے' قبائل عرب ایک زمانہ سے اپنے اسلام لانے میں فتح مکہ کے منتظر تھے' اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قبضہ کر لیا تب تو سمجھو کہ آپ غالب ہیں اور بے چون و چرا اطاعت کرو' اور اگر مکہ مکرمہ فتح نہ ہو تو سمجھ لو کہ یہ غالب نہیں ہو سکتے۔ بالآخر جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا

تو قبیلہ ہوازن وغیرہ نے بھی جو مواضع حنین وغیرہ کے رہنے والے تھے اپنی قسمت آزمائی کا فیصلہ چاہا اور چند قبائل نے مل کر یکجائی لڑائی کے خیال سے حنین میں جو مکہ مکرمہ سے طائف وعرفات کی جانب میں تقریباً دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے مجتمع ہوئے۔ ہر چند کہ بعض تجربہ کار بوڑھوں نے ان کو اس ارادہ سے روکا۔ مگر بعض جوشیلے نوجوانوں نے نہ مانا اور یہ کہا کہ مسلمانوں کو اب تک تجربہ کار لڑنے والوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا' اس لیے غالب ہوتے جارہے ہیں' مبادا ہم پر بھی حملہ کریں' اس لیے خود ہی ابتداء کرنا چاہیے۔ بیس ہزار سے زیادہ مجمع لڑائی کے لیے جمع کرلیا۔ حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو دس بارہ ہزار کا مجمع تیار فرمایا' جس میں مہاجرین وانصار اور فتح مکہ کے نومسلم شریک تھے۔ نیز ایک جماعت کفار مکہ کی بھی شریک تھی' جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئی تھی' ان میں سے بعض لوگ غنیمت کے لالچ سے شریک ہوئے تھے اور بعض لوگ محض لڑائی کا نظارہ دیکھنے گئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ اس لشکر کے ساتھ نو شوال ۸ ھ کو حنین کی جانب روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کو حنین تک پہنچنے کے لیے ایک نہایت تنگ گھاٹی سے گزرنا پڑتا تھا۔ دشمنوں نے اپنے لشکر کو ان پہاڑوں میں چھپا رکھا تھا' جیسے ہی مسلمان وہاں سے گزرے' انہوں نے دفعۃً تیروں کا نشانہ بنایا' مسلمان اس بے خبری کے حملہ سے سخت گھبرائے اور پریشان ہو کر ادھر ادھر متفرق ہوگئے۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے ابتدائی حملہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی' اور وہ پیچھے بھاگے' یہ لوگ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے کہ دفعۃً ان لوگوں نے جو پہاڑوں کے درمیان چھپے ہوئے تھے' چاروں طرف سے حملہ کردیا' یہ مجمع نہایت پریشانی کی حالت میں ادھر ادھر منتشر ہوگیا' حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بجز چند اکابر صحابہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ وغیرہ چند حضرات کے کوئی بھی نہیں رہا۔ اس پریشانی کی حالت میں بعض ضعیف الاسلام لوگوں کا عقیدہ بھی متزلزل ہوا اور بعض نے آوازے اور فقرے کسنا شروع کیے۔ بعض لوگ بھاگ کر مکہ واپس آگئے' اور مسلمانوں کے مغلوب ہوجانے کا مژدہ ان لوگوں کو سنایا جو مسلمان نہ ہوئے تھے' یا ظاہری طور پر اسلام قبول کرلیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا ہاشمی خون اس وقت جوش پر تھا' آپؐ نے اس خوفناک منظر میں اپنی سواری سے اتر کر پیادہ النبی لا کذب فرماتے ہوئے دشمنوں کی فوج کا رخ کیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار اور اصحاب شجرہ کو علیحدہ علیحدہ ایک ایک آواز دی کہ کہاں جارہے ہو؟ ادھر آؤ! آواز کا سننا تھا کہ پریشان حال متفکر جماعت لبیک کہتی ہوئی ایسی جوش محبت میں لوٹی جیسے اونٹنی اپنے بچہ کی طرف لوٹتی ہے' مسلمانوں کا لوٹنا تھا کہ طرفین میں ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی حضور اقدس ﷺ نے زمین

سے کچھ مٹی و کنکریاں وغیرہ اٹھا کر شاہت الوجوہ فرماتے ہوئے لشکر مقابل پر پھینکی، تھوڑی دیر لڑائی کا یہ منظر رہا' اس کے بعد لڑائی کا رخ ایسا پھرا کہ جس میدان میں مسلمان پریشان نظر آ رہے تھے اب کافر بدحواس بھاگتے ہوئے نظر آنے لگے۔ اور اپنا مال ومتاع اہل وعیال مسلمانوں کے لیے مال غنیمت بنا کر ایسے بھاگے کہ ادھر کا رخ بھی نہ کیا۔ قصہ حسب ضرورت مختصر طور سے لکھا گیا' جو صاحب مفصل دیکھنا چاہیں کسی اردو اسلامی تاریخ میں دیکھ لیں۔

یہاں پر ایک امر پر تنبیہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق صرف ایک دو روایت دیکھنے سے کسی قسم کا اشکال پیدا کر لینا یہ علم کی کوتاہی ہے' کسی ایک دو حدیثوں میں اکثر واقعہ کی پوری تفصیل نہ آ سکتی ہے نہ مقصود ہوتی ہے۔ ہر واقعہ کے متعلق اگر کوئی رائے قائم کرنا ہو تو جب تک اس واقعہ کے پورے حالات سامنے نہ ہوں' رائے زنی بے محل ہے۔ اسی جنگ حنین کے متعلق کسی مختصر تاریخ کو دیکھ کر یا ایک دو حدیثوں کا ترجمہ دیکھ کر یہ خیال کرنا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ساری جماعت یا یہ پورا لشکر دس ہزار کا بھاگ گیا تھا اور بجز دو چار نفر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی بھی نہیں رہا تھا۔ واقعہ کے خلاف ہونے کے علاوہ عقل سے بھی دور ہے۔ کفار کی جماعت چوبیس ہزار سے زیادہ تھی' اس کو کیا مشکل تھا کہ دو چار نفر کا محاصرہ کر لیتی' جب کہ سب بھاگ چکے تھے' چہ جائیکہ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تھے' کوئی بھی ساتھ نہ تھا' زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو لڑائیوں کے حالات سے واقف ہوتے ہیں' لشکروں کی ترتیب اور حملہ کے حالات پر بصیرت رکھتے ہیں' وہ کسی ایسی روایت سے متعجب یا متاثر ہوں۔ لشکر کی عام ترتیب کے موافق پانچوں حصوں پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کی بھی ترتیب فرمائی تھی' مقدمۃ الجیش (لشکر کا اگلا حصہ) میمنہ' میسرہ (دایاں' بایاں حصہ) قلب یعنی درمیانی حصہ جس میں امیر لشکر کی حیثیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز تھے اور پانچواں حصہ لشکر کا پچھلا حصہ اس کے علاوہ ہر ہر جماعت کا مستقل حصہ تھا' جس کا ایک امیر مستقل جھنڈا لیے ہوئے تھا۔ اس کی جماعت اس کے ساتھ تھی۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور حضرت علی' سعد بن ابی وقاص' اسید بن حضیر' خباب بن منذر رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ حضرات ایک ایک جماعت کے امیر بنے ہوئے اپنی اپنی مقررہ جگہ پر مامور تھے۔ مقدمۃ الجیش میں قبیلہ بنی سلیم کی جماعت تھی' جس کا جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ جماعت لشکر کا اگلا حصہ تھی' اس جماعت کے ساتھ یہ قصہ پیش آیا کہ جب یہ گھاٹیوں کے درمیان سے نکلے تو دشمنوں نے اول پسپائی اختیار کی جس کی وجہ سے ان کو آگے بڑھنے اور اپنے کو غالب سمجھ کر مال غنیمت کی

طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ملا۔ اور چھپے ہوئے دشمنوں نے چاروں طرف سے تیر برسانا شروع کر دیا' ایسی صورت میں اس جماعت کی پسپائی بھی فطری چیز تھی اور ان کی پسپائی سے تمام لشکر میں تشویش' انتشار' ادھر ادھر دوڑنا ضروری تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ لینا کہ سارا ہی لشکر بھاگ گیا تھا پورے حالات پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ عبدالرحمٰنؒ ایک شخص کا قول نقل کرتے ہیں جو اس وقت کافر تھا کہ ہم نے جب مسلمانوں پر حنین میں حملہ کیا اور ان کو پیچھے ہٹانا شروع کیا تو وہ ہمارے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ اور پیچھے ہٹتے رہے ہم لوگ ان کا تعاقب کرتے رہے اور آگے بڑھتے رہے۔ بڑھتے بڑھتے ہم ایک ایسے شخص تک پہنچے جو سفید خچر پر سوار تھے' اور نہایت حسین چہرہ والے۔ لوگ ان کے گرد جمع تھے' انہوں نے ہم کو دیکھ کر شاھت الوجوہ ارجعوا کہا۔ یہ کہنا تھا کہ ہم مغلوب ہونا شروع ہو گئے' اور وہ جماعت ہم پر چڑھ گئی۔ اسی بناء پر حضرت براء رضی اللہ عنہ نے شمائل کی روایت میں جو اوپر گزری' یہ کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ نہیں پھیرا' بلکہ کچھ تیز رو لوگ جو تیروں کی بوچھاڑ برداشت نہ کر سکے بھاگے تھے' اس کے ساتھ ہی یہ قصہ بھی پیش آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس راستے سے بڑھ رہے تھے' اس کو ترک فرما کر دائیں جانب کو بڑھنا شروع کیا' غور کی بات ہے کہ اس انتشار کی حالت میں لشکر کے اکثر حصہ کو کیسے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کس جانب کو بڑھنے کا ارادہ فرمایا؟ ایسی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ایک وقت میں سو آدمیوں کا رہ جانا جیسا کہ ایک روایت میں وارد ہے اور ایک موقعہ پر اسی کا رہ جانا جیسا کہ دوسری روایت میں وارد ہے حتیٰ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر کو تیزی سے بڑھایا تو سامنے سے لوگ ہٹتے رہے۔ اور صرف بارہ آدمی رہ گئے' اور اس کے بعد صرف وہ چار شخص رہ گئے جو خچر کی باگ اور رکاب تھامے ہوئے تھے' یا رکاب وغیرہ پکڑے ہوئے تھے' حتیٰ کہ جب خچر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے موافق نہ بڑھ سکا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سے اتر کر تن تنہا کنکریوں کی ایک مٹھی لے کر ان کی طرف بڑھ گئے' یہی وقت ہے جس کو بخاری شریف کی روایت میں اس سے تعبیر کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تھے' کوئی بھی ساتھ نہ تھا' اس کے ساتھ ایک اجمالی مضمون اپنے ذہن میں یہ ہونے سے کہ اس جنگ میں لوگ بھاگ گئے تھے' یہ تجویز کر لینا کہ سارے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بھاگ گئے تھے پورے واقعات پر نظر نہ ہونے کا ثمرہ ہے' چونکہ پورے لشکر میں انتشار تھا اور یقیناً بہت سے لوگ بھاگ بھی رہے تھے' بلکہ بعض لوگ اس ہزیمت سے خوش بھی ہو رہے تھے۔ جیسا کہ مفصل واقعات میں مذکور ہے' ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی' جیسا کہ انتشار کے وقت لازمی نتیجہ ہے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے جو نہایت بلند آواز تھے‘ لوگوں کو آوازیں دلوائیں اور مہاجرین‘ انصار‘ اصحاب شجرہ وغیرہ جماعتوں کو علیحدہ علیحدہ آواز دلوائی‘ جس کے سننے پر وہ سب پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے‘ اور دوسرے حملہ میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ تھا۔ بہر حال اس مضمون میں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت کتنے آدمی تھے؟ مختلف روایتیں ہیں‘ اور ہر روایت اپنے اپنے موقع پر چسپاں ہے‘ حتیٰ کہ صحیح بخاری کی روایت کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا تھے کوئی ساتھ نہ تھا بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر سے اتر کر آگے بڑھ کر ان پر کنکریاں یا مٹی پھینکی تو سب ہی اس وقت پیچھے رہ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بڑھے چلے جا رہے تھے۔ لیکن کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے کہ جتنے کسی وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے‘ ان کے علاوہ باقی سب ہی بھاگ گئے تھے۔

**(۵) حدثنا اسحٰق بن منصور حدثنا عبدالرزاق حدثنا جعفر بن سلیمان انبانا ثابت عن انس ؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَکَّۃَ فِیْ عُمْرَۃِ الْقَضَاءِ وَابْنُ رَوَاحَۃَ یَمْشِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَھُوَ یَقُوْلُ خَلُّوْا بَنِی الْکُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِہٖ اَلْیَوْمَ نَضْرِبُکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِہٖ ضَرْبًا یُزِیْلُ الْھَامَ عَنْ مَقِیْلِہٖ وَیُذْھِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِہٖ فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ یَا ابْنَ رَوَاحَۃَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَفِیْ حَرَمِ اللّٰہِ تَعَالٰی تَقُوْلُ شِعْرًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَلِّ عَنْہُ یَا عُمَرُ خَلِّ عَنْہُ یَا عُمَرُ فَلَھِیَ اَسْرَعُ فِیْھِمْ مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ**

”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عبداللہ بن رواحہ ؓ (اپنی گردن میں تلوار ڈالے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے) آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے خلوا......الخ اے کافرزادو! ہٹو۔ آپ کا راستہ چھوڑ دو۔ آج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ آنے سے روک دینے پر جیسا کہ تم گزشتہ سال کر چکے ہو۔ ہم تم لوگوں کی ایسی خبر لیں گے کہ کھوپڑیوں کو تن سے جدا کر دیں گے اور دوست کو دوست سے بھلا دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو روکا کہ اللہ کے حرم میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر پڑھتے جا رہے ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عمر روکو مت یہ اشعار ان پر اثر کرنے میں تیر برسانے سے زیادہ سخت ہیں۔“

ف: ۶ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا تھا۔ لیکن کفار مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

موضع حدیبیہ میں روک دیا تھا۔ اس وقت جو شرائط فریقین میں ٹھہری تھیں۔ ان میں یہ بھی تھا کہ سال آئندہ آ کر اپنا عمرہ پورا کر لیں۔ اس معاہدہ کی بناء پر ذیقعدہ ۷ھ میں حضور اقدس ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا۔ یہ عمرہ حنفیہ کے نزدیک پہلے عمرہ کی قضاء ہے۔ اور اس عمرہ کا نام عمرۃ القضاء ہونا بھی حنفیہ ہی کی تائید کرتا ہے۔ بعض ائمہ شافعیہ وغیرہ کا اس میں خلاف ہے۔ اس کی بحث شروع حدیث میں مفصل مذکور ہے۔ اسی سفر میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ اور باعزت و شوکت عمرہ سے فراغت فرما کر حسب قرار داد تین دن مکہ مکرمہ قیام فرمایا۔ اور پھر مدینہ منورہ کو واپسی ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے ادب اور حرم کے احترام کی رعایت سے ابن رواحہؓ کو منع فرمایا۔ لیکن حضور اقدس ﷺ نے مقامی اور وقتی مصلحت سے کہ اشعار بھی لسانی جہاد ہے اس کو باقی رکھا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے قرآن پاک میں شعر کی مذمت نازل فرمائی تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی اور یہ زبانی جہاد بھی ایسا ہی ہے' گویا کہ تم تیر برسا رہے ہو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اشعار بھی جہاد کے حکم سے ہیں۔ مگر شرائط اور قواعد کی رعایت جیسا کہ اس جہاد میں ضروری ہے' اس میں بھی ہے۔

(٦) حدثنا علي بن حجر انبانا شريك عن سماك بن حرب عن جابر بن سمرةؓ قَالَ جَالَسْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرَ مِنْ مِّائَةِ مَرَّةٍ وَكَانَ اَصْحَابُهٗ يَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ وَيَتَذَاكَرُوْنَ اَشْيَاءَ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ سَاكِتٌ وَرُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ

''جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سو مجلسوں سے زیادہ بیٹھا ہوں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم اشعار پڑھتے تھے۔ اور جاہلیت کے زمانے کے قصے قصائص نقل فرماتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ (ان کو روکتے نہیں تھے) خاموشی سے سنتے تھے بلکہ کبھی کبھی ان کے ساتھ ہنسنے میں شرکت فرماتے تھے۔''

ف: یعنی ان تذکروں میں کوئی ہنسی کی بات ہوتی' تو حضور اکرم ﷺ بھی تبسم فرماتے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ سکوت اور خاموشی ناراضی یا گرانی سے نہ تھی بلکہ توجہ باطنی کی وجہ سے ہوتی تھی۔ اس لیے کوئی بات ایسی ہوتی تو حضور اکرم ﷺ بھی تبسم فرماتے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتب وحی فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ جب وحی نازل ہوتی تو مجھے طلب فرما کر

اس کو لکھوا دیا کرتے تھے۔ ہم لوگ جب دنیا کے تذکرے کرتے تو حضور اکرم ﷺ بھی دنیا کا تذکرہ فرماتے تھے۔ اور جب ہم آخرت کے متعلق تذکرہ فرماتے۔ جب ہم کھانے کا کوئی تذکرہ کرتے تو حضور اکرم ﷺ بھی اسی نوع کا تذکرہ فرماتے۔ مطلب یہ ہے کہ جس نوع کا تذکرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کرتے تھے۔ تو حضور اقدس ﷺ کمال شفقت و رأفت کی وجہ سے اسی نوع کے تذکرے ان کی دلداری کے لیے فرماتے۔ یہ نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں صرف دین ہی دین کا تذکرہ ہو۔ اور کوئی تذکرہ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں نہ آئے کہ ان مختلف انواع کے تذکروں سے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ محبت اور موانست بڑھتی تھی۔ اور جب ایک ہی نوع کا ذکر ہر وقت رہے تو بسا اوقات توحش کا سبب بن جاتا ہے۔ بالخصوص اجنبی کے لیے ایک اجانب عموماً دنیاوی اغراض لے کر آتے ہیں اور یہی تذکرے ان کے تعلقات اور موانست کا سبب بن جاتے ہیں۔

**(۷) حدثنا علی بن حجر انبانا شریك عن عبدالملك بن عمیر عن ابی سلمة عن ابی ہریرةؓ عن النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشْعَرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَتْ بِهَا الْعَرَبُ كَلِمَةُ لَبِیْدٍ اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہِ بَاطِلْ**

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ شاعران عرب کے کلام میں بہترین کلمہ لبید کا یہ مقول ہے الا کل شیء ما خلا اللّٰہ باطل

ف: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اسی باب کے نمبر ۲ پر گزر چکی ہے۔

**(۸) حدثنا احمد بن منیع حدثنا مروان بن معاویة عن عبداللہ بن عبدالرحمن الطائفی عن عمرو ابن الشرید عن ابیه قَالَ كُنْتُ رِدْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْشَدْتُهٗ مِائَةَ قَافِیَةٍ مِنْ قَوْلِ اُمَیَّةَ بْنِ اَبِی الصَّلْتِ كُلَّمَا اَنْشَدْتُهٗ بَیْتًا قَالَ لِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هِیْهِ حَتّٰی اَنْشَدْتُهٗ مِائَةً یَعْنِیْ بَیْتًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كَادَ لَیُسْلِمُ**

''حضرت شرید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت میں نے حضور اکرم ﷺ کو امیہ کے سو شعر سنائے۔ ہر شعر پر حضور ﷺ ارشاد فرماتے تھے اور سناؤ۔ اخیر میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا اسلام لے آنا بہت ہی قریب تھا۔''

ف: اس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے کہ اس کے اشعار میں توحید اعتراف قیامت وغیرہ امور حقہ و

نصائح زیادہ ہوتے تھے۔ یہی وجہ حضور اقدس ﷺ کے سننے کی تھی۔ اور یہی وجہ اس کے قریب عن الاسلام ہونے کی تھی۔ بعض علماء نے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد اس شعر پر تھا۔

لك الحمد والنعماء و الفضل ربنا

فلا شیٔ اعلٰی منك حمدا ولا مجدا

اے ہمارے رب آپ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں اور آپ ہی کے لیے ملک کی تمام نعمتیں ہیں۔ اور آپ ہی کے لیے سب فضیلتیں ہیں نہ آپ سے زیادہ کوئی تعریف کے قابل ہے۔ نہ آپ سے زیادہ کوئی بڑائی والا ہے۔

(۹) حدثنا اسمٰعیل بن موسی الفزاری وعلی بن حجر والمعنی واحد قالا انبانا عبدالرحمن بن ابی الزناد عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رضی الله عنها قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَضَعُ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ یَقُوْمُ عَلَیْهِ قَائِمًا یُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَیَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یُؤَیِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا یُنَافِحُ اَوْ یُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حدثنا اسمٰعیل بن موسی وعلی بن حجر قالا حدثنا ابن ابی الزناد عن ابیه عن عروة عن عائشة رضی الله عنها عن النبی ﷺ مثله

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھایا کرتے تھے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اکرم ﷺ کی طرف سے مفاخرت کریں یعنی حضور ﷺ کی تعریف میں فخریہ اشعار پڑھیں یا حضور ﷺ کی طرف سے مدافعت کریں یعنی کفار کے الزامات کا جواب دیں۔ یہ شک راوی ہے اور حضور اکرم ﷺ یہ بھی فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ جل شانہ روح القدس سے حسان رضی اللہ عنہ کی امداد فرماتے ہیں۔ جب تک کہ وہ دین کی امداد کرتے ہیں۔''

ف: جہاد ہر وقت اور ہر زمانہ میں مختلف انواع سے ہوتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں ایک جہاد سیفی تھا کہ تلوار سے باہم فیصلہ ہو جائے۔ دوسرا جہاد لسانی تھا کہ وقتیہ اشعار و قصائد پڑھے جائیں۔ اور ان اشعار میں قصائد پڑھے جائیں اور ان اشعار میں مقابلے ہوتے تھے۔ اپنے فخر کے واقعات ذکر کیے جاتے تھے۔ جیسا کہ آج کل مناظروں کا طرز ہے۔ ایک مرتبہ بنو تمیم کا وفد آیا۔ ان

کے ساتھ ان کا شاعر اقرع بھی تھا' انہوں نے آ کر حضور اکرم ﷺ کو مناظرانہ دعوت اشعار اور فخریہ مضامین بیان کرنے کی دعوت دی۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری بعثت نہ تو اشعار کے لیے ہے نہ فخر کے لیے۔ تاہم یہ مناظرہ بھی کر لو' اول ان کا مقرر کھڑا ہوا' تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس کو حکم فرمایا کہ اس کے جواب میں تقریر کریں۔ اس کے بعد ان کا شاعر کھڑا ہوا۔ جس کے جواب کے لیے حضور اقدس ﷺ نے حضرت حسانؓ کو حکم فرمایا' دونوں مناظروں میں مسلمانوں کو غلبہ رہا' اور سب سے اول ان کا شاعر مسلمان ہوا۔ غرض اشعار کا مقابلہ اس وقت کا عام دستور تھا' اور یہ اشعار کثرت سے نقل کیے جاتے تھے اور یہ اشعار ان پر موثر بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ اسی باب کی پانچویں حدیث میں یہ مضمون بھی گزر چکا ہے۔ مسلم شریف میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد وارد ہے کہ ہجو قریش کے لیے تیر برسانے سے زیادہ نافع ہے۔ مشکوۃ شریف میں استیعاب سے نقل کیا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے اشعار کے بارے میں استمزاج کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مومن اپنی تلوار سے جہاد کرتا ہے' اور زبان سے بھی۔ اس قصہ کی ایک روایت میں ہے کہ واللہ یہ اشعار ان پر ایسے جا کر لگتے ہیں جیسے تیر۔

❀❀❀

# باب ما جاء فی کلام رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی السمر

## باب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام رات کو قصہ گوئی میں

ف: یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قصے کہانی نقل فرمائے ہیں ان کا نمونہ۔ دو حدیثیں مصنفؒ نے اس میں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا الحسن بن صباح البزار حدثنا ابو النضر حدثنا ابو عقیل الثقفی عبدالله بن عقیل عن مجالد عن الشعی عن مسروق عن عائشة قالت حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ نِسَآءَهُ حَدِيْثًا فَقَالَتِ امْرَءَةٌ مِنْهُنَّ كَأَنَّ الْحَدِيْثَ حَدِيْثُ خُرَافَةَ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَاخُرَافَةُ اِنَّ خُرَافَةَ كَانَ رَجُلًا مِّنْ عُذْرَةَ اَسَرَتْهُ الْجِنُّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَكَثَ فِيْهِمْ دَهْرًا ثُمَّ رَدُّوْهُ اِلَى الْاِنْسِ فَكَانَ يُحَدِّثُ النَّاسَ بِمَا رَاٰى فِيْهِمْ مِنَ الْاَعَاجِيْبِ فَقَالَ النَّاسُ حَدِيْثُ خُرَافَةَ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو ایک قصہ سنایا ایک عورت نے کہا یہ قصہ حیرت اور تعجب میں بالکل خرافہ کے قصوں جیسا ہے (عرب میں خرافہ کے قصے ضرب المثل تھے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ جانتی بھی ہو خرافہ کا اصل قصہ کیا تھا؟ خرافہ بنو عذرہ کا ایک شخص تھا جس کو جنات پکڑ کر لے گئے تھے ایک عرصہ تک انہوں نے اس کو اپنے پاس رکھا پھر لوگوں میں چھوڑ گئے۔ وہاں کے زمانہ قیام کے عجائبات وہ لوگوں سے نقل کرتا تھا تو وہ متحیر ہوتے تھے اس کے بعد سے لوگ ہر حیرت انگیز قصے کو حدیث خرافہ کہنے لگے۔''

ف: ممکن ہے کہ اس شخص کا نام کچھ اور ہو اس کے قصوں کو لوگ جھوٹ اور من گھڑت سمجھتے تھے اس لیے وہ شخص خرافہ سے مشہور ہو گیا۔ زمانہ جاہلیت میں جنات کا نہایت غلبہ اور زور تھا وہ نہایت کثرت سے لوگوں کو ستاتے تھے لے جاتے تھے ان سے باتیں کرتے تھے عورتوں سے صحبت کرتے تھے، جن کے واقعات مشہور ہیں۔ اسلام کے بعد ان کا زور گھٹ گیا حتیٰ کہ بعض لوگ تو اس کے قائل ہو گئے کہ جنات کا وجود پہلے تھا اب ہے ہی نہیں لیکن یہ صحیح نہیں البتہ یہ صحیح ہے کہ ان کا وہ زور نہیں رہا۔ چنانچہ

حضور اکرم ﷺ کے اس عالم میں تشریف آوری کے وقت کے واقعات اور جنات کی حیرانی پریشانی اور گریہ ونوحہ کے واقعات اس کے شاہد ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کاہن کی محبوبہ جنّیہ کے حسرت بھرے اشعار اور جنات کی ذلت ونکبت کا حال ذکر کیا ہے۔ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں بہت سے واقعات اس کے ذکر کیے ہیں۔

**(۲) حدیث اُمِّ زَرعٍ حدثنا علی بن حجر قال اخبرنا اخبرنا عیسی بن یونس بن ھشام بن عروۃ عن اخیہ عبداللہ بن عروۃ عن عروۃ عن عائشۃؓ قالت جَلَسَتْ اِحْدٰی عَشَرَۃَ امْرَأَۃً فَتَعَاھَدْنَ وَتَعَاقَدْنَ اَنْ لَّا یَکْتُمْنَ مِنْ اَخْبَارِ اَزْوَاجِھِنَّ شَیْئًا فَقَالَتْ**

”حدیث ام زرع۔ یہ باب مذکور کی دوسری حدیث ہے لیکن چونکہ اس کا قصہ طویل ہے اور نیز مشہور ہے چنانچہ اس پر مستقل تصانیف بھی کی گئی ہیں اس لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو ذرا ممتاز کر دیا۔ اس حدیث کے نام بھی مختلف ہیں مگر مشہور نام یہی ہے چونکہ قصہ طویل ہے اس لیے ہر ہر عورت کا قصہ علیحدہ علیحدہ مع اس کے فائدے کے بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ گیارہ عورتیں یہ معاہدہ کر کے بیٹھیں کہ اپنے اپنے خاوند کا پورا حال سچا سچا بیان کر دیں کچھ چھپائیں نہیں۔“

ف: ان گیارہ عورتوں کے نام صحیح روایات سے ثابت نہیں۔ اگرچہ بعض روایات میں بعض کا نام آتا ہے۔ یہ عورتیں یمنی یا حجازی تھیں ان کے ناموں میں بہت اختلاف ہے اس لیے نام حذف کر دیئے گئے ان کے خاوند دوسری جگہوں پر اپنی اپنی ضروریات میں گئے ہوئے تھے یہ خالی تھیں دل بہلانے کو باتیں شروع ہو گئیں اور یہ معاہدہ قرار پایا کہ ہر عورت اپنے خاوند کا صحیح صحیح حال بیان کرے۔

**۱۔ قَالَتِ الْاُوْلٰی۔ زَوْجِیْ لَحْمُ جَمَلٍ غَثٍّ عَلٰی رَأْسِ جَبَلٍ وَعْرٍ لَا سَھْلٍ فَیُرْتَقٰی وَلَا سَمِیْنٍ فَیُنْتَقٰی**

”ایک عورت ان میں سے بولی کہ میرا خاوند ناکارہ دبلے اونٹ کے گوشت کی طرح ہے (گویا بالکل گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جس میں زندگی باقی نہیں رہی اور گوشت بھی اونٹ کا جو مرغوب بھی نہیں ہوتا) اور گوشت بھی سخت دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہو کہ نہ پہاڑ کا راستہ سہل ہے جس کی وجہ سے وہاں چڑھنا ممکن ہو اور نہ وہ گوشت ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے سو

وقت اٹھا کر اس کے اتارنے کی کوشش کی ہی جائے اور اس کو اختیار کیا ہی جائے۔"

ف: مطلب یہ کہ وہ ایک بیکار ہستی ہے جس سے کسی کو جانی یا مالی نفع نہیں ہے اور پھر اس کے باوجود متکبر اور بد خلق بھی اس درجہ کا ہے کہ اس تک رسائی بھی مشکل ہے۔ نہ ملتے بن پڑے نہ چھوڑتے بن پڑے کسی مصرف کی دوا نہیں ہے محض بیکار ہے اور بد خلقی اور سخت مزاجی کی وجہ سے اس تک رسائی بھی مشکل ہے۔

(۲) قَالَتِ الثَّانِيَةُ۔ زَوْجِي لَا أُثِيرُ خَبَرَهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ لَا أَذَرَهُ أَنْ أَذْكُرَهُ أَذْكُرْ عُجَرَهُ وَبُجَرَهُ

"دوسری بولی (کہ میں اپنے خاوند کی بات کہوں تو کیا کہوں؟ اس کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتی) مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر اس کے عیوب شروع کروں تو پھر خاتمہ کا ذکر نہیں اگر کہوں تو ظاہری اور باطنی عیوب سب ہی کہوں۔"

ف: مقصود یہ ہے کہ میں اس کے عیوب کو گنواؤں تو کہاں تک گنواؤں؟ سراپا عیب ہے کسی میں دو چار عیب ہوں تو ان کو گنوا بھی دے اور جس میں عیوب ہی عیوب ہیں کہاں تک گنوائے۔ کس کس کو جتائے اتنی لمبی داستان ہے کہ سننے والے اکتا جائیں۔ بعض شراح نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس نے معاہدہ کے خلاف اپنے خاوند کی بات کہنے سے انکار کر دیا مگر صحیح یہ ہے کہ اس نے مختصر الفاظ میں سب ہی کچھ کہہ دیا کہ وہ مجسمہ عیوب ہے اس کے عیوب شمار سے باہر ہیں۔

(۳) قَالَتِ الثَّالِثَةُ۔ زَوْجِي الْعَشَنَّقُ إِنْ أَنْطِقْ أُطَلَّقْ فَإِنْ أَسْكُتْ أُعَلَّقْ

"تیسری بولی کہ میرا خاوند لم ڈھینگ ہے یعنی بہت زیادہ لمبے قد کا آدمی ہے اگر میں کبھی کسی بات میں بول پڑوں تو فوراً طلاق، اگر چپ رہوں تو اُدھر میں لٹکی رہوں۔"

ف: اس کے زیادہ لمبے ہونے کو یا تو اس لیے ذکر کیا کہ مشہور قول کے موافق یہ بیوقوفی کی علامت ہوتی ہے اور اگلا کلام اس کی بیوقوفی کا بیان ہے یا اس لیے ذکر کیا کہ بدصورت بھی ہے منارہ کی طرح لمبا جو بلا مناسب مٹاپے کے بدنما ہوتا ہے اور بد خلق بھی ہے کہ اگر کوئی بات بھی زبان سے نکالوں کوئی اپنی ضرورت ظاہر کروں فوراً طلاق دے دے اور چپ رہوں کوئی ضرورت اپنی اس پر ظاہر نہ کروں تو خود اسے کسی بات کی پرواہ نہیں ہے بس یوں ہی اُدھر میں لٹکی رہتی ہوں نہ شوہر والیوں میں شمار کہ شوہروں والی کوئی بات ہی نہیں اور نہ بے شوہر والیوں میں کہ کوئی دوسری جگہ تلاش کروں۔ بعض روایات میں اس عورت کے بیان میں ایک جملہ اور بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں ہر وقت ایسی

رہتی ہوں جیسے کوئی تیز تلوار کی دھار کے نیچے ہو کہ ہر وقت فکر سوار نہ معلوم کب کام تمام ہو جائے۔

(۴) قَالَتِ الرَّابِعَةُ۔ زَوْجِیْ كَلَيْلِ تِهَامَةَ لَا حَرٌّ وَلَا قَرٌّ وَلَا مَخَافَةَ وَلَا سَآمَةَ

''چوتھی نے کہا کہ میرا خاوند تہامہ کی رات کی طرح معتدل مزاج ہے نہ گرم ہے نہ ٹھنڈا نہ اس سے کسی قسم کا خوف نہ ملال۔''

ف: یعنی معتدل مزاج ہے نہ زیادہ چاپلوسی کرتا ہے نہ بیزار رہتا ہے۔ نہ اس کے پاس رہنے سے خوف ہوتا ہے نہ طبیعت اکتاتی ہے۔ اس عورت کا نام مہد بنت ابی ہردمہ بتلایا جاتا ہے۔ تہامہ مکہ مکرمہ اور اس کے گردونواح کو کہتے ہیں وہاں کی رات ہمیشہ معتدل رہتی ہے خواہ دن میں کتنی ہی گرمی ہو۔

(۵) قَالَتِ الْخَامِسَةُ۔ زَوْجِیْ اِنْ دَخَلَ فَهِدَ وَ اِنْ خَرَجَ اَسِدَ وَلَا يَسْأَلُ عَمَّا عَهِدَ

''ت۔ پانچویں نے کہا کہ میرا خاوند جب گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے اور جب باہر جاتا ہے تو شیر بن جاتا ہے اور جو کچھ گھر میں ہوتا ہے اس کی تحقیقات نہیں کرتا۔''

ف: اس عورت کا نام کبشہ بتلایا جاتا ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس نے اپنے خاوند کی مذمت کی یا تعریف کی۔ اس کے کلام سے دونوں باتیں نکل سکتی ہیں۔ لیکن ظاہر تعریف ہی معلوم ہوتی ہے بالجملہ اگر اس کو مذمت قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ گھر میں آ کر چیتے کی طرح بن جاتا ہے نہ بات کا کہنا نہ کام سے غرض' باہر جاتا ہے تو اچھا خاصہ شریفانہ برتاؤ کرتا ہے گھر میں کچھ مصیبت آ جائے اس سے کچھ مطلب نہیں' نہ پوچھنا نہ خبر لینا۔ اور اگر تعریف ہے تو مطلب یہ ہے کہ گھر میں آ کر نہایت بے خبر ہو جاتا ہے۔ کسی بات میں کرچیں نہیں نکالتا۔ خفا نہیں ہوتا۔ ایسا بے خبر رہتا ہے جیسے سونے والا ہوتا ہے' ہم جو چاہیں کھائیں پکائیں وہ کسی چیز میں دخل نہیں دیتا نہ ہم سے ہر بات کی تحقیق کرتا ہے کہ فلاں کام کیوں کیا؟ فلاں بات کیوں ہوئی؟ باہر جاتا ہے تو شیروں کی طرح سے ڈانٹ ڈپٹ خوب دھڑ و کتا ہے گھر میں جو کھانے پینے وغیرہ کی اشیاء ہوں' ان کا مطالبہ اور تحقیقات نہیں کرتا کہ کہاں خرچ کی اور کیوں خرچ کی' جو چیز گھر میں آ گئی گھر والے جس طرح چاہیں اس کو خرچ کریں۔

(۶) قَالَتِ السَّادِسَةُ۔ زَوْجِیْ اِنْ اَكَلَ لَفَّ وَاِنْ شَرِبَ اشْتَفَّ وَاِنِ اضْطَجَعَ الْتَفَّ وَلَا يُوْلِجُ الْكَفَّ لِيَعْلَمَ الْبَثَّ

’’چھٹی بولی کہ میرا خاوند اگر کھاتا ہے تو سب نمٹا دیتا ہے اور جب پیتا ہے تو سب چڑھا جاتا ہے جب لیٹتا ہے تو اکیلا ہی کپڑے میں لپٹ جاتا ہے میری طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا جس سے میری پراگندگی معلوم ہو سکے۔‘‘

ف: اس کے کلام میں بھی تعریف اور مذمت دونوں کہی جاتی ہیں لیکن جیسا کہ پانچویں کے کلام میں تعریف زیادہ ہے اس کے کلام میں مذمت زیادہ ظاہر ہے جیسا کہ ترجمہ سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ اگر مدح ہے جیسا کہ بعض شراح نے کہا ہے تو مطلب یہ ہے کہ جب کھاتا ہے تو سب کچھ کھاتا ہے کہیں میوہ جات ہیں کہیں پھل ہیں مختلف انواع کے کھانے ہیں۔ اور جب پینے کا نمبر آتا ہے تو کبھی دودھ ہے، کبھی شراب ہے، کبھی شربت ہے، غرض سب کچھ پیتا ہے ہر قسم کی چیزیں اس کے دستر خوان پر ہوتی ہیں، خرچ کرنے والا ہے، کنجوس بخیل نہیں ہے کہ مال ہے تو گوشت نہیں ہے پانی ہے تو دودھ نہیں۔ جھگڑوں سے علیحدہ رہتا ہے دوسروں کی پھٹن میں ہاتھ نہیں ڈالتا یعنی تفتیش نہیں کرتا، کوتاہیوں کو تلاش کرتا نہیں پھرتا۔ اور اگر مذمت ہے جیسا کہ اکثر کی رائے ہے تو مطلب یہ ہے کہ جب کھانے کا نمبر آئے تو جو کچھ سامنے ہے سب نمٹا دے گھر والوں کو بچے نہ بچے بھینس کی طرح ساری کونڈ ختم کر دے، پینے کا نمبر آئے تو سارا کنواں چڑھا جائے۔ غیروں اور اجنبیوں کی طرح الگ اپنی چادر میں لپٹ کر سو جائے مجھ سے لپٹنا تو درکنار کبھی بدن کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا کہ میرے دکھ درد کی کوئی خبر لے یا میرے بدن کی گرمی سردی کا کچھ پتہ لے۔

(۷) قَالَتِ السَّابِعَۃُ۔ زَوْجِیْ عَیَایَاءُ اَوْغَیَایَاءُ طَبَاقَاءُ کُلُّ دَاءٍ لَّہٗ دَاءٌ شَجَّكِ اَوْ فَلَّكِ اَوْ جَمَعَ کُلًّا لَّكِ

’’ساتویں کہنے لگی کہ میرا خاوند صحبت سے عاجز نامرد اور اتنا بیوقوف کہ بات بھی نہیں کر سکتا دنیا میں جو کوئی بیماری کسی میں ہوگی وہ اس میں موجود ہے۔ اخلاق ایسے کہ میرا سر پھوڑ دے یا بدن زخمی کر دے یا دونوں ہی کر گزرے۔‘‘

(۷) قَالَتِ الثَّامِنَۃُ۔ زَوْجِی الْمَسُّ مَسُّ اَرْنَبٍ وَالرِّیْحُ رِیْحُ زَرْنَبٍ

’’آٹھویں نے کہا کہ میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح نرم ہے اور خوشبو میں زعفران کی طرح مہکتا ہوا ہے۔‘‘

ف: اس عورت کا نام ناشرہ بنت اوس بتلایا جاتا ہے اس کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ وہ نرم مزاج ہے سخت اور بدخو نہیں اس میں لذت جسمانی اور روحانی دونوں موجود ہیں کہ نازک بدن ہے لپٹنے کو دل

چاہے یا نرم مزاج ہے کہ غصہ کا نام نہیں اس کے ساتھ خوشبو میں مہکتا رہتا ہے۔ بعض روایات میں اس کے بیان میں ایک جملہ اور بھی ہے جس کا ترجمہ ہے کہ میں اس پر غالب رہتی ہوں اور وہ لوگوں پر غالب رہتا ہے یعنی میرا غالب رہنا اس کے عاجز ناکارہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے اس لیے کہ وہ سب پر غالب رہتا ہے بلکہ میری محبت یا اس کی شرافت کی وجہ سے میں غالب رہتی ہوں۔

(۹) قَالَتِ التَّاسِعَةُ۔ زَوْجِیْ رَفِیْعُ الْعِمَادِ عَظِیْمُ الرَّمَادِ طَوِیْلُ النِّجَادِ قَرِیْبُ الْبَیْتِ مِنَ النَّادِ

''نویں نے کہا کہ میرا خاوند رفیع الشان' بڑا مہمان نواز اونچے مکان والا بڑی راکھ والا ہے دراز قد ہے اس کا مکان مجلس اور دارالمشورہ کے قریب ہے۔''

ف: اس عورت نے اپنے اس کلام میں بہت سی تعریفیں کی ہیں۔ اول یہ کہ اس کا گھر اونچا ہے اس سے اگر حقیقت میں بڑی عمارت مراد ہے' تب تو اس کی ریاست اور مالدار ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس لیے کہ اونچا محل مالدار ہی تیار کرائے گا اور اگر اونچے محل سے مکان کا اونچائی پر ہونا مراد ہے جیسا کہ عرب کا دستور تھا کہ سخی اور کریم لوگ اپنا مکان بلندی پر بناتے تھے تاکہ پردیسی مسافر دور سے دیکھ کر چلا آئے تو اس صورت میں اس کے شریف کریم سخی ہونے کی تعریف ہے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ اونچے مکان سے مراد شرافت اور حسب نسب کے اعتبار سے اونچائی مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ اونچے خاندان کا ہے۔ دوسری تعریف اس کی مہمان نوازی کی ہے۔ گھر میں راکھ کا بہت ہونا لازم ہے کثرت سے کھانا پکنے کو جو مہمان نوازی کے لیے لازم ہے۔ تیسری تعریف اس کے دراز قد کی ہے دراز قد ہونا بشرطیکہ اعتدال سے زیادہ نہ ہو مردوں میں ممدوح شمار ہوتا ہے۔ مجلس سے گھر کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذی رائے اور سمجھدار ہے ہر شخص اس سے مشورہ لینے آتا ہے اس لیے گویا اس کا گھر ہر وقت دارالمشورہ رہتا ہے کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی شخص مشورہ کرنے کے لیے آتا ہی رہتا ہے۔ بندہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ بھی محتمل ہے کہ دارالمشورہ سے اپنا گھر قریب رکھتا ہے تاکہ مجمع ہونے والوں کے لیے تواضع وغیرہ میں یہ کہنا نہ پڑے کہ میرا گھر تو دور ہے۔ اس لیے گھر قریب رکھتا ہے تاکہ تواضع سامان میں دیر نہ لگے اور اس کی وجہ سے عذر کرنے کی نوبت نہ آئے۔

(۱۰) قَالَتِ الْعَاشِرَةُ۔ زَوْجِیْ مَالِكٌ وَمَا مَالِكٌ خَیْرٌ مِّنْ ذَالِكَ لَهٗ اِبِلٌ كَثِیْرَاتُ الْمُبَارِكِ قَلِیْلَاتُ الْمَسَارِحِ اِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ اَیْقَنَّ اَنَّهُنَّ هَوَالِكُ

''دسویں نے کہا کہ میرا خاوند مالک ہے مالک کا کیا حال بیان کروں؟ وہ ان سب سے

جواب تک کسی نے تعریف کی ہے یا ان سب تعریفوں سے جو میں بیان کروں گی بہت ہی زیادہ قابل تعریف ہے اس کے اونٹ بکثرت ہیں جو اکثر مکان کے قریب بٹھائے جاتے ہیں۔ چراگاہ میں چرنے کے لیے کم جاتے ہیں وہ اونٹ جب باجہ کی آواز سنتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہلاکت کا وقت آ گیا۔"

ف: اس عورت کا نام کبشہ بنت مالک بتلایا جاتا ہے اس نے اپنے خاوند کی سخاوت کی تعریف کی ہے جس کی توضیح یہ ہے کہ اونٹ اگر چراگاہ میں چرنے جائیں تو ضیافت اور مہمانی کے وقت ان کے واپس آنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور اس کے یہاں ہر وقت مہمانداری رہتی ہے اس لیے اس کے اونٹ چرنے نہیں جاتے گھر ہی کھڑے کر کے کھلائے جاتے ہیں تاکہ مہمانوں کے آنے پر فوراً ذبح کر دیئے جائیں باجے کی آواز کی بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ اس کی عادت ہے کہ جب کوئی مہمان وغیرہ آتا ہے تو اس کی مسرت میں باجے سے اس کا استقبال کرتا ہے تو اس باجہ کی آواز سنتے ہی اونٹ سمجھ لیتے ہیں کہ اب ذبح کا وقت آ گیا کوئی مہمان آیا ہے لیکن عرب کے دستور کے موافق یہ مطلب زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی مہمان آتا ہے تو وہ شراب' کباب' گانے بجانے سے اس کی فوری تواضع کرتا ہے اس آواز سے اونٹ سمجھتے ہیں کہ اب عنقریب کھانے کا وقت آیا چاہتا ہے اس کی تیاری کے لیے ہمارے ذبح کا وقت آ گیا ہے۔

(۱۱) قَالَتِ الْحَادِيَةُ عَشْرَةَ۔ زَوْجِي اَبُوزَرْعٍ وَّمَا اَبُوْ زَرْعٍ اَنَاسَ مِنْ حُلِيٍّ اُذُنَيَّ وَمَلَأَ مِنْ شَحْمٍ عَضُدَيَّ وَبَجَّحَنِي فَبَجَحْتُ اِلَيَّ نَفْسِي وَجَدَنِي فِي اَهْلِ غُنَيْمَةٍ بِشِقٍّ فَجَعَلَنِي فِي اَهْلِ صَهِيْلٍ وَاَطِيْطٍ وَدَائِسٍ وَمُنَقٍّ فَعِنْدَهُ اَقُوْلُ فَلَا اُقَبَّحُ وَاَرْقُدُ فَاَتَصَبَّحُ وَاَشْرَبُ فَاَتَقَمَّحُ اُمُّ اَبِي زَرْعٍ فَمَا اُمُّ اَبِي زَرْعٍ عُكُوْمُهَا رَدَاحٌ وَبَيْتُهَا فَسَاحٌ اِبْنُ اَبِي زَرْعٍ فَمَا ابْنُ اَبِي زَرْعٍ مَضْجَعُهُ كَمَسَلِّ شَطْبَةٍ وَتُشْبِعُهُ ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ بِنْتُ اَبِي ذَرْعٍ فَمَا بِنْتُ اَبِي زَرْعٍ طَوْعُ اَبِيْهَا وَطَوْعُ اُمِّهَا وَمِلْأُ كِسَائِهَا وَغَيْظُ جَارَتِهَا جَارِيَةُ اَبِي زَرْعٍ فَمَا جَارِيَةُ اَبِي زَرْعٍ لَا تَبُثُّ حَدِيْثَنَا تَبْثِيْثًا وَلَا تُنَقِّثُ مِيْرَتَنَا تَنْقِيْثًا وَلَا تَمْلَأُ بَيْتَنَا تَعْشِيْشًا قَالَتْ خَرَجَ اَبُوْ زَرْعٍ وَالْاَوْطَابُ تُمْخَضُ فَلَقِيَ امْرَاَةً مَعَهَا وَلَدَانِ لَهَا كَالْفَهْدَيْنِ يَلْعَبَانِ مِنْ تَحْتِ خَصْرِهَا بِرُمَّانَتَيْنِ فَطَلَّقَنِي فَنَكَحَهَا فَنَكَحْتُ بَعْدَهُ رَجُلًا سَرِيًّا رَكِبَ شَرِيًّا وَاَخَذَ خَطِّيًّا وَاَرَاحَ عَلَيَّ نِعَمًا ثَرِيًّا وَاَعْطَانِي مِنْ كُلِّ رَائِحَةٍ زَوْجًا وَقَالَ

كُلِى أُمَّ زَرْعٍ وَمِيرِى اَهْلَكِ فَلَوْ جَمَعْتُ كُلَّ شَيْءٍ اَعْطَانِيهِ مَا بَلَغَ اَصْغَرَ انِيَةِ اَبِى زَرْعٍ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ لَكِ كَاَبِىْ زَرْعٍ لِاُمِّ زَرْعٍ

''گیارھویں عورت ام زرعہ نے کہا کہ میرا خاوند ابوزرع تھا۔ ابوزرع کی کیا تعریف کروں؟ زیوروں سے میرے کان جھکا دیئے (اور کھلا کھلا کر) چربی سے میرے بازو پر کر دیئے مجھے ایسا خوش وخرم رکھتا تھا کہ میں خود پسندی اور عجب میں اپنے آپ کو بھلی لگنے لگی مجھے اس نے ایک ایسے غریب گھرانہ میں پایا تھا جو بری تنگی کے ساتھ چند بکریوں پر گزر کرتے تھے اور وہاں سے ایسے خوشحال خاندان میں لے آیا تھا جن کے یہاں گھوڑے اونٹ کھیتی کے بیل اور کسان تھے (یعنی ہر قسم کی ثروت موجود تھی اس سب کے علاوہ اس کی خوش خلقی کہ) میری کسی بات پر بھی مجھے برانہیں کہتا تھا۔ میں دن چڑھے تک سوتی رہتی تو کوئی جگا نہیں سکتا تھا کھانے پینے میں ایسی وسعت کہ میں سیر ہو کر چھوڑ دیتی تھی (اور ختم نہ ہوتا تھا) ابوزرع کی ماں (میری خوش دامن) بھلا اس کی کیا تعریف کروں اس کے بڑے بڑے برتن ہمیشہ بھرپور رہتے تھے۔ اس کا مکان نہایت وسیع تھا (یعنی مالدار بھی تھی اور عورتوں کی عادت کے موافق بخیل بھی نہیں تھی اس لیے مکان کی وسعت کی کثرت مراد لی جاتی ہے) ابوزرع کا بیٹا بھلا اس کا کیا کہنا وہ بھی نور علی نور ایسا پتلا دبلا چھریرے بدن کا کہ اس کے سونے کا حصہ (یعنی پسلی وغیرہ) ستی ہوئی ٹہنی یا ستی ہوئی تلوار کی طرح باریک' بکری کے بچہ کا ایک دست اس کے پیٹ بھرنے کے لیے کافی (یعنی بہادر کہ سونے کے لیے لمبے چوڑے انتظامات کی ضرورت نہ تھی۔ سپاہیانہ زندگی ذراسی جگہ میں تھوڑا بہت لیٹ لیا اسی طرح کھانے میں بھی مختصر مگر بہادری کے مناسب گوشت کے دو چار ٹکڑے اس کی غذا تھی) ابوزرع کی بیٹی بھلا اس کی کیا بات ماں کی تابعدار باپ کی فرمانبردار موٹی تازی سوکن کی جلن تھی (یعنی سوکن کو اس کے کمالات سے جلن پیدا ہو عرب میں مرد کے لیے چھریرا ہونا اور عورت کے لیے موٹی تازی ہونا ممدوح شمار کیا جاتا ہے) ابوزرع کی باندی کا بھی کیا کمال بتاؤں ہمارے گھر کی بات کبھی بھی باہر جا کر نہ کہتی تھی۔ کھانے تک کی چیز بھی بے اجازت خرچ نہیں کرتی تھی۔ گھر میں کوڑا کباڑ نہیں ہونے دیتی تھی۔ مکان کو صاف شفاف رکھتی تھی ہماری یہ حالت تھی لطف سے دن گزر رہے تھے کہ ایک دن صبح کے وقت جبکہ دودھ کے برتن

بلوئے جارہے تھے ابوزرع گھر سے نکلا۔ راستہ میں ایک عورت پڑی ہوئی ملی جس کی کمر کے نیچے چیتے جیسے دو بچے اناروں سے کھیل رہے تھے (چیتے کے ساتھ تشبیہ کھیل کود میں ہے اور اناروں سے یا تو حقیقتاً انار مراد ہیں کہ ان کو لڑھکا کر کھیل رہے تھے یا دو اناروں سے اس عورت کے دونوں پستان مراد ہیں) پس وہ کچھ ایسی پسند آئی کہ مجھے طلاق دے دی اور اس سے نکاح کرلیا (طلاق اس لیے دی کہ سوکن ہونے کی وجہ سے اس کو رنج نہ ہو اور اس کی وجہ سے مجھے طلاق دے دینے سے اس کے دل میں ابوزرع کی وقعت ہو جائے) ایک روایت میں ہے کہ اس سے نکاح کرلیا نکاح کے بعد وہ مجھے طلاق دینے پر اصرار کرتی رہی آخر مجھے طلاق دے دی۔ اس کے بعد میں نے ایک اور سردار شریف آدمی سے نکاح کرلیا جو شہسوار ہے اور سپہ گر ہے۔ اس نے مجھے بڑی نعمتیں دیں اور ہر قسم کے جانور اونٹ گائے بکری وغیرہ وغیرہ ہر چیز میں سے ایک ایک جوڑا مجھے دیا اور یہ بھی کہا کہ ام زرع خود بھی کھا اور اپنے میکہ میں جو چاہے بھیج دے۔ لیکن بات یہ ہے کہ اگر میں اس کی ساری عطاؤں کو جمع کروں تب بھی ابوزرع کی چھوٹی سے چھوٹی عطا کے برابر نہیں ہوسکتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سنا کر مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ میں بھی تیرے لیے ایسا ہی ہوں جیسا کہ ابوزرع ام زرع کے واسطے۔''

ف: اس کے بعد اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ مگر میں تجھے طلاق نہیں دوں گا۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر فرمایا کہ حضرت! ابوزرع کی کیا حقیقت۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ میرے لیے اس سے بہت زیادہ بڑھ کر ہیں۔ حق تعالیٰ جل شانہ ہر مسلم زوجین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اس مضمون میں بھی نصیب فرمائیں کہ یہ عفت کا باعث ہوتا ہے۔ آمین۔ بعض علماء نے اس قصہ میں یہ اشکال کیا ہے کہ جن عورتوں نے اپنے خاوندوں کی برائیاں بیان کی ہیں وہ غیبت ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوئی اور اگر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصہ کو ارشاد فرمایا تو اشکال اور بھی قوی ہو جاتا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ غیبت کی حدود میں داخل نہیں ہے کسی غیر معروف شخص کا بیان کرنا جس کو لوگ نہ جانتے ہوں غیبت نہیں ہے۔

❀❀❀

# باب ما جاء فی صفة نوم رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے سونے کا ذکر

ف: یعنی حضور اقدس ﷺ کس طرح سوتے تھے سوتے وقت کیا کیا پڑھتے تھے؟ اس باب میں چھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا محمد بن المثنی انبانا عبدالرحمن بن مهدی انبانا اسرائیل عن ابی اسحق عن عبدالله ابن یزید عن البراء بن عازبؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ وَضَعَ کَفَّهُ الْیُمْنٰی تَحْتَ خَدِّهِ الْاَیْمَنِ وَقَالَ رَبِّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ۔ حدثنا محمد بن المثنی انبانا عبدالرحمن انبانا اسرائیل عن ابی عبیدة عن عبدالله مثله وقال یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَکَ

''حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جس وقت آرام فرماتے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھتے تھے اور یہ دعا پڑھتے تھے رب قنی عذابك یوم تبعث عبادك اے اللہ مجھے قیامت کے دن اپنے عذاب سے بچائیو۔''

ف: حصن حصین میں ہے کہ تین مرتبہ یہ دعا پڑھتے تھے۔ دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ عام معمول تھا جس کو متعدد حضرات نے سنا۔ حضور ﷺ کا معصوم ہونے کے باوجود اس قسم کی دعاؤں کو پڑھنا یا اظہار عبدیت کے لیے ہوتا تھا کہ بندگی کا مقتضی مولیٰ سے مانگنا ہی ہے یا امت کی تعلیم کے لیے۔ اس حدیث سے حضور اقدس ﷺ کا دائیں کروٹ پر سونا معلوم ہوتا ہے اور یہی حضور اکرم ﷺ کا دائمی معمول تھا اسی وجہ سے دائیں کروٹ پر سونا مستحب بھی ہے اور اس میں ایک خاص مصلحت بھی ہے' وہ یہ کہ آدمی کا دل چونکہ سینہ کی بائیں طرف ہوتا ہے اس لیے دائیں کروٹ پر سونے سے وہ اوپر رہتا ہے اور استغراق کی اور گہری نیند نہیں آتی بلکہ آدمی چوکنا سوتا ہے اور اگر بائیں کروٹ پر سوتا ہے تو دل نیچے کی جانب ہوتا ہے اور اس صورت میں گہری نیند آتی ہے اس وجہ سے بعض اطباء نے بائیں جانب سونے کو اچھا بتایا ہے کہ گہری نیند آنے سے ہضم بہتر ہوتا ہے اور یہ صحیح ہے لیکن اس میں ایک مضرت

بھی ہے جس طرف ان کا ذہن نہیں گیا' وہ یہ کہ جب دل نیچے کی جانب ہوگا تو تمام بدن کا زور اس پر پڑے گا اور بدن کا مواد اس پر اثر کرے گا۔ دل اعضائے رئیسہ میں اہم عضو ہے اس پر مواد کا تھوڑا سا اثر ہونا بھی بہت سے امراض کا سبب ہے اس لیے بائیں کروٹ پر سونے میں اگر طبی مصلحت ہے تو ایک طبی مضرت بھی ہے اور مضرت سے بچنا زیادہ اہم ہے اس لیے طبی حیثیت سے بھی دائیں کروٹ پر سونا بہتر ہے اس کے علاوہ دائیں کروٹ پر لیٹنا موت کے بعد قبر میں لیٹنے کی یاد کو تازہ کرتا ہے' اور موت کو یاد کرنے کا حکم بھی ہے اور دینی دنیاوی بہت سے فوائد موت کو یاد رکھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ ان لذتوں کو ختم کرنے والی چیز کو کثرت سے یاد کیا کرے اور حق تو یہ ہے کہ آدمی ایسی چیز کو کیسے بھولے جو بہر حال آنے والی ہے نہ معلوم کب آئے۔

**(۲) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا عبدالرزاق حدثنا سفیان عن عبدالملک بن عمیر عن ربعی بن حراش عن حذیفۃؓ قال کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰی اِلٰی فِرَاشِہٖ قَالَ اللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی وَاِذَا اسْتَیْقَظَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ**

''حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر لیٹتے تو **اللھم باسمک اموت واحیی** پڑھتے تھے یا اللہ تیرے نام ہی سے مرتا (یعنی سوتا) ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ ہوں گا (یعنی سو کر اٹھوں گا) اور جب جاگتے تو یہ دعا پڑھتے تھے **الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور** تمام تعریف اس اللہ جل وعلاء کے لیے ہے جس نے موت کے بعد زندگی عطا فرمائی اور اسی پاک ذات کی طرف قیامت میں لوٹنا ہے (یا زندگی کی پریشانیوں میں وہی مرجع ہے)''

ف: نوم موت کے مشابہ ہوتی ہے اس لیے سونے کو مرنے سے اور جاگنے کو زندگی سے تعبیر کر دیتے ہیں اور اس لیے بھی سوتے وقت دائیں کروٹ پر لیٹنا چاہیے کہ سونا مرنے کا نمونہ ہے چونکہ نیند موت کے مشابہ تھی اس لیے جاگنے کو دوبارہ زندہ ہونے سے تعبیر کیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد یہ بھی سوچنے کی چیز ہے کہ اسی طرح مرنے کے بعد قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا ہے درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہ نے اس دنیا کو آخرت کی مثال بنایا ہے اور عبرت اور غور کے واسطے ہر قسم کی چیزیں یہاں پیدا فرمائیں دنیا کی ساری زندگی ایک خواب سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک آدمی نہایت خوشحال ہے متمول ہے ہر قسم کی راحت کے سامان اس کے پاس موجود ہیں کسی قسم کی اس کو کوئی بھی تکلیف نہیں

ہے وہ خواب میں اگر اپنے کو قید میں کوڑے کھاتا ہوا دیکھے ہر قسم کی مصیبتوں میں گرفتار دیکھے وہ نہیں سمجھ رہا کہ یہ خواب ہے وہ اس سے پریشان بھی ہے رو بھی رہا ہے لیکن دفعتاً آنکھ کھل جاتی ہے اور سب راحت و آرام مل جاتے ہیں اس خواب کی تکلیف کا ذرا بھی احساس اس کو نہیں رہتا۔ اسی طرح ایک دیندار کا حال سمجھ لو وہ اس دنیا میں جتنی بھی تکلیف اٹھائے وہ خواب ہے اگر آنکھ کھلنے کے بعد اس کو ساری راحتیں میسر ہیں تو اس خواب کا کیا اثر اس پر ہو سکتا ہے اس کے بالمقابل حسرت سے غور کرو اس تہی دست پر جو اس خواب میں ہر قسم کے آرام پا رہا ہے مگر آنکھ کھلنے کے بعد وہ جیل خانہ میں ہے کوڑے اس پر پڑ رہے ہیں تو اس خواب کی راحت و آرام کو لے کر وہ کیا چاٹ لے گا۔ ایک بامشقت سزا کا قیدی خواب میں اپنے کو ہفت اقلیم کا بادشاہ بنا ہوا دیکھے لیکن آنکھ کھلنے کے بعد وہ جیل کی اندھیری کوٹھڑی میں ہے ہتھکڑی لگی ہوئی ہے تو اس خواب کی بادشاہت سے اس کو کیا ملا۔ اس گر کو صحابہؓ نے سمجھا تھا اس لیے وہ دنیا میں ہر مشقت کو لطف و لذت سے برداشت کرتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ یہ خواب ہے۔ حق تعالیٰ جل شانہ اپنے لطف سے ہم لوگوں کو بھی یہ دولت نصیب فرما دے تو اس کے کرم سے بعید نہیں۔

(۳) حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا المفضل بن فضالة عن عقيل عن الزهرى عن عروة عن عائشةؓ قالت كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ فَنَفَثَ فِيْهِمَا وَقَرَءَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَاُ بِهِمَا رَاْسَهٗ وَوَجْهَهٗ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَصْنَعُ ذَالِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر شبانہ جب بستر پر لیٹتے تھے تو دونوں ہاتھوں کو دعاء مانگنے کی طرح ملا کر ان پر دم فرماتے اور سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر تمام بدن پر سر سے پاؤں تک جہاں جہاں ہاتھ جاتا ہاتھ پھیر لیا کرتے تھے تین مرتبہ ایسے ہی کرتے سر سے ابتداء فرماتے اور پھر منہ اور بدن کا اگلا حصہ پھر بقیہ بدن پر۔''

ف: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سونے کے وقت مختلف دعائیں پڑھنا بھی ثابت ہے اور کلام اللہ کی مختلف سورتیں پڑھنا بھی ثابت ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی کوئی سورت سوتے ہوئے پڑھے اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ محافظ اس کے لیے مقرر ہو جاتا ہے جو جاگنے کے وقت تک اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سورتوں

کا پڑھنا حدیث بالا میں وارد ہے اس کے علاوہ مسبّحات یعنی ان سورتوں کا پڑھنا جو سبح یسبح سبحان سے شروع ہوتی ہیں وارد ہیں۔ نیز الم السجدۃ اور تبارك الذی کا ہمیشہ پڑھنا وارد ہے نیز آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرہ کی اخیر دو آیتوں کا پڑھنا بھی وارد ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سوتے وقت ہمیشہ قل یایها الکافرون پڑھ کر سویا کرو ان کے علاوہ بہت سی دعائیں پڑھنا بھی حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ [فتح الباری]

(۴) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی حدثنا سفیان عن سلمة بن کهیل عن کریب عن ابن عباسؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ حَتّٰى نَفَخَ وَكَانَ اِذَا نَامَ نَفَخَ فَاَتَاهُ بِلَالٌ فَاٰذَنَهٗ بِالصَّلٰوةِ فَقَامَ وَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ سوئے اور خراٹے لینے لگے۔ حضور اکرم ﷺ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر تیاری نماز کی اطلاع دی حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی وضو نہیں کیا۔ اس حدیث میں ایک قصہ بھی ہے۔''

ف: انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی۔ اس لیے حضور اقدس ﷺ نے وضو نہیں فرمایا۔ اور اس کی وجہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ سونے کی حالت میں انبیاء علیہم السلام کی آنکھ سوتی ہے لیکن دل نہیں سوتا وہ جاگتا رہتا ہے اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے کہ شیطان کے اثر سے وہ محفوظ ہوتے ہیں وہ قصہ جس کی طرف امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اپنی خالہ کے گھر سونے کے متعلق ہے جو آئندہ باب کی پانچویں حدیث میں مفصل مذکور ہے۔ اس باب سے اس کو کچھ تعلق نہیں تھا۔ اس لیے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اختصاراً ترک کر دیا۔

(۵) حدثنا اسحٰق بن منصور حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمة عن ثابت عن انس بن مالكؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَاٰوَانَا فَكَمْ مِّمَّنْ لَا كَافِيَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِيَ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ دعا

پڑھتے۔ **الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا وکفانا واوانا فکم ممن لا کافی له ولا موو ی** تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ عم نوالہ کے لیے ہیں جس نے شکم سیر فرمایا اور سیراب کیا اور ہماری مہمات کے لیے خود کفایت فرمائی اور سونے کے لیے ٹھکانہ مرحمت فرمایا۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو نہ کوئی کفایت کرنے والا ہے نہ کوئی ٹھکانا دینے والا ہے۔''

ف: چونکہ عادت اللہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ جل جلالہ عم نوالہ پر اپنے کاموں کو چھوڑ دیتا ہے حق تعالیٰ جل شانہ بھی اس کے کاموں کو غیب سے پورا فرماتے ہیں۔

**ومن یتوکل علی الله فهو حسبه** جس کا کسی نے ترجمہ کیا ہے

خدا خود میر سامان است ارباب توکل را

اور حضور اقدس ﷺ میں یہ مضمون علی وجہ الاتم ہونا ہی چاہیے تھا۔ اس لیے وہاں کفایت بھی علی وجہ الاتم ہوتی تھی۔ اس کے بعد جو شخص جتنا زیادہ بھروسہ اللہ جل شانہ پر کرتا ہے اتنا ہی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اس کی اعانت ہوتی ہے۔ متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے یہ مضمون وارد ہے ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس شخص کو فاقہ پہنچے اور وہ لوگوں سے اس کے ازالہ کی درخواست کرے تو اس کی حاجت پوری نہیں کی جاتی اور اگر اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں اس کو پیش کرے تو بہت جلد کسی نہ کسی طرح سے اس کی ضرورت پوری کردی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ اے آدمی کے بچے! اگر تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جائے تو میں تیری ضرورتوں کو پورا کروں اور تیرے دل کو غنا سے بھر دوں ورنہ تیرے دل کو تفکرات سے بھر دوں گا اور ضرورتیں پوری نہ ہونے دوں گا۔ جو لوگ دینی کاموں میں مشغول ہونے کے لیے ضروریات سے فراغت کا انتظار دیکھا کرتے ہیں وہ اس سے سبق حاصل کریں کہ ضروریات سے فراغت کا راستہ ہی اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور اس کے کاموں میں مشغول ہونا ہے۔ حدیث بالا میں جو دعا نقل کی گئی ہے اس میں حضور اقدس ﷺ نے شکر کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ ہر شخص کو اپنی حالت میں شکر کرنا ضروری ہے کہ زیادتی انعام کا ذریعہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے **لئن شکرتم لازیدنکم** اگر تم شکر کرتے رہو گے تو میں اپنے احسانات میں اضافہ کروں گا۔ اور اس طرف متوجہ فرمایا کہ اپنے سے کمتر کے حالات کی طرف بھی غور کرنا چاہیے تا کہ شکر دل سے نکلے۔ کتنے آدمی دنیا میں ایسے ہیں جن کو کھانا میسر نہیں فاقہ کرتے ہیں، کتنے لوگ ایسے ہیں جن کو ٹھکانا نصیب نہیں بے ٹھکانہ گزر کرتے ہیں۔ اسی طرح سے کوئی حامی مددگار نہیں ہے جو مصائب میں کوئی اعانت کر سکے اللہ تعالیٰ کے کتنے احسانات ہیں جس

نے یہ سب کچھ عطا فرما رکھا ہے۔

**(۶) حدثنا الحسین بن محمد نِ الجریری حدثنا سلیمان بن حرب حدثنا حماد بن سلمة عن حمید عن بکر بن عبدالله المزنی عن عبدالله بن رباح عن ابی قتادةؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا عَرَّسَ بِلَیْلٍ نِ اضْطَجَعَ عَلٰی شِقِّہِ الْاَیْمَنِ وَاِذَا عَرَّسَ قُبَیْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَہٗ وَوَضَعَ رَأْسَہٗ عَلٰی کَفِّہٖ**

''ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (سفر میں رات کو چلنے کے بعد) اگر اخیر شب میں کچھ سویرے کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو دائیں کروٹ پر لیٹ کر آرام فرماتے اور اگر صبح کے قریب ٹھہرنا ہوتا تو اپنا دایاں بازو کھڑا کرتے اور ہاتھ پر سر رکھ کر آرام فرما لیتے۔''

ف: مقصود یہ ہے کہ اگر وقت وسیع ہوتا تو لیٹ کر سو جاتے تھے اور عادت شریفہ دائیں کروٹ پر لیٹنے کی تھی ہی۔ لیکن اگر وقت قلیل ہوتا تو پھر ہاتھ پر ٹیک لگا کر تھوڑی دیر آرام فرما لیتے ایسے وقت میں بالکل لیٹ کر آرام نہ فرماتے تھے کہ نیند گہری آ جائے اور نماز فوت ہو جائے بلکہ کہنی پر ٹیک لگا کر سر مبارک کو ہاتھ پر رکھ کر تھوڑا سا آرام کر لیتے تھے۔

# باب ما جاء فی عبادة رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کی عبادت کا ذکر

ف: حضور اکرم ﷺ کی ہر حرکت و سکون عبادت ہے ہر کلام و خاموشی ذکر و فکر ہے لیکن مثال کے طور پر شمائل کا جز ہونے کی وجہ سے مصنفؒ نے چند عبادات کا ذکر کیا ہے۔ جس سے اندازہ ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ معصوم ہونے کے باوجود مغفرت اور مراتب عالیہ کے حصول کا پروانہ ملنے کے باوجود اس مرتبہ پر فائز ہو جانے کے باوجود جہاں تک نہ کوئی ولی اللہ پہنچ سکتا ہے نہ کوئی نبی پہنچا کس قدر نفلی عبادات کا اہتمام فرماتے تھے اور ہم لوگ جو امتی کہلاتے ہیں حضور اکرم ﷺ کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں' کتنا اہتمام کرتے ہیں حالانکہ ہم گناہ گار ہیں' سیہ کار ہیں' گناہوں کے مقابلے اور تول کے لیے بھی ہم عبادات کے حضور اکرم ﷺ سے زیادہ محتاج ہیں' پھر ہماری عبادتیں بھی ایسی ہیں جن کا پورا معاوضہ مل جائے تو بسا غنیمت ہے اللہ جل شانہ کے یہاں ہر عبادت کا وزن اور اس کی قیمت اخلاص پر مبنی ہے جس درجہ کا اخلاص ہوگا اسی درجہ کا عبادت میں وزن ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے لیے اس نماز کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے کسی کے لیے نواں' اسی طرح آٹھواں ساتواں چھٹا پانچواں چوتھائی تہائی آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد) اور دسواں بھی مثال کے طور پر ارشاد ہے ورنہ اس سے بھی کم ہوتا ہے۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت میں سب سے اول نماز کا حساب ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کہ میرے بندے کی نماز کو دیکھو پوری ہے یا ناقص ہے اگر وہ پوری ہوگی تو جائزہ میں پوری لکھ دی جائے گی اور ناقص ہوگی تو ارشاد ہوگا کہ دیکھو اس کے لیے کچھ نوافل بھی ہیں یا نہیں اگر نوافل ہوتی ہیں تو ان سے فرائض کی تکمیل کر دی جاتی ہے اس کے بعد پھر اسی طرح دوسری عبادات زکوٰۃ وغیرہ کا محاسبہ ہوتا ہے (ابوداؤد) ہم لوگوں کے فرائض جیسے ادا ہوتے ہیں وہ ہمیں بھی معلوم ہیں ایسی صورت میں کیا ضروری نہیں کہ نفلی عبادات نماز کے قبیل سے ہوں یا صدقات کے یا اور دوسری عبادات کے نہایت کثرت و اہتمام اور اخلاص سے کی جائیں عدالت میں پیشی کا وقت نہایت سخت ہے اور ہمارے اعمال کے دو نگران ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ آدمی کے بدن کا ہر جز

اس عمل نیک یا بد کی گواہی دینے والا ہے جو اس سے صادر ہوئے ہیں' اس لیے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ انگلیوں پر کلمہ طیبہ اور تسبیحات کو گنا کرو کہ قیامت کے دن ان انگلیوں سے بھی محاسبہ ہوگا کہ اپنے اپنے اعمال بتائیں اور ان کو گویائی عطا کی جائے گی اور حضور اکرم ﷺ پر میرے ماں باپ قربان کہ آپ کا نمونہ ہر چیز میں ہمارے سامنے ہے۔ اس باب میں چوبیس حدیثیں ہیں۔

**(۱) حدثنا قتیبة بن سعید وبشر بن معاذ قالا حدثنا ابو عوانة عن زیاد بن علاقة عن المغیرة بن شعبةؓ قال صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی انْتَفَخَتْ قَدَمَاہُ فَقِیْلَ لَہٗ اَتَتَکَلَّفُ ھٰذَا وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا**

''مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس قدر لمبی نفلیں پڑھتے تھے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک ورم کر گئے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کے اول و آخر سب گناہ بخش دیئے ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا (کہ جب حق جل شانہ نے مجھ پر اتنا انعام فرمایا) تو کیا میں اس کا شکر ادا نہ کروں؟''

ف: سائل کی غرض بظاہر یہ تھی کہ کثرت عبادت معاصی کے کفارہ کے لیے ہوتی ہے جب آپ معصوم ہیں آپ سے گناہ صادر ہی نہیں ہوتا پھر آپ کو اس درجہ مشقت برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے اس کا جواب فرمادیا کہ عبادت کی یہی ایک غرض نہیں ہوتی بلکہ مختلف وجوہ سے ہوتی ہے اور جب اللہ جل شانہ نے میرے سارے گناہ معاف فرما دیئے تو اس کا مقتضاء تو یہی ہے کہ میں اس کے احسان کے شکر میں کثرت سے عبادت کروں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبادت کبھی جنت وغیرہ کی رغبت کی وجہ سے ہوتی ہے یہ تاجروں کی عبادت ہے کہ عبادت سے خریداری مقصود ہے۔ یہاں قیمت ادا کی جارہی ہے وہاں مال مل جائے گا اور کبھی عبادت خوف کی وجہ سے ہوتی ہے یہ غلاموں کی عبادت ہے کہ ڈنڈے کے خوف سے کام کرتے ہیں۔ جیسا نوکروں کا عام دستور ہوتا ہے۔ ایک وہ عبادت ہے جو بلا رغبت و بلا خوف محض اللہ کے انعامات کے شکر میں ہو۔ یہ احرار کی عبادت ہے حدیث بالا میں گزرا ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کے سب گناہ معاف فرمادیئے اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ گناہ تو آپ ﷺ کے صادر ہوئے لیکن حق تعالیٰ شانہ نے معاف فرمادیئے حالانکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں ان سے گناہ صادر ہی نہیں ہوتا اس کے بہت

سے جواب علماء نے مرحمت فرمائے ہیں جو اپنے موقعوں پر درج ہیں بالخصوص سورۃ فتح کی تفسیروں میں مختلف جواب نقل کیے گئے ہیں' بندہ کے نزدیک سہل یہ ہے کہ **حسنات الابرار سیئات المقربین** (نیک لوگوں کی خوبیاں مقربین کے لیے گناہ بن جاتے ہیں) ہر شخص کے گناہ اس درجہ کے مناسب ہوتے ہیں۔ آپ کے درجہ اور رتبہ کے مناسب جو کوتاہیاں شمار کی گئیں وہ ایسے امور ہیں جو ہمارے لیے عین طاعت ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھ لیجیے کہ حضور اقدس ﷺ کا فر سرداروں کے اسلام لانے کی توقع اور امید میں ان سے گفتگو فرما رہے تھے جو عین دین تھا اس وقت ایک نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے آ کر کچھ بات کی جس کی بناء پر حضور اکرم ﷺ کو ان لوگوں کی اہمیت کی وجہ سے ان کا درمیان میں دخل دینا گراں ہوا۔ اس پر سورۂ عبس میں حضور اکرم ﷺ پر تنبیہ ہوئی۔ اسی طرح جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے غایت شفقت اور رحمت کی وجہ سے اس توقع پر کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں یا ان کی نسل سے مسلمان پیدا ہوں فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا تو قرآن پاک میں اس پر تنبیہ ہوئی' غرض اس نوع کے واقعات ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی علوشان کے لحاظ سے تقصیر شمار کیے گئے۔

**(۲) حدثنا ابو عمار نِ الحسین بن حریث حدثنا الفضل بن موسی عن محمد بن عمرو عن ابی سلمة عن ابی هریرةؓ قال كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَتّٰى تَرِمَّ قَدَمَاهُ قَالَ فَقِيْلَ لَهٗ تَفْعَلُ هٰذَا وَقَدْ جَاءَكَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا**

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس درجہ نوافل پڑھا کرتے تھے کہ پاؤں پر ورم ہو جاتا تھا' کسی نے عرض کیا کہ آپ پر اگلے پچھلے سب گناہوں کی معافی کی بشارت نازل ہو چکی ہے پھر آپ اس درجہ کیوں مشقت برداشت کرتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''

**ف:** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس شکریہ کے بارے میں ایک مفصل روایت نقل کی گئی ہے۔ حضرت عطاءؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی کوئی عجیب ترین بات سنائیں' انہوں نے ارشاد فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کی کون سی بات ایسی تھی کہ جو عجیب ترین نہ تھی؟ اس کے بعد فرمانے لگیں ایک رات کا قصہ ہے کہ سونے کے لیے مکان پر تشریف لائے اور میرے پاس میرے لحاف میں لیٹ گئے لیٹتے ہی تھوڑی سی دیر میں فرمایا کہ چھوڑ میں تو اپنے

رب کی عبادت کروں یہ فرما کر کھڑے ہو گئے' وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی اور رونا شروع کر دیا یہاں تک کہ سینہ مبارک تک آنسو بہ کر آنے لگے اس کے بعد رکوع کیا اس میں بھی روتے رہے پھر سجدہ کیا اس میں بھی روتے رہے پھر سجدہ سے اٹھے اور روتے رہے غرض صبح تک یہی کیفیت رہی حتیٰ کہ بلال رضی اللہ عنہ صبح کی نماز کے لیے بلانے کو آئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! آپؐ اس قدر کیوں روئے؟ اللہ جل شانہ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیئے' آپ نے فرمایا کہ میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا میں ایسا کیوں نہ کرتا حالانکہ مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اس کے بعد سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی آیت تلاوت فرمائی۔

(۳) حدثنا عیسی بن عثمان بن عیسی بن عبدالرحمن الرملی حدثنی عمی یحیی بن عیسی الرملی عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرةؓ قال کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ حَتّٰی تَنْتَفِخَ قَدَمَاہُ فَیُقَالُ لَہٗ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَفْعَلُ ھٰذَا وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا

''نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز اتنی طویل پڑھتے کہ آپ کے قدم مبارک ورم کر آئے' آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ اتنی طویل نماز پڑھتے ہیں حالانکہ آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''

ف: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اہتمام کی وجہ سے تین طریقوں سے اس مضمون کو ذکر کیا ان روایات پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف طریقوں سے طاقت سے زیادہ مجاہدات اور عبادات کی ممانعت وارد ہوئی ہے لیکن حق یہ ہے کہ آدمی صرف عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے حق تعالیٰ شانہ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا کہ میں نے جن وانس کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ جب یہی اصل مقصود پیدائش کا ہے تو اس میں جتنا بھی اضافہ اور اہتمام اور زیادتی ہوگی وہ ممدوح اور پسندیدہ ہوگی۔ اس کے بعد زیادتی کی ممانعت جہاں جہاں وارد ہوئی ہے وہ عوارض کی وجہ سے ہے جہاں کوئی عارض اور مانع پیش آ جائے گا وہاں غیر مستحسن ہو جائے گی۔ منجملہ ان عوارض کے اکتا جانا اور گھبرا کر بالکل ترک کر دینا ہے مثل مشہور ہے کہ نہ بھاگ کر چلنا نہ اکھڑ کر گرنا۔ احادیث منع میں اسی طرف اشارہ ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اعمال اسی قدر

کرو جتنے کا تحمل ہو سکے۔ اللہ جل شانہ ثواب عطا کرنے سے دریغ نہیں فرماتے جب تک کہ تم عمل سے نہ اکتا جاؤ اسی لیے علماء مجاہدات کی زیادتی سے روکتے ہیں کہ مبادا اکتا کر بالکل ہی ترک ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ کی شان اس سے بہت بلند تھی وہاں اکتا جانے کا کیا احتمال پیدا ہو سکتا ہے؟ جب کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے اور کیوں نہ ہوتی جب کہ نماز اللہ کے ساتھ راز و نیاز ہے تو حضور اکرم ﷺ جیسے مخلص بندے کے لیے آقا کے ساتھ سرگوشی میں جتنی بھی لذت ہو قرین قیاس ہے۔ اکتاوے وہ جو اس لذت سے محروم ہو۔ اسی طرح دوسرا مانع جو احادیث میں وارد ہوا ہے حقوق لازمی کی ادائیگی میں کوتاہی ہے کہ مجاہدات کی کثرت سے ضعف پیدا ہو کر حقوق میں کوتاہی ہوگی۔ حضور اکرم ﷺ کے یہاں یہ سوال بھی پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ جو قدسی ذات ان مجاہدات اور تقلیل طعام وغیرہ پر بھی ایک دفعہ میں نو بیبیوں سے صحبت کر سکتی ہو وہاں ضعف کا کیا سوال؟ اسی طرح دیگر عوارض کا حال ہے جو حضور اکرم ﷺ کے یہاں منتفی تھے اس لیے ان جیسی روایات پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

**(۴) حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن ابی اسحٰق عن الاسود بن یزید قال سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ كَانَ يَنَامُ اَوَّلَ اللَّيْلِ ثُمَّ يَقُوْمُ فَاِذَا كَانَ مِنَ السَّحَرِ اَوْتَرَ ثُمَّ اَتٰى فِرَاشَهٗ فَاِذَا كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اَلَمَّ بِاَهْلِهٖ فَاِذَا سَمِعَ الْاَذَانَ وَثَبَ فَاِنْ كَانَ جُنُبًا اَفَاضَ عَلَيْهِ مِنَ الْمَاءِ وَاِلَّا تَوَضَّاَ وَخَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ**

''اسود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس ﷺ کی رات کی نماز یعنی تہجد اور وتر کے متعلق استفسار کیا کہ حضور ﷺ کا کیا معمول تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ (عشاء کی نماز کے بعد) شب کے نصف اول میں استراحت فرماتے تھے اس کے بعد تہجد پڑھتے تھے' یہاں تک کہ اخیر شب ہو جاتی تب وتر پڑھتے اس کے بعد اپنے بستر پر تشریف لے آتے' اگر رغبت ہوتی تو اہل کے پاس تشریف لے جاتے یعنی صحبت کرتے پھر صبح کی اذان کے بعد فوراً اٹھ کر اگر غسل کی ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو فرما کر نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔''

ف: اطباء کے نزدیک بھی صحبت کے لیے بہترین وقت اخیر شب ہے کہ وہ اعتدال کا وقت ہے نیز سو کر اٹھنے کے بعد طرفین کی طبیعت بھی نشاط پر ہوتی ہے۔ اول شب میں پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ایسی

حالت میں صحبت مضر ہوتی ہے اور بھوک کی حالت میں زیادہ مضر ہے اخیر شب کا وقت اس لحاظ سے بھی اعتدال کا ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب طبی مصالح ہیں شرعاً جواز ہر وقت حاصل ہے نبی کریم ﷺ سے بھی اول شب اور دن کے مختلف اوقات میں صحبت کرنا ثابت ہے۔ البتہ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ عین نماز کے وقت اگر صحبت کی جائے اور اس سے حمل ٹھہر جائے تو وہ اولاد والدین کی نافرمان ہوتی ہے۔

(۵) حدثنا قتيبة بن سعيد عن مالك بن انس وحدثنا اسحٰق بن موسٰى الانصارى حدثنا معن عن مالك عن مخرمة بن سليمان عن كريب عن ابن عباس ؓ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُوْنَةَ وَهِيَ خَالَتُهٗ قَالَ فَاضْطَجَعْتُ فِيْ عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ طُوْلِهَا فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ اَوْقَبْلَهٗ بِقَلِيْلٍ فَاسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهٖ ثُمَّ قَرَءَ الْعَشْرَ الْاٰيٰتِ الْخَوَاتِيْمَ مِنْ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ اِلٰى شَنٍّ مُعَلَّقٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقُمْتُ اِلٰى جَنْبِهٖ فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رَأْسِيْ ثُمَّ اَخَذَ بِاُذُنِي الْيُمْنٰى فَفَتَلَهَا فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ قَالَ مَعْنٌ سِتَّ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَثُمَّ اضْطَجَعَ ثُمَّ جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ

"حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات (لڑکپن میں) اپنی خالہ حضرت میمونہ (ام المومنین ؓ) کے یہاں سویا۔ حضور اقدس ﷺ اور ان کے اہل تکیہ کے طولانی حصہ پر سر رکھے ہوئے تھے اور میں تکیہ کے چوڑان پر سر رکھے ہوئے تھا (قاضی عیاض وغیرہ حضرات نے بجائے تکیہ کے بستر ے کا ترجمہ فرمایا ہے لیکن جب کہ لفظ کا اصل ترجمہ تکیہ ہی ہے اور تکیہ مراد لینے میں کوئی بعد بھی نہیں تو پھر بستر مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے مثلاً تکیہ کی لمبائی پر حضور اقدس ﷺ سر مبارک رکھ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے لیٹ گئے اور ابن عباس ؓ تکیہ کے چوڑان پر سر رکھ کر (یعنی قبلہ کی طرف سر کر کے لیٹ گئے ہوں) حضور اقدس ﷺ (اپنی اہل سے تھوڑی باتیں فرمانے کے بعد) سو گئے اور تقریباً نصف رات

ہونے پر یا اس سے کچھ پہلے بیدار ہوئے اور اپنے چہرہ مبارک پر ہاتھ پھیر کر نیند کے آثار کو دور فرمانے لگے اور پھر سورۂ آل عمران کے اخیر رکوع کو تلاوت فرمایا (علماء کہتے ہیں کہ جاگنے کے بعد تھوڑا سا قرآن شریف پڑھ لینا چاہیے کہ اس سے نشاط پیدا ہوتا ہے اور ان آیات کا پڑھنا مستحب ہے) اس کے بعد مشکیزہ کی طرف جو پانی سے بھرا ہوا لٹک رہا تھا تشریف لے گئے اور اس سے (برتن میں پانی لے کر) وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں بھی وضو کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے (بائیں جانب) برابر کھڑا ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس لیے کہ مقتدی کو دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے) میرے سر پر دست مبارک رکھ کر میرا کان مروڑا (تنبیہ کے لیے ایسا کیا ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ میں اونگھنے لگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کان پکڑا' ایک روایت میں ہے کہ کان پکڑ کر دائیں جانب کو کھینچا تاکہ سنت کے موافق امام کے دائیں جانب کھڑے ہو جائیں) پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو دو رکعت پڑھتے رہے معن رحمۃ اللہ علیہ جو اس روایت کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ چھ مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو رکعت پڑھی (گویا بارہ رکعت ہو گئی۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تہجد کی بارہ رکعتیں ہیں) پھر وتر پڑھ کر لیٹ گئے صبح نماز کے لیے جب بلال رضی اللہ عنہ بلانے آئے تو دو رکعت سنت مختصر قرأت سے پڑھ کر صبح کی نماز کے لیے تشریف لے گئے۔''

ف: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تہجد کی مختلف رکعات نقل کی گئی ہیں جو مختلف اوقات کے اعتبار سے ہیں کہ وقت میں گنجائش زیادہ ہوئی تو زیادہ پڑھ لیں ورنہ کم پڑھ لیں۔ کوئی خاص تحدید تہجد کی رکعات میں ایسی نہیں ہے جس سے کم و بیش جائز نہ ہوں۔ بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود وسیع وقت ہونے کے بھی رکعات کم پڑھتے تھے البتہ ان میں قرآن پاک کی تلاوت زیادہ مقدار میں فرماتے تھے جیسا کہ اسی باب کی مختلف احادیث میں یہ مضامین آ رہے ہیں۔

(٦) حدثنا ابو كريب محمد بن العلاء حدثنا وكيع عن شعبة عن ابی جمرة عن ابن عباسؓ قال كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تہجد (مع وتر کبھی) تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔''

ف: یعنی دس رکعت تہجد اور تین رکعت وتر بعض علماء نے ان میں صبح کی دو سنتیں شمار کی ہیں اس صورت میں آٹھ رکعت تہجد کی ہوئیں۔

(۷) حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا ابو عوانة عن قتادة عن زرارة بن اوفی عن سعید بن هشام عن عائشةؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا لَمْ یُصَلِّ بِاللَّیْلِ مَنَعَهٗ مِنْ ذٰلِكَ النَّوْمُ اَوْ غَلَبَتْهُ عَیْنَاهُ صَلّٰی مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ رَکْعَةً

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی عارضہ کی وجہ سے رات کو تہجد نہیں پڑھ سکتے تھے تو وہ دن میں (چاشت کے وقت) بارہ رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔''

ف: اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد فرض تھا تو قضا ظاہر ہے اور اگر فرض نہیں تھا تب بیان افضلیت کے لیے قضا فرماتے تھے۔ مسلم شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی وارد ہے کہ جو شخص اپنا ورد اور معمول رات کو پورا نہ کر سکے اس کو چاہیے کہ صبح کے بعد سے دو پہر تک کسی وقت پورا کر لے۔ یہ ایسا ہی ہے گویا رات ہی کو پورا کر لیا۔ اسی سے مشائخ سلوک کا یہ معمول ماخوذ ہے کہ ذکر وغیرہ اگر رات کو پورا نہ ہو سکے تو صبح کے وقت اس کو پورا کر لے۔ وقت گزر جانے کی وجہ سے بالکل ترک نہ کر دے کہ پھر نفس اس کا عادی ہو جاتا ہے۔

(۸) حدثنا محمد بن العلاء حدثنا ابو اسامه بن هشام یعنی ابن حسان عن محمد بن سیرین عن ابی هریرةؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِذَا قَامَ اَحَدُکُمْ مِّنَ اللَّیْلِ فَلْیَفْتَتِحْ صَلٰوتَهٗ بِرَکْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب رات کو تہجد کے لیے اٹھو تو شروع میں اول دو مختصر رکعتیں پڑھ لو۔''

ف: تاکہ شروع ہی سے طویل رکعتیں شروع کرنے سے تکان نہ ہو جائے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضو ہوتی تھیں اور تحیۃ الوضو کا مختصر پڑھنا اولیٰ ہے۔ اس لیے ان کو مختصر پڑھنے کا ارشاد ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مختصر پڑھتے تھے' حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں ایک لطیف بات لکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی سوتا ہے تو شیطان اس کے بالوں میں تین گرہیں جادوگر کی طرح لگاتا ہے جن میں یہ افسوں ہوتا ہے کہ ابھی تو رات بہت ہے اور سوتا رہوں جب آدمی اٹھ کر اللہ کا پاک نام لیتا ہے یعنی کوئی دعاء وغیرہ پڑھتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھلتی ہے اور جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری کھلتی ہے۔ چونکہ اس حدیث

سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری گرہ نماز پڑھنے پر کھلتی ہے اس لیے دو رکعت مختصر طور پر پڑھنے کا حکم ہے تا کہ وہ تیسری گرہ بھی کھل جائے اور پھر ساری نماز شیطان کے اثر سے محفوظ ہونے کے بعد پڑھی جائے نبی کریم ﷺ شیطان کے تسلط سے گو محفوظ تھے مگر حضور اکرم ﷺ کا معمول امت کی تعلیم کے لحاظ سے ایسے امور کی رعایت فرمانے کا تھا جن کی امت کو احتیاج ہو اس لیے نبی کریم ﷺ بھی بسا اوقات ان مختصر رکعتوں کو پڑھتے تھے جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے۔

**(۹) حدثنا قتيبة بن سعيد عن مالك بن انس حدثنا اسحٰق بن موسى حدثنا معن حدثنا مالك عن عبدالله بن ابى بكر عن ابيه ان عبدالله بن قيس بن مخرمة اخبره عن زيد بن خالد الجهنىؓ انه قال لَاَرْمُقَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَسَّدْتُ عَتَبَتَهٗ اَوْ فُسْطَاطَهٗ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ اَوْتَرَ فَذٰلِكَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً**

''حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن یہ ارادہ کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی نماز کو آج غور سے دیکھوں گا۔ میں آپ کے مکان یا خیمہ کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ گیا (تا کہ غور سے دیکھتا رہوں) حضور اقدس ﷺ نے اول دو مختصر رکعتیں پڑھیں اس کے بعد طویل طویل طویل دو دو رکعتیں پڑھیں (تین دفعہ طویل کا لفظ اس کی زیادتی طول بیان کرنے لیے فرمایا) پھر ان سے مختصر دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سے بھی مختصر دو رکعتیں پڑھیں پھر وتر پڑھا یہ سب تیرہ رکعتیں ہوئیں۔''

ف: جو لوگ وتر کی ایک رکعت ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک چھ مرتبہ دو دو رکعتیں نوافل اور ایک ایک رکعت وتر کل تیرہ رکعتیں ہوئیں اور جن کے نزدیک وتر تین رکعت ہیں ان کے نزدیک کل پندرہ رکعتیں ہوئیں تیرہ رکعتیں فرمانا اس بناء پر ہے کہ تحیۃ الوضو شروع کی دو رکعت اس میں شمار نہیں کی گئی بعض روایتوں میں پھر ان سے مختصر دو رکعت پڑھیں یہ لفظ بجائے چار مرتبہ کے تین مرتبہ ہے اس صورت میں تحیۃ الوضو کی دو خفیف رکعتیں جو شروع میں وارد ہوئی ہیں ان کے باوجود دس رکعت نوافل ہوتی ہیں۔ ایسے حالات میں لامحالہ وتر کو تین ہی رکعت ماننا پڑے گا ایک رکعت ماننے کی صورت میں تیرہ رکعت کا عدد پورا نہ ہوگا۔ اس حدیث میں ایک لفظ گزرا ہے کہ آپ کے مکان یا خیمہ

کی چوکھٹ پر یہ کسی راوی کو شک ہے کہ استاذ نے مکان کی چوکھٹ کہا تھا یا خیمہ کی اور یہ حضرات محدثین رحمہم اللہ کی غایت احتیاط ہوتی ہے کہ جس لفظ میں ان کو ذرا سا بھی تردد ہوا کرتا ہے اس کو ظاہر فرما دیا کرتے ہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ خیمہ کی چوکھٹ مراد ہے اور یہ قصہ کسی سفر کا ہے اس لیے کہ مدینہ طیبہ کے قیام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول زنانہ مکان میں آرام فرمانے کا تھا وہاں کوئی سی بیوی پاس ہوتی تھیں اس لیے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دیکھنے کا موقعہ نہ مل سکتا تھا سفر میں یہ صورت کہ خیمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا آرام فرما رہے ہوں بیبیوں میں سے کوئی ساتھ نہ ہوں قرین قیاس ہے اس لیے یہی اقرب ہے اکثر علماء نے اس قصہ کو سفر ہی کا تجویز فرمایا ہے۔

**(۱۰) حدثنا اسحٰق بن موسٰی حدثنا معن حدثنا مالك عن سعيد بن ابی سعيد المقبری عن ابی سلمة بن عبدالرحمن اَنَّهٗ اخبره اَنَّهٗ سَاَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَزِيْدَ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّيْ اَرْبَعًا لَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلٰثًا قَالَتْ عَائِشَةُ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ قَالَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ**

”ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں تہجد کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے (گویا آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر چنانچہ خود اس کی تفصیل فرماتی ہیں) کہ اول چار رکعت پڑھتے تھے یہ نہ پوچھ کہ وہ کتنی طویل ہوتی تھیں اور کس عمدگی کے ساتھ بہترین یعنی خشوع وخضوع سے پڑھی جاتی تھیں۔ اسی طرح پھر چار رکعت اور پڑھتے تھے ان کی بھی لمبائی اور عمدگی کا حال کچھ نہ پوچھ۔ پھر تین رکعات پڑھتے تھے یعنی وتر۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے یہ انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے کہ ان کے قلوب جاگتے رہتے ہیں)

ف: اس حدیث میں چند ضروری مباحث ہیں جن میں سے دو ذکر کیے جاتے ہیں۔ اول تو یہ کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث میں رمضان اور غیر رمضان میں تہجد کی گیارہ رکعت سے زیادہ کی نفی فرماتی ہیں۔ حالانکہ حضرت ابن عباس، زید بن خالد رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ حضرات صحابہ کی روایات سے تیرہ ثابت ہیں بلکہ بعض روایات میں تیرہ سے زیادہ بھی وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن ابی قیس رحمہ اللہ کے سوال پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی رکعات یہ گنوائی ہیں کہ چار اور تین چھ اور تین آٹھ اور تین دس اور تین جو تیرہ ہوتی ہیں حتیٰ کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی تیرہ رکعتیں نقل کی گئی ہیں چنانچہ ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سات رکعت سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور موطا امام مالک رحمہ اللہ کی روایت ہے عن عائشۃؓ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باللیل ثلث عشرۃ رکعۃ ثم یصلی اذا سمع النداء للصبح برکعتین خفیفتین یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ اس کے بعد صبح کی اذان پر دو رکعت صبح کی سنتیں پڑھتے تھے۔ بعض علماء نے تو اس اختلاف کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں تہجد کی رکعات کے بارے میں مضطرب ہیں یعنی ضعیف ہیں لیکن مضطرب کہنے کی ضرورت نہیں ہے اس میں کیا اشکال ہے کہ گیارہ رکعات اکثر اوقات اور عام معمول کے اعتبار سے ہوں اور کبھی کبھی ان سے کم وبیش بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہوں جیسا کہ دوسری روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ دوسری بحث یہ ہے کہ بعض لوگ اس حدیث سے یہ بھی مسئلہ نکالتے ہیں کہ تراویح آٹھ رکعت ہے حالانکہ اس روایت سے تہجد کا صرف آٹھ رکعت ہونا بھی معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے گزر چکا چہ جائیکہ تراویح۔ اس حدیث کو تراویح سے کوئی تعلق ہی نہیں صلوٰۃ اللیل کے لفظی معنی رات کی نماز کے ہیں۔ لیکن اس سے مراد قرینہ سے تہجد کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اس سے اگر رات کی ہر نماز مراد لی جائے تو تراویح کے ساتھ مغرب اور عشاء کے فرض اور ان کی سنتیں سب ہی خارج ہو جائیں گی جن کو کوئی بھی نہیں نکال سکتا۔ غرض اس حدیث میں صرف تہجد کا ذکر ہے وہی پوچھنا مقصود ہے اسی کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب مرحمت فرمایا اور بظاہر پوچھنے کی یہ ضرورت پیش آئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ رمضان المبارک میں زیادتی عبادت کی تھی جیسا کہ متعدد روایات میں آیا ہے۔ اس لیے ابوسلمہؓ کو خیال ہوا کہ شاید تہجد کے عدد رکعات میں بھی کچھ اضافہ فرماتے ہوں اس لیے پوچھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی نفی فرمادی ورنہ خود حضرت عائشہؓ کا بھی یہ مقصود نہیں کہ تراویح تو درکنار تہجد کی رکعات بھی گیارہ سے زیادہ کبھی نہیں ہوتی تھیں اس لیے کہ تیرہ رکعات تک خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہو چکا

ہے۔ تراویح کے بارے میں حضرت اقدس فخر المحدثین مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ایک مفصل رسالہ ''الرای النجیح'' اردو میں شائع شدہ ہے جس کا دل چاہے اسے دیکھ لے مختصر امر یہ ہے کہ احادیث میں تہجد کو صلوٰۃ اللیل (رات کی نماز) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تراویح کو قیام رمضان (رمضان کی نماز) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں نمازیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ متعدد علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ قیام رمضان سے تراویح مراد ہے نبی کریم ﷺ کو قیام رمضان کا بہت اہتمام تھا متعدد احادیث میں قولاً اور فعلاً اس کی اہمیت وارد ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایمان اور ثواب کی امید کے ساتھ قیام رمضان کرے' اس نے جتنے بھی گناہ کیے ہیں تمام معاف ہو جاتے ہیں (علماء کے نزدیک صغائر مراد ہیں) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ قیام رمضان کا وجوبی حکم تو نہ فرماتے تھے البتہ ترغیب دیا کرتے تھے خود نبی کریم ﷺ کبھی کبھی بڑی لمبی جماعت کے ساتھ اس نماز کو پڑھتے تھے اور ہمیشہ نہ پڑھنے کا عذر یہ فرماتے تھے کہ مجھے اس کے فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے اور حضور ﷺ کے ہمیشہ پڑھنے سے فرض ہو جانا کئی وجوہ سے محتمل تھا۔ البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفرق طور پر کچھ تنہا اور کچھ جماعت میں پڑھتے تھے جو تقریباً نصف رات تک پڑھتے تھے اور کبھی اس سے بھی زیادہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان متفرق جماعتوں اور علیحدہ پڑھنے والوں کو ایک امام کے پیچھے پڑھنے کا حکم دیا کہ انتشار نہ ہو ۔سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ امام عموماً ہر رکعت میں سو سو آیتوں والی سورتیں پڑھتے تھے۔ ہم لوگ کھڑے کھڑے تکان کی وجہ سے کسی چیز پر سہارا لگاتے تھے اور سحر کے قریب فارغ ہوتے تھے۔

بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ تراویح کے مسنون ہونے پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے اور اہل قبلہ میں سے روافض کے سوا کوئی فرقہ بھی اس کا انکار نہیں کرتا۔ ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، سب حضرات کی فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ تراویح کی بیس رکعات سنت موکدہ ہیں۔ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشہور قول کے موافق چھتیس رکعتیں ہیں فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ''مغنی'' میں لکھا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک راجح قول بیس رکعت کا ہے اور یہی مذہب ہے سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا البتہ امام مالک کے نزدیک چھتیس رکعات ہیں۔ امام مالک سے نقل کیا گیا کہ میرے پاس بادشاہ کا قاصد آیا کہ تراویح کی رکعات میں تخفیف کی اجازت دے دی جائے میں نے انکار کر دیا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں انتالیس رکعات پڑھی جاتی تھیں یعنی چھتیس تراویح اور تین وتر۔

اوجز میں یہ بحث مفصل ہے۔ میرے اساتذہ کا ارشاد ہے کہ مدینہ میں چھتیس رکعات جو پڑھی جاتی تھیں ان میں بیس تراویح ہوتی تھیں لیکن ہر ترویحہ میں اتنی دیر ٹھہرنا مستحب ہے جتنی دیر میں چار رکعت پڑھے اس لیے وہ حضرات ہر ترویحہ میں چار رکعت نفل پڑھ لیتے تھے اس لیے یہ سولہ رکعات چار درمیانی ترویحوں کی بڑھ گئیں۔ بہر حال یہ مالکیہ کا مذہب ہے بقیہ تینوں اماموں کے نزدیک راجح قول بیس رکعات ہی کا ہے۔

**(۱۱) حدثنا اسحٰق بن موسٰی حدثنا معن حدثنا مالك عن ابن شهاب عن عروة عن عائشةؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ فَاِذَا فَرَغَ مِنْهَا اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حدثنا ابن ابی عمر حدثنا معن عن مالك عن ابن شهاب نحوه وحدثنا قتيبة عن مالك عن ابن شهاب نحوه**

''حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ جس میں ایک رکعت وتر ہوتی تھی۔ جب آپ اس سے فارغ ہوتے تو اپنی دائیں کروٹ پر آرام فرماتے۔''

ف: یہ حدیث خود اس پہلی حدیث کے خلاف ہے جس میں آٹھ رکعت کا بیان تھا اسی وجہ سے بعض علماء نے حضرت عائشہؓ کی روایات میں کلام کیا ہے جیسا کہ پہلی حدیث کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ البتہ توجیہ کے درجہ میں اس اختلاف روایات کو اختلاف اوقات پر معمول کیا جا سکتا ہے۔ گاہے حضور اکرم ﷺ آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے اور گاہے کم وبیش۔ دوسرا مسئلہ وتر کی ایک رکعت کا ہے۔ وتر کے بارے میں چند اختلافات ہیں سب سے اول اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تین رکعتیں حتمی ایک سلام سے ہیں۔ دوسرے بعض اماموں کے نزدیک ایک ایک رکعت ہے ان میں بھی اختلاف ہے بعض صرف ایک رکعت فرماتے ہیں اور بعض ائمہ ایک رکعت کے ساتھ اس سے پہلے دو رکعت علیحدہ سلام کے ساتھ واجب بتاتے ہیں احادیث میں مختلف روایات اس بارے میں وارد ہوئی ہیں جن کی ترجیح میں ائمہ میں اختلاف ہوا اسی وجہ سے اس مسئلہ میں اختلاف ہوا حنفیہ اپنے مسلک میں چند احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

۱۔ عبداللہ بن قیس ؓ کی وہ روایت جو ابوداؤد وغیرہ نے ذکر کی ہے گزشتہ حدیث کی بحث اول میں گزر چکی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضور اکرم ﷺ کی شب کی نماز چار اور تین' چھ

اور تین، آٹھ اور تین، دس اور تین رکعتیں ذکر فرمائی اس تفصیل کے ساتھ ذکر کرنا اور تین رکعت کو ہر جگہ بلاکم وزیادہ علیحدہ ذکر کرنا اس پر صاف دلیل ہے کہ یہ کوئی ایسی نماز ہے جس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی تھی یہ تین ہی رکعتیں رہتی تھیں ورنہ حضرت عائشہؓ سات، نو، گیارہ فرماتیں۔ چار اور تین، چھ اور تین وغیرہ کیوں فرماتیں؟

۲۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ تین رکعات وتر جائز اور مستحسن ہیں اور اس سے کم میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک ایک رکعت بھی جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز ہی نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع علیہ قول اولیٰ ہے مختلف فیہ سے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور محدثین اور اکابر صوفیہ میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ عمر ثانی نے علمائے مدینہ سے تحقیق کے بعد یہ حکم نافذ کر دیا تھا کہ وتر تین رکعات پڑھی جائیں۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وتر کی تین رکعات میں دو پر سلام پھیرتے ہیں اور تیسری رکعت علیحدہ پڑھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ان کے باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تینوں رکعات ایک ہی سلام سے پڑھتے تھے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ عالم تھے۔

۳۔ احادیث میں ایک رکعت پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ایک رکعت نماز ہی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اور بہت سے طریقوں سے حنفیہ استدلال فرماتے ہیں علماء نے اس بارے میں مستقل رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ اس رسالہ میں فقہی مسائل سے بحث نہیں کی گئی بقدر ضرورت مختصر اشارے کر دیئے گئے۔

**(۱۲) حدثنا هناد حدثنا ابوالاحوص عن الاعمش عن ابراهيم عن الاسود عن عائشةؓ قالت كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ حدثنا محمود بن غيلان حدثنا يحيى بن ادم حدثنا سفيان الثورى عن الاعمش نحوه**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نو رکعات پڑھتے تھے۔''

ف: حنفیہ کے نزدیک چھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر چنانچہ عبداللہ بن ابی قیس رضی اللہ عنہ کی روایت میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چھ اور تین فرمایا۔

(۱۴) حدثنا محمد بن المثنی حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن عمرو بن مُرَّةَ عَنْ اَبِیْ حَمْزَةَ رجل من الانصار عن رجل من بنی عبس عن حذیفة بن الیمانؓ اَنَّہٗ صَلّٰی مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّیْلِ قَالَ فَلَمَّا دَخَلَ فِی الصَّلٰوۃِ قَالَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ذُوالْمَلَکُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظْمَۃِ قَالَ ثُمَّ قَرَءَ الْبَقَرَۃَ ثُمَّ رَکَعَ فَکَانَ رُکُوْعُہٗ نَحْوًا مِّنْ قِیَامِہٖ وَکَانَ یَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمُ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمُ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَہٗ وَکَانَ قِیَامُہٗ نَحْوًا مِنْ رُکُوْعِہٖ وَکَانَ یَقُوْلُ لِرَبِّیَ الْحَمْدُ لِرَبِّیَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَکَانَ سُجُوْدُہٗ نَحْوًا مِنْ قِیَامِہٖ وَکَانَ یَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَہٗ فَکَانَ مَابَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ نَحْوًا مِّنَ السُّجُوْدِ وَکَانَ یَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِیْ رَبِّ اغْفِرْلِیْ حَتّٰی قَرَاَ الْبَقَرَۃَ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَۃَ اَوِالْاَنْعَامَ شُعْبَۃُ الَّذِیْ شَکَّ فِی الْمَائِدَۃِ وَالْاَنْعَامِ قال ابو عیسٰی و ابوحمزة اسمه طلحة بن زید وابو حمزہ الضعبی اسمه نصر بن عِمْرَان۔

''حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک رات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی (بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ قصہ رمضان المبارک کی رات کا تھا اس لیے محتمل ہے کہ یہ تہجد کی نماز ہو یا تراویح ہو) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع فرما کر یہ دعا پڑھی۔ اللہ اکبر ذوالملکوت والجبروت والکبریا والعظمة (اللہ جل جلالہٗ عم نوالہ کی ذات والا صفات سب سے برتر ہے وہ ایسی ذات ہے جو بڑی بادشاہت والی ہے۔ بڑے غلبہ والی ہے بڑائی اور بزرگی وعظمت والی ذات ہے) پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورۂ فاتحہ پڑھ کر) سورۂ بقرہ تلاوت فرمائی۔ پھر رکوع کیا یہ رکوع قیام ہی جیسا تھا (اس کے دو مطلب علماء فرماتے ہیں اور دونوں محتمل ہیں ایک تو یہ کہ یہ رکوع تقریباً اتنا ہی طویل تھا کہ جتنا قیام۔ یعنی اگر قیام مثلاً ایک گھنٹہ کا تھا تو تقریباً ایک ہی گھنٹہ کا رکوع بھی تھا۔ اس قول کے موافق اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر رکوع سجدہ نماز میں عام معمول سے زیادہ لمبا ہو جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جیسے قیام معمول سے زائد تھا' ایسے ہی یہ رکوع بھی

معمولی رکوع سے طویل تھا۔اس صورت میں قیام کے ایک گھنٹہ ہونے کی صورت میں رکوع اگر پندرہ منٹ کا بھی ہوگیا تو اس حدیث کا مصداق بن گیا۔اس قول کے موافق نماز اپنے عام معمول کے موافق رہی یعنی جو رکن لمبا ہوتا ہے جیسا کھڑا ہونا وہ لمبا رہا اور جو مختصر ہوتا تھا جیسے رکوع یا سجدہ وہ مختصر رہا البتہ ہر رکن عام نمازوں کے اعتبار سے بڑھا ہوا تھا۔حضور اکرم ﷺ اپنے اس رکوع میں **سبحان ربی العظیم سبحان ربی العظیم**' فرماتے رہے۔ پھر رکوع سے سر مبارک اٹھا کر کھڑے ہوئے اور یہ کھڑا ہونا بھی رکوع ہی جیسا تھا۔اس وقت **لربی الحمد لربی الحمد** فرماتے رہے پھر سجدہ ادا کیا اور وہ سجدہ بھی کھڑے ہونے کے برابر ہی تھا۔اس میں **سبحان ربی الاعلی سبحان ربی الاعلی** فرماتے رہے۔پھر سجدہ سے اٹھ کر بیٹھے یہ بھی سجدہ کی طرح سے طویل تھا اس میں حضور ﷺ **رب اغفرلی رب اغفرلی** فرماتے رہے۔غرض حضور اکرم ﷺ اپنی اس نماز میں سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران' سورہ نساء' سورۂ مائدہ یا سورۂ انعام۔راوی کو ان اخیر کی دو سورتوں میں شک ہوگیا کہ کونسی تھی لیکن اول کی تین محقق ہیں غرض تینوں سورتیں وہ اور ان دونوں میں سے ایک سورت یہ چاروں سورتیں تلاوت فرمائیں۔

ف: اس حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چاروں سورتیں چار رکعت میں تلاوت فرمائیں ابوداؤد کی روایت اس میں اور بھی واضح ہے جس میں تصریح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے چار رکعتیں پڑھیں جن میں یہ سورتیں تلاوت فرمائیں لیکن مسلم وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سورۂ بقرہ' سورۂ نساء' سورہ آل عمران تین سورتیں ایک ہی رکعت میں تلاوت فرمائیں۔ اس لیے مسلم اور ابوداؤد کی روایت کے موافق بظاہر دو قصے علیحدہ علیحدہ ہیں اگر چہ یہ بھی احتمال ہے کہ ایک ہی قصہ ہو اور کوئی سی روایت میں کچھ سہو ہوگیا ہو۔لیکن غلطی پر حمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب کہ حضور اقدس ﷺ کا لمبی لمبی نماز پڑھنا روزانہ کا معمول تھا اس لیے ایک مرتبہ چار سورتیں چار رکعت میں اور ایک مرتبہ تین سورتیں ایک رکعت میں پڑھی ہوں تو کیا مانع ہے؟

(۱۴) حدثنا ابوبکر محمد بن نافع البصری حدثنا عبدالصمد بن عبدالوارث عن اسمٰعیل بن مسلم العبدی عن ابی المتوکل عن عائشة رضی الله عنها قالت قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاٰیَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ لَیْلَةً

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات تہجد میں صرف ایک آیت کی تکرار فرماتے رہے۔''

ف: وہ آیت سورۂ مائدہ کے اخیر رکوع کی آیت ﴿ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزيز الحكيم﴾ تھی۔ اے اللہ! اگر تو ان سب کو عذاب کرنا چاہے تو یہ تیرے بندے ہیں یعنی ہر طرح سے تیری ملک ہیں' تیری چیزیں ہیں تو جو چاہے تصرف فرما دے۔ اور اگر تو ان کی مغفرت فرما دے اور سب کو معاف کر دے تو تیری شان سے کچھ بعید نہیں تو بڑی قدرت والا ہے بڑی حکمت والا ہے۔

ف: جس شخص کو زبردست قدرت حاصل ہو وہ جس مجرم کو چاہے معافی دے اور جو بڑی حکمت والا ہو اس کے ہر فعل میں حکمت اور مصالح ہو سکتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہونے میں اور رکوع سجدہ میں بھی اس آیت کو پڑھتے رہنا اور بار بار دہراتے رہنا اللہ جل شانہ کی دو صفت عدل و مغفرت کے مستحضر ہو جانے کی وجہ سے تھا کہ قیامت کا سارا منظر انہی دو صفتوں کا مظہر ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک شب تمام رات یہ آیت پڑھتے رہے۔ ﴿وامتازوا اليوم ايها المجرمون﴾ اس آیت شریفہ میں بھی قیامت کے منظر کا بیان ہے کہ اس دن یہ حکم ہوگا کہ آج مجرم لوگ غیر مجرموں سے علیحدہ اور ممتاز ہو جائیں' کس قدر سخت اور کپکپا دینے والا حکم ہے کہ آج اللہ والوں کے ساتھ ملے جلے ہیں ان کی برکات سے نفع اٹھا رہے ہیں لیکن اس وقت مجرم لوگوں کو ان سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ اللہ ہی اپنے فضل سے وہاں بھی ان مقدس نفوس کے زیر سایہ رکھے' ورنہ بڑی ہی مشکلات ہیں۔

(۱۵) حدثنا محمود بن غيلان حدثنا سليمان بن حرب حدثنا شعبة عن الاعمش عن ابی وائل عن عبدالله رضی الله عنه قَالَ صَلَّيْتُ لَيْلَةً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتّٰى هَمَمْتُ بِاَمْرِ سُوْءٍ قِيْلَ لَهٗ وَمَا هَمَمْتَ بِهٖ قَالَ هَمَمْتُ اَنْ اَقْعُدَ وَاَدَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حدثنا سفيان بن وكيع حدثنا جرير عن الاعمش نحوه

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا طویل قیام فرمایا کہ میں نے ایک برے کام کا ارادہ کر لیا کسی نے پوچھا کہ کس کام کا ارادہ کر لیا تھا؟ کہنے لگے کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں بیٹھ جاؤں اور

حضور اکرم ﷺ کو تنہا چھوڑ دوں۔''

ف: اس کے دو مطلب محتمل ہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگوں اور حضور اکرم ﷺ تنہا کھڑے رہیں یہ اس بناء پر برا ارادہ تھا کہ بے ادبی کو متناول تھا اور ہو سکتا ہے کہ بیٹھ جاؤں کا یہ مطلب ہے کہ نماز ہی پڑھنی چھوڑ دوں۔ اس کا برا ہونا بالکل ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے پڑھتے نیت توڑ کر بیٹھ جائیں مگر کھڑے کھڑے جب تھک گئے تو اس قسم کے خیال آنے لگے۔

(۱۶) حدثنا اسحٰق بن موسٰی الانصاری حدثنا معن حدثنا مالك عن ابی النضر عن ابی سلمة عن عائشةؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ جَالِسًا فَیَقْرَءُ وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا بَقِیَ مِنْ قِرَاءَتِهٖ قَدْرُ مَا یَکُوْنُ ثَلٰثِیْنَ اَوْ اَرْبَعِیْنَ اٰیَةً قَامَ فَقَرَءَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَکَعَ وَسَجَدَ ثُمَّ صَنَعَ فِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ زمانہ ضعف میں نوافل میں قرآن شریف زیادہ پڑھتے تھے اس لیے بیٹھ کر تلاوت فرماتے تھے اور جب رکوع کرنے میں تقریباً تیس چالیس آیات رہ جاتی تھیں تو کھڑے ہو کر تلاوت فرماتے اور رکوع میں تشریف لے جاتے اور کھڑے ہونے کی حالت میں رکوع فرماتے پھر سجدہ کرتے اور اسی طرح دوسری رکعت ادا فرماتے۔''

بعض علماء نے اس شخص کے لیے جو بیٹھ کر نماز پڑھے کھڑے ہو کر رکوع سجدہ کرنا ناجائز بتایا ہے۔ مگر جمہور علماء (جن میں چاروں امام بھی شامل ہیں) کے نزدیک یہ صورت جائز ہے اس طرح اس کے خلاف جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھے اس کو بیٹھ کر رکوع سجدہ کرنا بھی جائز ہے مگر یہ سب نفلوں میں ہے۔ فرضوں میں جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے اس کو بیٹھ کر پڑھنا جائز ہی نہیں ہے۔

(۱۷) حدثنا احمد بن منیع حدثنا هشیم حدثنا خالد الحذاء عن عبدالله بن شقیق قال سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهٖ فَقَالَتْ کَانَ یُصَلِّیْ لَیْلًا طَوِیْلًا قَائِمًا وَلَیْلًا طَوِیْلًا قَاعِدًا فَاِذَا قَرَءَ وَهُوَ قَائِمٌ رَکَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَاِذَا قَرَءَ وَهُوَ جَالِسٌ رَکَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ جَالِسٌ

''عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ کی نوافل کے متعلق دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ رات کے طویل حصہ میں

نوافل کھڑے ہوکر پڑھتے تھے اور طویل حصہ میں نوافل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کھڑے ہوکر قرآن مجید پڑھتے تو رکوع وسجود بھی کھڑے ہونے کی حالت میں ادا فرماتے اور جب قرآن مجید بیٹھ کر پڑھتے تو رکوع وسجود بھی بیٹھنے ہی کی حالت میں ادا فرماتے۔''

ف: رات کے وقت طویل حصہ میں نوافل کے علماء نے دو مطلب تحریر فرمائے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایک ہی رات میں بہت سا حصہ کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تھے اور بہت سا حصہ بیٹھ کر اور دوسرا مطلب یہ کہ یہ مختلف راتوں کا حال ہے کہ بعض راتوں میں طویل نماز کھڑے ہوکر پڑھتے اور بعض راتوں میں طویل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ دوسرا مطلب راجح ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا معمول رات کی نماز یعنی تہجد کی رکعات لمبی لمبی پڑھنے کا تو ہمیشہ ہی رہتا تھا اگر طبع مبارک پر ضعف واضمحلال ہوتا تو بیٹھ کر پڑھتے تھے ورنہ کھڑے ہوکر پڑھتے تھے۔ اس حدیث کا اخیر مضمون بظاہر اس پہلی حدیث کے مخالف ہے اس لیے علماء نے ان دونوں کو دو حالتوں پر محمول فرمایا کہ نوافل کا دارومدار نشاط اور سرور پر ہے جس وقت جس طرح نشاط زیادہ حاصل ہوتا اسی طرح پڑھتے۔ اس کے علاوہ حضور اقدس ﷺ کے بہت سے افعال میں تعلیم بھی مقصود ہوتی تھی یعنی بہت سے افعال حضور اکرم ﷺ اس لیے بھی کرتے تھے کہ لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس طرح بھی یہ کام کرنا جائز ہے اس کو بیان جواز کہتے ہیں اس لیے نبی کریم ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب پورا ملتا ہے دوسروں کو کھڑے ہوکر نماز پڑھنے پر جتنا ثواب ملتا ہے بیٹھ کر پڑھنے پر اس سے آدھا ملتا ہے۔ اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ کا بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی نبوت کے مقصد کو پورا کرنا ہے یعنی اعمال کو کر کے دکھا دینا یہی نبی کے آنے کی غرض ہوتی ہے۔

**(۱۸) حدثنا اسحٰق بن موسی الانصاری حدثنا معن حدثنا مالك عن ابن شهاب عن السائب بن يزيد عن المطلب بن ابی وداعة السهمی عن حفصةؓ زوج النبی ﷺ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ سُبْحَتِهٖ قَاعِدًا وَيَقْرَءُ بِالسُّوْرَةِ وَيُرَتِّلُهَا حَتّٰى تَكُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلَ مِنْهَا**

''حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نوافل بیٹھ کر پڑھتے اور اس میں کوئی سورت پڑھتے تو اس قدر ترتیل سے پڑھتے کہ وہ سورت اپنے سے لمبی سورت سے بھی بڑھ جاتی تھی۔''

ف: یعنی چھوٹی سورت میں ترتیل اور قرأت سے پڑھنے کی وجہ سے بڑی سورتوں کے برابر دیر لگ جاتی تھی۔ مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ قرآن پاک تو نہایت اطمینان سے ٹھہر ٹھہر اکر پڑھتے تھے جلدی جلدی نہ پڑھتے تھے جس سے چھوٹی سورت بھی اتنی دیر میں ختم ہوتی جتنی دیر میں دوسرے آدمی لمبی سورت پڑھ لیں اور پھر جب حضور اکرم ﷺ لمبی لمبی سورتیں بھی پڑھتے تھے تو کتنی دیر لگتی ہو گی۔ اسی وجہ سے کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آ جاتا تھا۔

**(۱۹) حدثنا الحسن بن محمد الزعفرانی حدثنا الحجاج بن محمد عن ابن جریج قال اخبرنی عثمان بن ابی سلیمان ان ابا سلمة بن عبدالرحمن اخبره اَنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَمُتْ حَتّٰی کَانَ اَکْثَرَ صَلٰوتِهٖ وَهُوَ جَالِسٌ**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ وصال کے قریب زمانہ میں اکثر نوافل بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔''

ف: چونکہ زمانہ ضعف کا تھا اور نیز حضور اکرم ﷺ تلاوت زیادہ فرماتے تھے جیسا کہ پہلی روایات میں گزر چکا ہے اکثر حصہ نوافل کا بیٹھ کر ادا فرماتے تھے گو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہونے سے آدھا ہوتا ہے۔ لیکن حضور اقدس ﷺ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب اتنا ہی ہے جتنا کھڑے ہو کر ہوتا تھا۔ جس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ کی روایات میں اس کی تصریح ہے کہ میں (یعنی حضور ﷺ) اس بارے میں تم جیسا نہیں ہوں میرے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنے میں اتنا ہی ثواب ہے۔

**(۲۰) حدثنا احمد بن منیع حدثنا اسمٰعیل بن ابراهیم عن ایوب عن نافع عن ابن عمرؓ قال صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَهَا وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِیْ بَیْتِهٖ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِیْ بَیْتِهٖ**

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں ظہر سے قبل اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اپنے گھر میں اور دو عشاء کے بعد وہ بھی گھر میں پڑھیں۔''

ف: اس حدیث میں سنتوں کا ذکر ہے سنت موکدہ حنفیہ کے نزدیک بھی اسی طرح ہیں جیسا کہ ابن

عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں گزرا۔ البتہ ظہر سے قبل کی سنتیں حنفیہ کے نزدیک چار رکعت ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث میں یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص رات دن میں بارہ رکعات پر مداومت کرے حق تعالیٰ جل شانہ اس کے لیے جنت میں گھر بنا دیتے ہیں۔ ان بارہ رکعات کی تفصیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایات سے کئی حدیثوں میں یہی آئی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں گزری۔ البتہ ظہر سے قبل ان روایتوں میں چار رکعت وارد ہوئی ہیں ایک حدیث میں آیا ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ ہوں ان کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں یعنی بہت جلد قبول ہوتی ہیں۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے قبل چار رکعت کبھی ترک نہیں فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسند احمد و سنن ابوداؤد وغیرہ میں روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے وقت چار رکعت گھر سے پڑھ کر تشریف لے جاتے تھے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سنتیں مکان پر پڑھ کر تشریف لاتے تھے اور وہ چار رکعت ہوتی تھیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی روایات میں ہے۔ ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مفصل روایت نقل کی گئی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعت میرے گھر پڑھتے تھے پھر مسجد میں تشریف لے جاتے اور فرض پڑھاتے اس کے بعد گھر تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور مغرب کی نماز کے بعد میرے گھر تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور عشاء کی نماز کے بعد بھی تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور صبح صادق کے بعد دو رکعت پڑھتے اور نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔ اس مفصل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سنتیں اکثر گھر پر پڑھتے تھے اور مسجد میں تشریف لا کر غالب یہ ہے کہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھا کرتے تھے جس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے دو ہی رکعت سنت پڑھی ہوں جن کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نقل فرمایا۔ نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اس حدیث میں یہ ارشاد کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ نمازیں پڑھیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت کی بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے اور میں بھی پڑھتا تھا۔ سنتوں کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

**(۲۱) حدثنا احمد بن منیع حدثنا اسمٰعیل بن ابراهیم حدثنا ایوب عن نافع عن ابن عمرؓ قال ابن عمرؓ حدثتنی حفصةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ**

وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ وَيُنَادِي الْمُنَادِي قَالَ اَيُّوبُ أَرَاهُ قَالَ خَفِيفَتَيْنِ

''ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مجھ سے میری بہن ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صبح صادق کے بعد جس وقت موذن اذان کہتا ہے اس وقت دو مختصر رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔''

ف: صبح کی سنتوں کے متعلق اکثر روایات میں یہی آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مختصر پڑھا کرتے تھے حتیٰ کہ بعض علماء نے ان احادیث کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ ان میں صرف الحمد شریف پڑھی جائے اور کوئی سورت پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ان میں سورت کا پڑھنا ثابت ہے۔ البتہ مختصر سورت پڑھنا اولیٰ ہے مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سنتوں میں سورۂ کافرون اور سورہ اخلاص پڑھا کرتے تھے اگر چہ بعض احادیث میں ان کے علاوہ کا پڑھنا بھی وارد ہے ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ یہ دونوں سورتیں کیسی اچھی ہیں کہ صبح کی سنتوں میں پڑھی جاتی ہیں۔

(۲۲) حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا مروان بن معٰوية الفزاری عن جعفر بن برقان عن ميمون بن مهران عن ابن عمرؓ قال حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَ رَكْعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَحَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ بِرَكْعَتَي الْغَدَاةِ وَلَمْ أَكُنْ أَرَاهُمَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعتیں یاد کی ہیں۔ دو ظہر سے قبل، دو ظہر کے بعد۔ دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد۔ مجھے میری بہن حفصہ رضی اللہ عنہا نے صبح کی دو رکعتوں کی بھی خبر دی ہے جن کو میں نے نہیں دیکھا تھا۔''

ف: یہ دو رکعتیں چونکہ ہمیشہ گھر میں ہی پڑھی جاتی تھیں اور صبح کا وقت زیادہ تر حاضر باشی کا نہیں اس لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا کچھ مستبعد نہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ نہ دیکھنے کا یہ مطلب ہے کہ اس وقت نہیں دیکھا تھا، جس وقت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی تھی اس کے بعد دیکھنے کی نوبت آئی اس لیے کہ بعض روایات سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا مشاہدہ بھی ان سنتوں کے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ تمام سنتوں میں صبح کی سنتیں سب سے زیادہ مؤکد ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کی تاکید اور اہتمام

کثرت سے نقل کیا گیا ہے اسی وجہ سے بعض علماء نے ان کو واجب بتایا ہے اسی وجہ سے ان کا بہت زیادہ اہتمام چاہیے۔

(۲۳) حدثنا ابو سلمة يحيى بن خلف حدثنا بشر بن المفضل عن خالد الحذاء عن عبدالله بن شقيق قال سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ وَقَبْلَ الْفَجْرِ ثِنْتَيْنِ

''عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس ﷺ کی نماز (علاوہ فرض) کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے دو رکعت ظہر سے قبل اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد اور دو صبح کی نماز سے قبل بتلائیں۔''

ف: اس میں بجز ظہر کے قبل کی دو سنتوں کے علاوہ باقی میں حنفیہ کا اتفاق ہے۔ ظہر کی سنتیں حنفیہ کے نزدیک چار رکعت ہیں چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے ذیل میں وضاحت سے گزر چکا ہے۔ بخاری شریف میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ ظہر سے قبل چار رکعت اور صبح سے قبل دو رکعت نہیں چھوڑتے تھے یعنی ہمیشہ پڑھتے تھے۔ اس لیے اس کو کبھی کسی ضرورت پر حمل کریں گے۔

(۲۴) حدثنا محمد بن المثنٰی حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن ابی اسحٰق قال سمعت عاصم بن ضمرة يقول سَأَلْنَا عَلِيًّا عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ النَّهَارِ فَقَالَ اِنَّكُمْ لَا تُطِيْقُوْنَ ذٰلِكَ قَالَ قُلْنَا مَنْ اَطَاقَ مِنَّا ذٰلِكَ صَلّٰى فَقَالَ كَانَ اِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هٰهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هٰهُنَا عِنْدَ الْعَصْرِ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَاِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هٰهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هٰهُنَا عِنْدَ الظُّهْرِ صَلّٰى اَرْبَعًا وَيُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَقَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ بِالتَّسْلِيْمِ عَلَى الْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ

''عاصم بن ضمرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کی نماز (علاوہ فرض) کے متعلق استفسار کیا۔ جن کو آپ دن میں پڑھتے تھے (رات کی نوافل یعنی تہجد وغیرہ ان کو پہلے سے معلوم ہوں گی تہجد کی روایات بالخصوص کثرت سے منقول اور مشہور

ہیں) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس کی طاقت کہاں رکھ سکتے ہو؟ (یعنی جس اہتمام و انتظام اور خشوع و خضوع سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے وہ کہاں ہو سکتا ہے؟ اس سے مقصود تنبیہ تھی کہ محض سوال اور تحقیق سے کیا فائدہ؟ جب تک عمل کی سعی نہ ہو) ہم نے عرض کیا کہ جو طاقت رکھ سکتا ہوگا وہ پڑھے گا (اور جو طاقت نہیں رکھے گا وہ معلوم کرلے گا تاکہ دوسروں کو بتلا سکے اور خود عمل کرنے کی کوشش کرے) اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صبح کے وقت جب آفتاب آسمان پر اتنا اوپر چڑھ جاتا جتنا اوپر عصر کی نماز کے وقت ہوتا ہے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت (صلوۃ الاشراق) پڑھتے تھے اور جب مشرق کی طرف اس قدر اوپر ہو جاتا جس قدر ظہر کی نماز کے وقت مغرب کی طرف ہوتا ہے تو اس وقت چار رکعت (چاشت کی نماز جس کا مفصل بیان دوسرے باب میں آ رہا ہے) پڑھتے تھے' ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور ظہر کے بعد دو رکعت (یہ چھ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں) اور عصر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے۔ چار رکعت کے درمیان بیٹھ کر ملائکہ مقربین اور انبیاء و مومنین پر سلام بھیجتے تھے۔''

ف: اس سے التحیات بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اس میں السلام علیك ایها النبی ہوتا ہے اس صورت میں حدیث میں جہاں جہاں چار رکعت بیان کیا گیا ہے سب کو شامل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے دو رکعت پر سلام پھیرنا مراد ہو تو مقصود یہ ہے کہ ان چار رکعتوں میں جو عصر سے قبل پڑھی جاتی تھیں دو پر سلام پھیر دیتے تھے۔ عصر کی نوافل دو رکعت اور چار رکعت دونوں طرح سے ثابت ہیں۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی دونوں روایتیں ہیں۔

OOO

# باب صلوة الضحی

# باب چاشت کی نماز کا ذکر

ف: فقہاء اور محدثین کے نزدیک صبح کے بعد وقت مکروہ نکل جانے کے بعد سے زوال تک سب صلوٰۃ الضحٰی کہلاتی ہے لیکن صوفیہ رحمہم اللہ کے یہاں یہ دو نمازیں ہیں ایک اشراق کی نماز کہلاتی ہے دوسری چاشت کی نماز کہلاتی ہے۔ چوتھائی دن تک اشراق کا وقت رہتا ہے اور چوتھائی کے بعد سے نصف النہار تک چاشت کا وقت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جو گزشتہ باب کے اخیر میں ذکر کی گئی ہے اور ایسے ہی دیگر روایات صوفیہ کا ماخذ ہیں صلوٰۃ الضحٰی میں علماء کا بہت اختلاف ہے۔ شراح حدیث نے اس میں علماء کے آٹھ مذہب لکھے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک یہ نماز مستحب ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس نماز کے بارے میں بہت کثرت سے روایات وارد ہوئی ہیں۔ انیس حضرات صحابہ کرامؓ سے اس نماز کی حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور اوجز میں پچیس حضرات صحابہ کرامؓ کی روایات ذکر کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں ہر جوڑ پر روزانہ ایک صدقہ لازم ہوتا ہے یعنی اس کے شکر میں کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس کو صحیح سالم اپنی وضع پر رکھا انگلی کا ہی ایک جوڑ دیکھ لیجیے اگر جدا ہو جائے انگلی بے کار ہے وہ بجائے نرم ہونے کے سخت بن جائے نہ انگلی حرکت کر سکے نہ کسی چیز کو پکڑ سکے وغیرہ وغیرہ۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقے گنوائے ہیں کہ ایک مرتبہ سبحان اللّٰہ کہنا بھی ایک قسم کا صدقہ ہے الحمدللّٰہ کہنا بھی وغیرہ وغیرہ پھر ارشاد فرمایا کہ چاشت کی دو رکعت ان تین سو ساٹھ جوڑوں کی سب کی طرف سے صدقہ ہے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

**(۱) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابوداؤد الطیالسی حدثنا شعبة عن یزید الرشك قال سمعت معاذة قالت قلت لعائشةؓ اکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی قَالَتْ نَعَمْ اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ وَیَزِیْدُ مَاشَاءَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ**

''معاذہ رحمۃ اللہ علیہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں چار رکعت (کم سے کم) پڑھتے تھے اور اس سے زائد جتنا خدا چاہتا پڑھ لیتے۔''

ف: صلوٰۃ الضحیٰ نوافل ہیں اس لیے کم سے کم دو رکعت اور زیادہ جتنا دل چاہے پڑھے کوئی انتہا نہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ رکعات تک پڑھنا ثابت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا آٹھ ہی رکعت کا ثابت ہے البتہ ترغیب بارہ رکعات تک وارد ہوئی ہے۔

**(۲) حدثنا محمد بن المثنٰی حدثنی حکیم بن معٰویة الزیادی حدثنا زیاد بن عبیداللہ بن الربیع الزیادی عن حمید الطویل عن انس بن مالکؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی الضُّحٰی سِتَّ رَکَعَاتٍ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الضحٰی یعنی چاشت کی چھ رکعات پڑھا کرتے تھے۔''

ف: اختلاف اوقات کے لحاظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ الضحٰی کی رکعات مختلف ہیں لہٰذا ان احادیث کو کچھ ایک دوسرے سے تعارض نہیں ہے۔ اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ کم از کم دو رکعت اور بہتر ہے کہ آٹھ رکعت یا بارہ رکعت پڑھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تر آٹھ رکعت نقل کی گئی ہیں۔

**(۳) حدثنا محمد بن المثنٰی حدثنا محمد بن جعفر انبانا شعبة عن عمرو بن مرة عن عبدالرحمن بن ابی لیلٰی قال مَا اَخْبَرَنِیْ اَحَدٌ اَنَّہٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی اِلَّا اُمُّ ھَانِیءٍ فَاِنَّھَا حَدَّثَتْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَیْتَھَا یَوْمَ فَتْحِ مَکَّةَ فَاغْتَسَلَ فَسَبَّحَ ثَمَانِیَ رَکَعَاتٍ مَا رَاَیْتُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْھَا غَیْرَ اَنَّہٗ کَانَ یُتِمُّ الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ**

''عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ایک تابعی کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے سوا اور کسی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ الضحٰی کی خبر نہیں پہنچائی۔ البتہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے یہ فرمایا کہ حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم اس روز جس دن مکہ مکرمہ فتح ہوا تھا ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور غسل فرما کر آٹھ رکعات نماز پڑھی۔ میں نے ان آٹھ رکعات سے زیادہ مختصر حضور اکرم

ﷺ کی کبھی کوئی نماز نہیں دیکھی۔ لیکن باوجود مختصر ہونے کے رکوع، سجود پورے پورے فرما رہے تھے۔ یہ نہیں کہ مختصر ہونے کی وجہ سے رکوع اور سجدے ناقص ہوں۔"

ف: عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے اس کہنے سے کہ حضرت ام ہانیؓ کے سوا کسی اور نے روایت نہیں کی یہ لازم نہیں آتا کہ یہ نماز حضرت ام ہانیؓ کے سوا کسی اور صحابی کو معلوم نہیں تھی۔ خود اسی باب میں چند صحابہ کی روایات موجود ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ تو کہتے ہیں کہ صلوٰۃ الضحیٰ کی روایات اس کثرت سے موجود ہیں کہ تواتر تک پہنچ گئیں اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ انیس صحابہ سے یہ نماز منقول ہے البتہ عبدالرحمٰن نے جن حضرات سے تحقیق کیا ان کو علم نہ ہوگا اس میں کوئی اشکال نہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ نماز جو اس حدیث میں ذکر کی گئی چاشت کی نماز نہ تھی بلکہ مکہ مکرمہ فتح ہونے کے شکرانہ کی نماز تھی۔ حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسرت کی بات ہوتی تو شکرانہ کی نماز پڑھتے تھے یہ بھی ممکن ہے کہ ان آٹھ رکعات میں سے کچھ حصہ چاشت کی نماز ہو اور کچھ حصہ شکرانہ کی نماز ہو۔

(۴) حدثنا ابن عمر حدثنا وکیع حدثنا کھمس بن الحسین عن عبدالله بن شقیق قال قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى قَالَتْ لَا اِلَّا اَنْ يَّجِيْءَ مِنْ مَغِيْبِهٖ

"عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے تھے؟ انہوں نے یہ فرمایا کہ معمولاً تو نہیں پڑھتے تھے ہاں سفر سے جب لوٹتے تو ضرور پڑھتے۔

ف: حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ اکثر مدینہ منورہ میں صبح کے وقت میں داخل ہوتے اول مسجد میں تشریف لے جا کر نوافل ادا فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب معاذہ رحمۃ اللہ علیہا کو دیئے ہوئے اس جواب کے بالکل خلاف ہے جو بالکل شروع باب میں گزر چکا ہے۔ اس لیے علماء نے اس کی مختلف طرح سے توجیہ فرمائی۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ توجیہ فرمائی کہ جس حدیث میں نفی وارد ہے اس میں نفی دوام کی مراد ہے جو گاہے گاہے پڑھنے کے منافی نہیں۔ یعنی ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے اور جس حدیث میں اثبات ہے اس میں اکثر اوقات کے اعتبار سے ہے۔ بعض علماء نے اس طرح جمع فرمایا کہ سفر سے لوٹنے کے علاوہ اور ایام میں مسجد میں نہیں پڑھتے تھے بلکہ گھر میں پڑھتے تھے۔ اس حدیث میں نفی خاصۃً مسجد میں پڑھنے کی مقصود ہے کہ مسجد میں جب ہی پڑھتے جب سفر سے واپس تشریف لاتے جیسا کہ اوپر گزرا۔

(۵) حدثنا زیاد بن ایوب البغدادی حدثنا محمد بن ربیعة عن فضیل بن مرزوق عن عطیة عن ابی سعید الخدریؓ قال کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یَدَعُهَا وَیَدَعُهَا حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یُصَلِّیْهَا

''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الضحٰی کبھی تو اس قدر اہتمام سے پڑھتے تھے کہ ہم لوگوں کا یہ خیال ہوتا تھا کہ اب کبھی نہیں چھوڑیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی (فرض ہونے کے خوف سے یا کسی اور مصلحت سے) ایسا ترک فرماتے تھے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ بالکل چھوڑ دی اب کبھی نہیں پڑھیں گے۔''

ف: بہت سے امور کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم امت کی سہولت کے خیال سے ترک فرما دیتے تھے جس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بعض امور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرنے کو دل چاہتا تھا مگر اس ڈر سے اہتمام نہیں فرماتے تھے کہ مبادا امت پر فرض ہو جائیں۔

(۶) حدثنا احمد بن منیع عن هشیم حدثنا عبیدة عن ابراهیم عن سهم بن منجاب عن قرثع الضبی او عن قزعة عن قرثع عن ابی ایوب الانصاریؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُدْمِنُ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّکَ تُدْمِنُ هٰذِهِ الْاَرْبَعَ رَکَعَاتٍ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَقَالَ اِنَّ اَبْوَابَ السَّمَاءِ تُفْتَحُ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَلَا تُرْتَجُ حَتّٰی یُصَلَّی الظُّهْرُ فَاُحِبُّ اَنْ یَّصْعَدَ لِیْ فِیْ تِلْکَ السَّاعَةِ قُلْتُ اَفِیْ کُلِّهِنَّ قِرَاءَةٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ هَلْ فِیْهِنَّ تَسْلِیْمٌ فَاصِلٌ قَالَ لَا حدثنا احمد بن منیع حدثنا ابو معٰویة حدثنا عبیدة عن ابراهیم عن سهم بن منجاب عن قزعة عن القرثع عن ابی ایوبؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوه

''ابو ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے وقت چار رکعت پڑھتے تھے میں نے عرض کیا کہ آپ ان چار رکعتوں کا بڑا اہتمام فرماتے ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان کے دروازے زوال کے وقت سے ظہر کی نماز تک کھلے رہتے ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ میرا کوئی کار خیر اس وقت آسمان پر پہنچ جائے میں نے عرض کیا کہ ان کی ہر رکعت میں قرات کی جائے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں قرات کی جائے میں نے عرض کیا کہ ان میں دو رکعت پر سلام پھیرا جائے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں چاروں رکعات

ایک ہی سلام سے ہونی چاہئیں۔''

ف: یہ نماز صوفیہ کے یہاں صلوٰۃ الزوال سے تعبیر کی جاتی ہے اور ان کے نزدیک مستحب نمازوں میں زوال کی نماز کا بھی شمار ہے۔ لیکن اکثر محدثین کے نزدیک یہ ظہر کی سنتیں ہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک ظہر کی سنت کے علاوہ اور کوئی نوافل زوال کے بعد ایسی نہیں ہیں جن کو حضور ﷺ ہمیشہ پڑھتے ہوں۔ بہرصورت دونوں اقوال کے موافق اس کو اور نیز آئندہ احادیث کو صلوۃ الضحٰی سے کوئی ظاہری مناسب نہیں اس لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا ان احادیث کو چاشت کی نماز کے ذیل میں ذکر کرنا مشکل ہے لیکن مشائخ نے ان کی مختلف توجیہات فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ چونکہ ان کا وقت چاشت کی نماز کا منتہا تھا اس لیے تبعاً ان کے ساتھ ذکر فرمادی۔ مستقل باب کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ کاتب کی غلطی سے اس جگہ نقل ہوگئی۔ ورنہ اس کا اصل محل گزشتہ باب ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بعض نسخوں میں اس جگہ اس کا ذکر نہیں بلکہ اس سے پہلے باب میں ذکر کی گئی ہیں اور بھی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔

**(۷) حدثنا محمد بن المثنٰی حدثنا ابوداؤد حدثنا محمد بن ابی الوضاح عن عبدالکریم الجزری عن مجاھد عن عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّھْرِ وَقَالَ اِنَّھَا سَاعَۃٌ تُفْتَحُ فِیْھَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ فَاُحِبُّ اَنْ یَّصْعَدَ لِیْ فِیْھَا عَمَلٌ صَالِحٌ**

''عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ زوال کے بعد ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرا کوئی عمل صالح اس وقت بارگاہ عالی تک پہنچے۔''

ف: نماز سے بڑھ کر کوئی اور عمل صالح کیا ہوسکتا ہے کہ تمام عبادات سے افضل ترین عبادت ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے دوسری حدیث میں ہے کہ نماز پڑھنے والا جل شانہ سے سرگوشی کرتا ہے۔

**(۸) حدثنا ابو سلمۃ یحیی بن خلف حدثنا عمر بن علی المقدمی عن مسعر بن کِدام عن ابی اسحٰق عن عاصم بن ضمرۃ عن علی رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ کَانَ یُصَلِّیْ قَبْلَ الظُّھْرِ اَرْبَعًا وَذَکَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْھَا عِنْدَ**

**الزَّوَالِ وَيَمُدُّ فِيهَا**

''حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان چار رکعت کو پڑھتے تھے اور ان میں طویل قرات پڑھتے تھے۔''

ف: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ان چار رکعات میں بہتر یہ ہے کہ سورۂ بقرہ پڑھے ورنہ کوئی ایسی سورت جو سو آیت سے زیادہ ہو۔ تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع طویل قرأت میں ہو جائے۔

# باب صلوۃ التطوع فی البیت

## باب حضور اقدس ﷺ کے نوافل گھر میں پڑھنے کا ذکر

ف: نوافل کا گھر میں پڑھنا افضل ہے نبی کریم ﷺ سے قولاً اور فعلاً متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہے اور بہت سی مصالح اس میں ملحوظ ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ نماز کی برکات سے گھر میں برکت اور نورانیت بڑھے گھر کے لوگ نماز کو سیکھیں اور ان کو بھی شوق پیدا ہو حضور اکرم ﷺ کا حکم بعض احادیث میں آیا ہے کہ نماز کا کچھ حصہ گھر میں ادا کیا کرو اور گھروں کو قبرستان نہ بناؤ یعنی جیسا کہ قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی یا جیسا کہ مردے نماز نہیں پڑھتے۔ تمہارے گھر بھی قبرستان کے مشابہ بن جائیں ایسا نہ کرو۔ اس باب میں مصنفؒ نے ایک ہی حدیث ذکر فرمائی ہے۔

(۱) حدثنا عباس العنبری حدثنا عبدالرحمن بن مهدی عن معٰویة بن صالح عن العلاء بن الحارث عن معٰویة عن عمه عبدالله بن سعد قال سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَنِ الصَّلٰوةِ فِيْ بَيْتِيَ وَالصَّلٰوةِ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ قَدْ تَرٰى مَا اَقْرَبَ بَيْتِيْ مِنَ الْمَسْجِدِ فَلَاَنْ اُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِيْ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُصَلِّيَ فِي الْمَسْجِدِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً

''عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ نوافل مسجد میں پڑھنی افضل ہیں یا گھر میں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے (جس کی وجہ سے مسجد میں آنے میں کسی قسم کی دقت یا رکاوٹ نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود) فرائض کے علاوہ مجھے اپنے گھر میں نماز پڑھنا مسجد سے زیادہ پسند ہے۔''

ف: نوافل کا مبنیٰ چونکہ اخفاء پر ہے اس لیے ان کا گھر میں پڑھنا افضل ہے تاکہ اخفاء کامل ہو۔ ریاکاری سے بعد ہو جائے البتہ فرائض وغیرہ جن کا اخفاء مناسب نہیں وہ مسجد ہی میں افضل ہیں جیسے طواف کعبہ کی رکعتیں اور صلوٰۃ التراویح وغیرہ۔ صلوٰۃ التراویح اگرچہ فرائض میں نہیں لیکن رمضان المبارک کا خصوصی امتیاز ہے اور جماعت اس میں مسنون ہے اور اسی طرح ہر وہ نماز جو جماعت سے ادا کی جاتی ہو جیسے کسوف کی نماز کہ ان نمازوں کا اظہار مقصود ہے اس لیے ان کا مسجد میں پڑھنا اولیٰ ہے۔

# باب ما جاء فی صوم رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے روزوں کا ذکر

ف: اس باب سے مقصود حضور اقدس ﷺ کے نفل روزوں کا بیان ہے۔ آپ کی عادت شریفہ روزے بہت رکھنے کی تھی کبھی کبھی آپ مسلسل کئی کئی دن کے روزے رکھتے تھے۔ روزہ کی فضیلتیں احادیث کی کتابوں میں بہت وارد ہوئی ہیں۔ حق تعالیٰ جل شانہ کے ہر حکم میں ہر ارشاد میں ہزاروں مصالح ہیں، حکمتیں ہیں آدمی کی عقل کی اتنی پرواز کہاں ہے کہ جل شانہ جیسے حکیم کی حکمتوں تک پہنچ سکے؟ ہر شخص کی جہاں تک پرواز ہے وہاں تک وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے دینی اور دنیوی فوائد کا ادراک کرسکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اس سے بھی اونچی ہوتی ہیں۔ جس طرح اور احکام میں ہزاروں مصلحتیں ہیں روزے میں بھی منجملہ ان کے چند مصالح ظاہر اور بدیہی ہیں جن میں سے ایک جذبہ مواساۃ اور ہمدردی ہے جو شخص خود بھوکا رہتا ہے اس کو بھوکے کی ہمدردی پیدا ہوسکتی ہے، جو خود بھوک کی تکلیف اٹھاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ غریب پر کیا گزرتی ہے۔ بھوکے کو کس مصیبت کا سامنا ہے؟ ایسی حالت میں اس میں بھوکے کی امداد کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے اور غریب کے ساتھ ہمدردی کا بھی طبیعت تقاضا کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ روزہ سے قوت بہیمیہ اور شہوانیہ کا زور کم ہوتا ہے یہ قوت جب زور پکڑتی ہے تو بہت سے ایسے امور آدمی سے سرزد ہوتے ہیں جو دین اور دنیا میں روسیاہی کا سبب بنتے ہیں۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں

ایں نہ عشق است آں کہ در مردم بود
ایں فساد از خوردن گندم بود

یہ عشق یعنی جو آج کل لوگوں میں ہوتا ہے وہ عشق نہیں ہے جو بھلے آدمیوں میں ہوتا ہے یہ پیٹ بھرنے کا فساد ہے کہ جب پیٹ بھرائی مل جاتی ہے تو ناپاک حرکتیں خوب سوجھتی ہیں اور جب بھوک کا غلبہ ہو رہا ہو تو عشق وشق سب بھول جاتا ہے اس لیے حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو نکاح نہ کرسکتا ہو اس کو چاہیے کہ روزہ کثرت سے رکھا کرے کہ یہ شہوت کو توڑنے والا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بڑی مصلحت روحانیت کی قوت ہے۔ روزہ سے روحانیت کو بہت زیادہ ترقی ہوتی ہے اسی وجہ

سے ہر ملت و مذہب میں کسی نہ کسی صورت سے روزے کا وجود ہے اور مذاہب حقہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے روزہ کی مشروعیت رہی ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا معمول روزے میں مختلف رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا معمول ہمیشہ بارہ مہینے روزے رکھنے کا تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام کا معمول ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معمول ایک دن روزہ دو دن افطار تھا۔ اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کے مختلف معمولات رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اس میں بھی عجیب نرالا تھا کہ مصالح وقتیہ کے تحت میں خاص خاص ایام کے روزے معمول اور متعین فرما رکھے تھے اور ان کے علاوہ وقتی مصالح کے تحت میں بسا اوقات لگا تار روزے رکھتے اور بسا اوقات افطار فرماتے جس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب روزہ بمنزلہ ایک تریاق اور دوا کے ہے تو وقتی مصالح سے اس میں قلت و کثرت جیسا کہ دوا کا اصول ہے لابدی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معمولات نمونہ کے طور پر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائے ہیں۔

(۱) حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا حماد بن زید عن ایوب عن عبداللہ بن شقیق قال سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صِیَامِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ کَانَ یَصُوْمُ حَتّٰی نَقُوْلَ قَدْ صَامَ وَیُفْطِرُ حَتّٰی نَقُوْلَ قَدْ اَفْطَرَ قَالَتْ وَمَا صَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَھْرًا کَامِلًا مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ اِلَّا رَمَضَانَ

''عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے رکھنے کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم متواتر روزے رکھتے تھے کہ ہمارا یہ خیال ہوتا کہ اس ماہ میں افطار ہی نہیں فرمائیں گے اور کبھی ایسا مسلسل افطار فرماتے تھے کہ ہمارا خیال یہ ہوتا کہ اس ماہ میں روزہ ہی نہیں رکھیں گے۔ لیکن مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد سے رمضان المبارک کے علاوہ کسی تمام ماہ کے روزے نہیں رکھے (ایسے ہی کسی ماہ کو کامل افطار میں گزار دیا ہو یہ بھی نہیں۔ کمافی ابوداؤد) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معمول کے متعلق کسی قدر تفصیل حدیث نمبر ۳ میں آئے گی۔''

(۲) حدثنا علی بن حجر حدثنا اسمٰعیل بن جعفر عن حُمید عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَانَ یَصُوْمُ مِنَ الشَّھْرِ حَتّٰی نَرٰی اَنْ لَّا یُرِیْدَ اَنْ یُّفْطِرَ مِنْہُ وَیُفْطِرُ مِنْہُ حَتّٰی نَرٰی اَنْ لَّا یُرِیْدَ اَنَّہٗ یَصُوْمُ مِنْہُ شَیْئًا وَکُنْتَ لَا تَشَاءُ اَنْ تَرَاہُ مِنَ اللَّیْلِ مُصَلِّیًا اِلَّا اَنْ رَاَیْتَہٗ مُصَلِّیًا

وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَیْتَهٗ نَائِمًا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کے متعلق پوچھا' انہوں نے فرمایا کہ عادت شریفہ اس میں مختلف تھی کسی ماہ میں تو اتنی کثرت سے روزے رکھتے تھے جس سے یہ خیال ہو جاتا کہ اس میں افطار فرمانے کا ارادہ ہی نہیں ہے اور کسی ماہ میں ایسا مسلسل افطار فرماتے تھے جس سے ہم یہ سمجھتے تھے کہ اس ماہ میں آپ کا روزہ کا ارادہ ہی نہیں ہے آپ کی عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ اگر تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کو سوتا ہوا دیکھنا چاہو تو یہ بھی مل جاتا اور اگر نماز پڑھتا ہوا دیکھنا چاہو تو یہ بھی میسر ہو جاتا۔

ف: مقصود یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ نہ تمام رات سونے کی تھی نہ تمام رات جاگنے کی تھی بلکہ درمیانی رفتار میں حقوق نفس کی رعایت فرماتے ہوئے عادات کا اہتمام بھی پورا پورا فرماتے تھے۔ اس لیے شب کو سوتے ہوئے دیکھنا بھی ممکن تھا کہ کچھ حصہ آرام بھی فرماتے تھے اور نماز کی حالت میں دیکھنا بھی کہ کچھ حصہ نماز میں گزرتا تھا۔ بعض علماء نے اس کا دوسرا مطلب بھی بتایا ہے وہ یہ کہ عادت شریفہ اس باب میں مختلف تھی کہ کبھی اول شب میں نوافل پڑھتے کبھی وسط رات میں کبھی اخیر میں۔ اس لیے اگر رات کے کسی حصہ خاص میں کوئی سوتے ہوئے یا نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے۔ یعنی اگر کوئی یہ چاہے کہ میں اول رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتا ہوا دیکھوں تو کسی دن یہ بھی مل جاتا اور اس وقت سوتا ہوا دیکھنا چاہے تو یہ بھی مل جاتا۔ اس لیے کہ رات کا ہر حصہ کسی نہ کسی دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں گزارتے تھے اور اس کی دو مصلحتیں سمجھ میں آتی ہیں اول تو یہ کہ عبادت جو اصل مقصد اور آدمی کے وجود کی غرض ہے اور اللہ کی رضا کا سبب ہے رات کے ہر حصے کو کبھی نہ کبھی اس کی برکات میسر ہو جائیں اور قیامت میں رات کا ہر حصہ اپنے اندر عبادت کا وجود رکھے دوسرے یہ کہ عبادت جب ایک ہی وقت میں ہوتی رہے تو بمنزلہ عادت کے بن جاتی ہے' پھر مشقت کا لطف نہیں رہتا اور جب رات کے مختلف حصوں میں عبادت کی جائے تو عادت نہ بنے گی۔

**(۳) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابوداود حدثنا شعبة عن ابی بشر قال سمعت سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ قال کان النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ حَتّٰی نَقُوْلَ مَایُرِیْدُ اَنْ یُفْطِرَ مِنْهُ وَ یُفْطِرَ حَتّٰی نَقُوْلَ مَا یُرِیْدُ اَنْ یَّصُوْمَ وَمَا صَامَ شَهْرًا کَامِلًا مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ اِلَّا رَمَضَانَ۔**

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت شریفہ مروی ہے کہ کسی ماہ میں اکثر حصہ روزہ رکھتے تھے جس سے ہمارا خیال ہوتا تھا کہ اس میں افطار کا ارادہ نہیں اور کسی ماہ میں ایسے ہی اکثر افطار فرماتے تھے جس سے ہمیں خیال ہوتا کہ اس میں روزہ نہیں رکھیں گے لیکن کسی ماہ میں بجز رمضان المبارک کے تمام ماہ روزہ نہیں رکھتے تھے۔

ف: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول متعدد روایات میں گزر چکا ہے۔ اس معمول کی دو وجہ ہیں اول تو یہ کہ باب کے شروع میں گزر چکا ہے کہ روزہ حقیقت میں ایک تریاق ہے اور بسا اوقات روحانی ترقی اور دیگر وقتی مصالح کے لیے بطور دوا کے بھی رکھا جاتا ہے ایسی صورت میں دوا کے عام اصول کے موافق بسا اوقات اس کے مسلسل استعمال کی حاجت ہوتی ہے اور بسا اوقات خاص ضرورت نہیں ہوتی یا اگر معمولی ضرورت بھی ہوتی ہے تو دوسرے وقتی عوارض کی وجہ سے دوا کا ترک ضروری ہوتا ہے جو اطباء کے یہاں ایک معروف چیز ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر روحانیت کا طبیب کون ہو سکتا ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وقتی ضروریات کے لحاظ سے بسا اوقات مسلسل روزے رکھتے تھے اور بسا اوقات مسلسل افطار فرماتے تھے امت کے لیے بھی جو حضرات خود روحانی طبیب ہیں وہ روحانی مصالح کے لحاظ سے روزے اور افطار کے اوقات متعین فرما سکتے ہیں اور جو شخص خود طبیب نہیں ہے وہ کسی روحانی طبیب کے زیر علاج عملدرآمد کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ خصوصی معمولات تھے مثلاً پیر جمعرات کا روزہ رکھنا' ہر مہینہ میں تین روزے رکھنا' ایام بیض' عشرہ محرم' عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھنا وغیرہ وغیرہ یہ معمولات بسا اوقات اسفار وغیرہ عوارض کی وجہ سے چھوٹ جاتے تھے اس لیے عوارض دور ہو جانے کے بعد بطور قضا اور تلافی کے جتنے روزے معمول میں سے ترک ہو جاتے تھے ان کو پورا فرما لیا کرتے تھے کہ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی عبادت کو شروع فرماتے تو اس پر دوام اور نباہ فرمایا کرتے تھے اس لیے جتنے روزے معمول سے رہ جاتے تو ان کو رکھتے اس لیے لگاتار روزے رکھنے کی نوبت آ جاتی تھی۔ اللھم وفقنا اتباعہ۔

(۴) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبد الرحمن بن مهدی عن سفیٰن عن منصور عن سالم بن ابی الجعد عن ابی سلمة عن ام سلمةؓ قالت ما رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ شَھْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ اِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ۔ قال ابو عیسیٰ هذا اسناد صحیح وھکذا قال عن ابی سلمة عن ام سلمةؓ وروی

هذا الحديث غير واحد عن ابی سلمةؓ عن عائشةؓ عن النبی ﷺ ويحتمل ان يكون ابو سلمة بن عبد الرحمن قد روى هذا الحديث عن عائشةؓ وام سلمةؓ جميعا عن النبی ﷺ ۔

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو رمضان وشعبان کے سوا دو ماہ کامل روزے رکھتے نہیں دیکھا۔''

ف: یہ حدیث بظاہر گذشتہ تمام احادیث کے خلاف ہے کیوں کہ اب تک سب روایتیں اس پر متفق تھیں کہ حضور اکرم ﷺ رمضان المبارک کے علاوہ کسی ماہ کے مسلسل روزے نہیں رکھتے تھے لیکن اس حدیث میں اس کے ساتھ شعبان کو بھی ملا دیا۔ ان دونوں کی تطبیق علماء نے مختلف طریقہ سے فرمائی ہے۔ اول یہ کہ اس حدیث میں تمام شعبان کو مبالغہ کے طور پر کہا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ اکثر حصہ شعبان کے روزے رکھنے کی تھی۔ چنانچہ آئندہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خود اس کی تصریح موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کسی وقت میں اتفاقاً حضور اکرم ﷺ نے تمام ماہ شعبان کے روزے رکھے ہوں جس کی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع ہوئی اوروں کو نہیں ہوئی۔ تیسرے یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات کی روایت میں عادت کی نفی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ رمضان کے علاوہ اور کسی ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کی نہیں تھی۔ اتفاقاً کسی ماہ کے پورے روزے رکھ لینا اس کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے اگر کسی سال کسی عارض کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے شعبان کے بھی پورے روزے رکھ لیے ہوں تو چونکہ وہ معمول نہ تھا اس لیے حضرت عائشہؓ وغیرہ نے ان کا تذکرہ نہیں کیا اور چونکہ پورے مہینے کے رکھے تھے اس لیے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو ذکر کر دیا اس لیے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ حضور اکرم ﷺ ابتدا میں شعبان کے تمام مہینے کے روزے رکھتے ہوں اور اخیر میں ضعف کی وجہ سے کم کر دیئے ہوں۔ اس لیے جس نے آخری فعل ذکر کیا اس وجہ سے کہ وہ آخری فعل تھا اس نے اکثر ذکر کیا اور جس نے یہ خیال کیا کہ یہ عارض کی وجہ سے تھا اصل معمول تمام مہینہ کا تھا اس نے تمام مہینہ ذکر کر دیا۔ بعض نے اس کا عکس بتایا ہے جیسا کہ روایت کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اول اکثر مہینے کے روزے رکھتے تھے بعد میں تمام مہینے کے رکھنے لگے۔

(۵) حدثنا هناد حدثنا عبدة عن محمد بن عمرو حدثنا ابو سلمة عن عائشةؓ قَالَتْ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ فِیْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْ

صِيَامِهٖ فِیْ شَعْبَانَ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِيْلًا بَلْ كَانَ يَصُوْمُ كُلَّهٗ۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو (رمضان کے علاوہ) شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزے رکھتے نہیں دیکھا شعبان کے اکثر حصہ میں آپ روزے رکھتے تھے بلکہ (قریب قریب) تمام مہینہ کے روزے رکھتے تھے۔

ف: یہ ترقی کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تمام ماہ شعبان کے روزوں کا ذکر صاف بتلا رہا ہے کہ اس سے مبالغہ مقصود ہے شعبان میں روزوں کی کثرت کی وجہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی کہ اس مہینہ میں وہ دن بھی ہے جس میں سال کے اعمال حق تعالیٰ جل شانہ کے دربار میں پیش ہوتے ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ میرے اعمال اسی حالت میں پیش ہوں کہ روزہ دار ہوں اس کے علاوہ اور بھی بعض وجوہ احادیث وغیرہ میں وارد ہوئی ہیں اور بعض اوقات ایک وجہ کا ہونا' دوسرے وقت میں دوسری وجہ کا ہونا بھی ممکن ہے اور متعدد وجوہ کا جمع ہو جانا بھی حضرت عائشہؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تین دن ہر ماہ میں روزے رکھنے کا تھا وہ بسا اوقات عوارض کی وجہ سے رہ جاتے تھے اور سب کا مجموعہ شعبان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکھا کرتے تھے اس کے ساتھ دوسری روایات میں پیر جمعرات کا روزہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نقل کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر دو تین مہینے بھی تمام سال میں کسی عذر سے چھوٹ گئے تو ایک مہینہ کے روزے بن جانا کیا مشکل ہے؟ ایک روایت میں آیا ہے کہ رمضان کی تعظیم کی وجہ سے شعبان کا روزہ افضل ہے یعنی جیسے فرض نمازوں سے قبل سنتیں پڑھی جاتی ہیں ایسے ہی رمضان سے قبل نفل روزے ہیں۔ اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ضعف روزہ کا کچھ ایسا اثر نہ ہوتا تھا اسی وجہ سے لگاتار روزے بھی رکھ لیتے تھے' ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے شعبان میں روزوں کی کثرت کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس مہینہ میں ہر اس شخص کا نام مرنے والوں میں لکھا جاتا ہے جو اس تمام سال میں مرنے والے ہوں' میرا دل چاہتا ہے کہ میری موت ایسی حالت میں لکھی جائے کہ میں روزہ دار ہوں بعض علماء نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر مہینہ میں نفل روزے رکھنے کا مخصوص معمول تھا اور رمضان المبارک میں نفل روزے رکھنے کی کوئی صورت نہ تھی اس لیے ماہ رمضان کے حصے کے روزے بھی پیشگی شعبان ہی میں رکھ لیتے تھے اور اسی بناء پر شعبان رمضان دو مہینوں کے روزے مل کر اکثر حصہ مہینہ کا ہو جاتا تھا۔

(۶) حدثنا القاسم دينار الكوفی حدثنا عبيد الله بن موسی وطلق بن غنام عن شيبان عن عاصم عن زر بن حبيش عن عبداللهؓ قال كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَقَلَّ مَاكَانَ يُفْطِرُيَوْمَ الْجُمُعَةِ۔

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ کے شروع میں تین دن روزہ رکھا کرتے تھے اور جمعہ کے دن بہت کم افطار فرماتے تھے۔

ف: ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھنے کی ترغیب مختلف احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہونے کی وجہ سے تین روزوں کا ثواب ایک ماہ کے روزوں کے برابر ہو جاتا ہے اور اس حیثیت سے یہ شخص گویا عمر بھر روزہ دار رہنے کے حکم میں ہوگا۔ ان تین دن کی تعیین میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں لیکن کوئی مخالف نہیں کبھی حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم مہینہ کے شروع ہی میں تین روزے رکھ لیتے تھے کبھی کبھی ہر پیر جمعرات کو، کبھی تیرہ، چودہ، پندرہ کو ایسے ہی اور مختلف اوقات میں بھی، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آئندہ حدیث میں وارد ہے کہ متعین ایام نہ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایام بیض کے روزے کبھی سفر یا حضر میں ترک نہیں فرماتے تھے۔ دوسرا مضمون حدیث بالا میں جمعہ کے روزہ کے متعلق ہے اس حدیث سے جمعہ کے دن روزہ کا اہتمام معلوم ہوتا ہے لیکن دوسری روایات میں روزہ کے لیے جمعہ کی تخصیص کی ممانعت آئی ہے اسی وجہ سے بعض علماء حدیث بالا کی وجہ سے اس کے استحباب کے قائل ہوئے ہیں اور بعض علماء ممانعت کی وجہ سے جمعہ کی تخصیص کو مکروہ بتاتے ہیں۔ خود حنفیہ کے یہاں بھی دونوں قول ہیں۔

(۷) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابوداود حدثنا شعبة عن یزید الرشك قال سمعت معاذةؓ قَالَتْ قُلْتُ لِعَائِشَةَؓ اَكَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَصُوْمُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ مِنْ اَيِّهٖ كَانَ يَصُوْمُ قَالَتْ كَانَ لَا يُبَالِيْ مِنْ اَيِّهٖ صَامَ قال ابو عیسٰی ویزید الرشك هو یزید الضبعی البصری وهو ثقة وروی عنه شعبة وعبدالوارث بن سعید وحماد بن یزید واسمٰعیل بن ابراهیم وغیر واحد من الائمة وهو یزید القاسم ویقال القسام والرشك بلغة اهل البصرة هو القسام

''معاذہ رحمہا اللہ کہتی ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ میں تین روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ رکھتے تھے، میں نے مکرر پوچھا کہ مہینہ کے کن ایام میں رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس کا اہتمام نہیں ہوتا۔ جن ایام میں موقع ہوتا رکھ لیتے۔''

ف: یعنی کسی زمانے میں یہ بھی معمول شریف رہا ہے کہ تعیین ایام کا اہتمام نہیں تھا اور کبھی مخصوص

ایام میں مثلاً مہینہ کی پہلی تاریخوں میں کبھی مہینہ کے اخیر تین ایام میں کبھی ایک مہینہ میں شنبہ یک شنبہ دوشنبہ کو رکھتے اور دوسرے مہینہ میں سہ شنبہ چہار شنبہ پنجشنبہ کو رکھتے اسی لیے اس بارے میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں اور اسی لیے حضرت عائشہؓ نے تعیین کا انکار فرما دیا۔

**(۸) حدثنا ابو حفص عمرو بن علی حدثنا عبدالله بن داود عن ثور بن یزید عن خالد بن داود عن ثور بن یزید عن خالد بن معدان عن ربیعة الجرشی عن عائشةؓ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَحَرّٰى صَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ پیر جمعرات کے روزہ کا (اکثر) اہتمام فرماتے تھے۔''

ف: بعض روایات میں ان دنوں کے روزے کے اہتمام کی وجوہ بھی وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ایک وجہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قریب آ رہی ہے کہ دونوں دن اعمال کی پیشی کے ہیں۔ پیر کے دن کے متعلق مسلم شریف کی ایک روایت میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ میں پیر ہی کے دن پیدا کیا گیا ہوں اور پیر ہی کے روز مجھ پر قرآن شریف نازل ہونا شروع ہوا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن حق تعالیٰ جل شانہٗ ہر مسلمان کی مغفرت (بشرط قواعد) فرما دیتے ہیں مگر جن دو شخصوں میں آپس میں چھوٹ چھٹاؤ ہو ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان کی مغفرت کو اس وقت تک روک دیا جائے جب تک کہ یہ آپس میں صلح نہ کر لیں۔

**(۹) حدثنا ابو مصعب المدینی عن مالك بن انس عن ابی النضر عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن عائشةؓ قَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ فِيْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْ صِيَامِهٖ فِيْ شَعْبَانَ**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزے نہیں رکھتے تھے۔''

ف: اس کا بیان مفصل گزر چکا ہے۔

**(۱۰) حدثنا محمد بن یحییٰ حدثنا ابو عاصم عن محمد بن رفاعة عن سهیل بن ابی صالح عن ابیه عن ابی هریرةؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُّعْرَضَ عَمَلِيْ وَاَنَا صَائِمٌ**

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اعمال پیر جمعرات

کے دن حق تعالیٰ جل شانہٗ کی عالی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش ہوں۔''

ف: تاکہ قبولیت کے زیادہ قریب ہو جائیں۔ اعمال پیش ہونے میں یہ اشکال ہے کہ مسلم شریف کی ایک روایت کا یہ حاصل ہے کہ اعمال صبح وشام دو مرتبہ روزانہ بارگاہ تک پہنچتے ہیں پھر پیر جمعرات کو پیش ہونے کا کیا مطلب؟ ان دونوں کے درمیان میں محدثین نے مختلف طریقہ سے جمع کیا ہے سہل یہ ہے کہ رات دن کے اعمال تفصیلی طور پر روزانہ دو مرتبہ پیش ہوتے ہیں رات کے علیحدہ اور دن کے علیحدہ اور پھر معمولی تفصیل سے ہفتہ میں دو بار پیر جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اور تمام سال کے مجموعی اعمال اجمالی طور پر شعبان میں اور شب قدر میں بھی پیش ہوتے ہیں اور بار بار کی پیشی میں منجملہ متعدد مصالح کے ایک مصلحت فرشتوں کے سامنے نیک لوگوں کا اظہار شرف ہے کہ ان حضرات نے آدمی کی پیدائش کے وقت یہ اشکال کیا تھا کہ آپ ایسی مخلوق کو پیدا فرما رہے ہیں جو دنیا میں کشت وخون اور فساد برپا کریں گے؟ اسی لیے حق تعالیٰ شانہ بہت سے نیک اعمال کا فرشتوں کے سامنے تفاخر کے طور پر تذکرہ بھی فرماتے ہیں ورنہ حق تعالیٰ شانہ ہر شخص کے ہر عمل سے ہر وقت واقف ہیں ان کے لیے اعمال پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

**(۱۱) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابو احمد ومعٰویة بن هشام قالا حدثنا سفیان عن منصور عن خیثمة عن عائشةؓ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْاٰخِرَ الثَّلَاثَاءَ وَالْاَرْبَعَاءَ وَالْخَمِيْسَ**

''حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (کبھی) ہر مہینہ کے تین روزے اس طرح بھی رکھتے تھے کہ ایک مہینہ میں ہفتہ اتوار پیر کو روزہ رکھ لیتے اور دوسرے ماہ میں منگل بدھ جمعرات کو۔''

ف: تاکہ ہفتہ کے تمام دنوں میں روزے ہو جائیں اور جمعہ کا روزہ قصداً نہ کرتے ہوں جیسا کہ بعض روایات میں اس کو عید کا دن قرار دیا گیا اور دوسرے اہم مشاغل اس میں ہوتے ہیں یا اس روایت میں ذکر نہیں کیا گیا دوسری روایات میں اس کے روزے کا ذکر ہے ہی۔

**(۱۲) حدثنا هارون بن اسحٰق الهمدانی حدثنا عبدة بن سلیمان عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشةؓ قالت كَانَ عَاشُوْرَاءُ يَوْمًا تَصُوْمُهٗ قُرَيْشٌ فِي**

الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ صَامَهُ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا افْتُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ رَمَضَانُ هُوَ الْفَرِيْضَةُ وَتُرِكَ عَاشُوْرَاءُ فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عاشوراء کا روزہ زمانہ جاہلیت میں قریش رکھا کرتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی (ہجرت سے) قبل تطوعاً رکھ لیا کرتے تھے (لیکن ہجرت کے بعد) جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو خود بھی (اہتمام سے) رکھا اور امت کو بھی (وجوباً) حکم فرمایا مگر جب رمضان المبارک نازل ہوا تو وہی فرضی روزہ بن گیا اور عاشورے کی فرضیت منسوخ ہوگئی (اب استحباب باقی ہے) جس کا دل چاہے رکھے جس کا دل چاہے نہ رکھے۔''

ف: عاشورے کے روزے کی فضیلت میں مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ عرفہ کے روزہ سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور عاشورے کے روزہ سے ایک سال کے۔ بعض شروح میں لکھا ہے کہ عاشورے کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کنارہ پر آئی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی تھی اور فرعون غرق ہوا تھا اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی دن آسمان پر اٹھائے گئے اور اسی دن حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے خلاصی ملی اور اسی دن ان کی امت کا قصور معاف ہوا اور اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کنوئیں سے نکالے گئے۔ اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کو مشہور مرض سے صحت عطا ہوئی اور اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے۔ اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عطا ہوا۔ اس کے علاوہ اور بھی کرامات اس دن کی شروح حدیث اور کتب سیر میں لکھی ہیں محدثانہ حیثیت سے ان میں کلام بھی ہے مگر بہت سے کرامات صحیح طور سے بھی ثابت ہیں کہتے ہیں کہ وحشی جانور بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں اللہ اکبر کس قدر متبرک دن ہیں جس کو ہم لوگ لہو ولعب میں ضائع کر دیتے ہیں غالباً انہیں میں سے کسی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں اس دن کی فضیلت مشہور تھی جس کی وجہ سے قریش اسلام سے قبل اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود جو اہل کتاب ہیں وہ بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ یہ روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس دن حق تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خلاصی عطا کی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا ہے۔ حضور اکرم

ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اتباع کے تم سے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور امت کو بھی اس روزہ کا حکم فرمایا۔ مسلم شریف میں قصہ مذکور ہے اسی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک رمضان سے پہلے یہ روزہ فرض تھا جب رمضان شریف کا روزہ فرض ہوا تو اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی استحباب اور ایک سال کے گناہ معاف ہونے کی فضیلت اب بھی باقی ہے۔

**مسئلہ:** عاشورے کا روزہ اصل دسویں تاریخ کا ہے لیکن نبی کریم ﷺ ابتدائے اسلام میں اہل کتاب کی موافقت فرماتے تھے کہ ان کا مذہب بہر حال آسمانی ہے اور مشرکین کے مذہب سے اولیٰ ہے۔ مگر اخیر زمانہ میں اہل کتاب کی مخالفت کا قولاً اور فعلاً اہتمام ہوگیا تھا جو بہت سی وجوہ سے ضروری تھا اسی سلسلہ میں کسی صحابی نے ادھر توجہ دلائی تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اگر زندہ رہا تو آئندہ سال نویں تاریخ کا روزہ رکھوں گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے، یہود کی مخالفت کرو اور نویں یا گیارھویں کا روزہ رکھا کرو۔ یعنی دسویں کے ساتھ ایک اور ملا لیا کرو کہ اس سے تشبہ جاتا رہتا ہے اس لیے تنہا عاشورے کا روزہ نہیں رکھنا چاہیے بہتر تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ نویں تاریخ کا روزہ ملا لے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے اگر نویں کا نہ ملا سکے تو پھر گیارھویں کا ملا لے۔

**(۱۳) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی حدثنا سفیان عن منصور عن ابراهیم عن علقمة قال سَاَلْتُ عَائِشَةَ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخُصُّ مِنَ الْاَيَّامِ شَيْئًا قَالَتْ كَانَ عَمَلُهٗ دِيْمَةً وَاَيُّكُمْ يُطِيْقُ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيْقُ**

''علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا حضور اقدس ﷺ ایام کو عبادت کے لیے مخصوص فرمایا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ (نہیں) حضور اکرم ﷺ کے اعمال دائمی ہوتے تھے۔ تم میں سے اس بات کی کون طاقت رکھتا ہے جس کی حضور اقدس ﷺ طاقت رکھتے تھے۔''

ف: یعنی کسی دن کو کسی عبادت کے ساتھ مخصوص فرما لیتے ہوں۔ مثلاً پیر کا دن روزہ کے ساتھ مخصوص ہو کہ ہر پیر کو روزہ رکھتے ہوں کبھی افطار نہ فرماتے ہوں یا یہ کہ پیر کے علاوہ روزہ نہ رکھتے ہوں۔ یہ دونوں باتیں نہ تھیں البتہ یہ حضور اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ جو کام شروع فرماتے اس پر مداومت فرماتے تھے تم لوگ اس قدر مداومت اور اہتمام کی طاقت نہیں رکھتے جتنا حضور اکرم ﷺ

اپنے معمولات کا اہتمام فرماتے تھے کہ جو معمول کسی عذر سے رہ جاتا دوسرے وقت اس کو پورا فرماتے جیسا کہ شعبان کے روزوں کے بیان میں گزرا۔ حاصل یہ ہے کہ اس حیثیت سے تخصیص نہ تھی کہ وہ عمل اسی دن کیا جائے اور اس دن میں دوسرا عمل نہ کیا جائے۔ البتہ معمولات کے پورا کرنے کا اہتمام تھا' جن میں خاص ایام کے روزے بھی داخل ہیں۔ اس تقریر پر یہ اشکال نہیں رہا کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث نمبر ۸ پر پیر جمعرات کے روزے کا اہتمام گزر چکا ہے جو ہر ماہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھنے کا معمول تھا جن کا حدیث نمبر ۲ میں گزرا۔ اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔

**(۱۴) حدثنا هارون بن اسحٰق حدثنا عبدة عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشةؓ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِي امْرَاةٌ فَقَالَ مَنْ هٰذِهِ قُلْتُ فُلَانَةُ لَاتَنَامُ اللَّيْلَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ مَاتُطِيْقُوْنَ فَوَ اللّٰهِ لَايَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا وَكَانَ اَحَبُّ ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ يَدُوْمُ عَلَيْهِ صَاحِبُهٗ۔**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ تشریف لائے تو میرے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ فلانی عورت ہے جو رات بھر نہیں سوتیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نوافل اس قدر اختیار کرنی چاہئیں جن کا تحمل ہو سکے حق تعالیٰ جل شانہ ثواب دینے سے نہیں گھبراتے یہاں تک کہ تم عمل کرنے سے گھبرا جاؤ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی عمل زیادہ پسند تھا جس پر آدمی نباہ کر سکے۔''

ف: یہ صحابیہ حضرت حولاء رضی اللہ عنہا تھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عبادت کا ولولہ اور جوش تھا۔ حدیث کی کتابوں میں بہت سے قصے اس قسم کے مذکور ہیں کہ ان حضرات کا شوق ان کو حد سے زیادہ مجاہدہ پر مجبور کرتا تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعتدال کی نصیحت فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ ایک مشہور صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ طے کر لیا کہ عبادت میں بہت ہی کوشش کروں گا۔ دن میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور رات کو روزانہ ایک کلام مجید ختم کیا کروں گا۔ میرے والد نے ایک شریف عورت سے میرا نکاح کر دیا۔ ایک مرتبہ والد نے بیوی سے میرا حال دریافت کیا اس نے عرض کیا بہت نیک آدمی ہیں رات بھر بستر پر نہیں آتے نہ کسی سے کوئی واسطہ رکھتے ہیں۔ میرے والد مجھ

پر بہت خفا ہوئے کہ میں نے کیسی شریف عورت سے تیرا نکاح کیا تھا تو نے اس کو معلق چھوڑ رکھا ہے؟ مجھ پر غلبہ شوق میں کچھ اثر نہ ہوا۔ والد نے حضور اکرم ﷺ سے شکایت کردی۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا میں نے سنا ہے کہ تم دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت صحیح ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایسا نہ کیا کرو کبھی روزہ رکھا کرو اور کبھی افطار۔ اسی طرح رات کو نمازیں بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے' تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے کہ رات بھر جاگنے سے ضعیف ہو جاتی ہیں' تمہاری بیوی کا بھی حق ہے' اولاد کا بھی حق ہے' ملنے والوں کا بھی حق ہے۔

(۱۵) حدثنا ابو هشام محمد بن يزيد الرفاعي حدثنا ابن فضيل عن الاعمش عن ابي صالح قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَؓ وَاُمَّ سَلَمَةَؓ اَيُّ الْعَمَلِ كَانَ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتَا مَادِيْمَ عَلَيْهِ وِاِنْ قَلَّ

''ابوصالح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ ؓ اور حضرت ام سلمہ ؓ سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ کے نزدیک کون سا عمل زیادہ پسند تھا؟ دونوں نے یہ جواب دیا کہ جس عمل پر مداومت کی جائے خواہ کتنا ہی کم ہو۔''

ف: ان سب روایتوں سے یہ مقصود ہے کہ روزہ اور ایسے ہی ہر نفلی عمل خواہ قلیل ہو لیکن جتنا کر سکے اتنا نباہ کر اہتمام سے کرے مگر ایسا بھی نہ کرے کہ نہ نبھنے کے خوف سے نفل اعمال کو بالکل ہی خیر باد کہہ دے کہ فرائض میں کوتاہی کو پورا کرنے والی چیزیں نوافل ہی ہیں اس لیے اہتمام کے ساتھ جس قدر نباہ ہو سکے اس کی سعی کرے۔

(۱۶) حدثنا محمد بن اسمعيل حدثنا عبدالله بن صالح حدثني معاوية بن صالح عن عمرو بن قيس انه سمع عاصم بن حميد قال سَمِعْتُ عوف بن مالكؓ يَقُوْلُ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَاسْتَاكَ ثُمَّ تَوَضَّاَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ فَقُمْتُ مَعَهٗ فَبَدَاَ فَاسْتَفْتَحَ الْبَقَرَةَ فَلَا يَمُرُّ بِاٰيَةِ رَحْمَةٍ اِلَّا وَقَفَ فَسَاَلَ وَلَا يَمُرُّ بِاٰيَةِ عَذَابٍ اِلَّا وَقَفَ فَتَعَوَّذَ ثُمَّ رَكَعَ فَمَكَثَ رَاكِعًا بِقَدْرِ قِيَامِهٖ وَيَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظْمَةِ ثُمَّ سَجَدَ بِقَدْرِ رُكُوْعِهٖ وَيَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحٰنَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظْمَةِ ثُمَّ قَرَءَ اٰلِ عِمْرَانَ ثُمَّ سُوْرَةً سُوْرَةً يَفْعَلُ مِثْلَ ذٰلِكَ

''عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک شب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک فرمائی پھر وضو فرمایا۔ پھر نماز کی نیت باندھ لی میں نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتداء کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز کی نیت باندھ لی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ بقرہ شروع فرمائی اور جس آیتِ رحمت پر گزرتے وہاں وقفہ فرما کر حق تعالیٰ جل شانہ سے رحمت کا سوال فرماتے اور ایسے ہی جس آیت عذاب پر گزرتے وہاں وقفہ فرما کر حق تعالیٰ شانہ سے اس عذاب سے پناہ مانگتے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً اتنی ہی دیر رکوع فرمایا رکوع میں **سبحان ذی الجبروت والملکوت الْکِبْرِیَاءِ والعظمۃ** یہ دعا پڑھتے رہے۔ پاک ہے وہ ذات جو حکومت اور سلطنت والی نہایت بزرگی اور عظمت و بڑائی والی ہے۔ پھر رکوع ہی کی مقدار کے موافق سجدہ کیا اور اس میں بھی یہی دعا پڑھی (پھر دوسری رکعت میں) سورۂ آل عمران اور اسی طرح (ایک ایک رکعت میں) ایک ایک سورت پڑھتے تھے۔''

ف: یہ چار رکعتیں کتنی لمبی ہوں گی الفاظ سے خود ہی ظاہر ہے کہ ایک سورہ بقرہ اڑھائی پارے کی سورت ہے اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کہ نہایت اطمینان سے ہر حرف علیحدہ ظاہر ہو اس پر ہر آیت رحمت اور عذاب پر ٹھہر کر دعائیں مانگنا پھر اتنا ہی طویل رکوع اور پھر سجدہ بھی ایسا ہی' یہ ایک رکعت ہوئی اس طرح کی چار رکعت جو تمام رات میں بھی بمشکل پوری ہوں لیکن غلبہ شوق کے سامنے بالخصوص ایسی ذات کے لیے جس کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہو یہ چیز کچھ بھی گراں نہ تھی۔ اخیر کی چند حدیثوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے تذکرہ سے بظاہر کوئی تعلق نہیں۔ شمائل کے بعض نسخوں میں تو یہ متفرق باب چاشت کا بیان اور روزہ کا بیان وغیرہ ہیں ہی نہیں بلکہ یہ تمام حدیثیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے باب میں ہیں ان میں تو کوئی اشکال ہی نہیں لیکن جن نسخوں میں یہ متفرق باب موجود ہیں ان میں ایک دقیق بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ عموماً جو لوگ روزوں کے شوقین ہوتے ہیں اکثر دیکھا گیا کہ وہ ایسا افراط کرنے لگتے ہیں کہ حقوق میں کوتاہی ہو جاتی ہے اس لیے اول امام ترمذی رحمہ اللہ علیہ نے اعتدال اور میانہ روی کی حدیثیں ذکر کیں اور اخیر روایت سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اگر غلبہ شوق میں کسی وقت کچھ معمول سے زیادتی ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ ایسا نہ ہونا چاہیے کہ عبادت سے ملال اور نفور پیدا ہو جائے۔

❀❀❀

# باب ما جاء في قراءة رسول الله صلى الله عليه وسلم

## باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا ذکر

ف: یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی کیفیت کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس طریقہ سے ترتیل اور تجوید کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے؟ اس باب میں آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

**(۱) حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا الليث عن ابن ابی مليكة عن يعلى بن مملك اَنَّهٗ سَاَلَ اُمَّ سَلَمَةَؓ عَنْ قِرَاءَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا**

''یعلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ ام المومنینؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی کیفیت پوچھی انہوں نے ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ صاف صاف کیفیت بتائی۔''

ف: یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے میں حروف واضح طور سے ظاہر ہوتے تھے یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے زبانی یہ کیفیت بتائی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس طرح پڑھ کر بتایا ہو جس سے یہ کیفیت ظاہر ہو شراح حدیث دونوں احتمال بتاتے ہیں مگر اقرب دوسرا احتمال ہے اس لیے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اسی نوع کی ایک حدیث نمبر ۳ پر آ رہی ہے اس میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پڑھ کر بتایا کہ اس طرح تلاوت فرماتے تھے۔

**(۲) حدثنا محمد بن بشار حدثنا وهب بن جرير بن حازم حدثنا ابی عن قتادة قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ كَيْفَ كَانَ قِرَاءَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَدًّا**

''قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی کیفیت پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (مد والے حروف کو) مد کے ساتھ کھینچ کر پڑھتے تھے۔''

ف: یعنی جو حروف ایسے ہوتے تھے کہ ان کو مد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ان کو مد کے ساتھ پڑھتے تھے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب اطمینان سے تلاوت کی جائے جلدی جلدی میں مد کے ساتھ

پڑھنا مشکل ہے اس سے دونوں باتیں ظاہر ہوگئیں اطمینان سے پڑھنا بھی اور مدوں کی رعایت کرنا بھی۔ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ مد کے بھی قواعد ہیں جو تجوید کی کتابوں میں مفصل موجود ہیں ان کی رعایت ضروری ہے۔ ہمارے زمانے کے بعض قاری مدوں کو اتنا کھینچتے ہیں کہ حدود سے بڑھ جاتا ہے۔ ہر چیز اصول اور قواعد کے موافق ہی صحیح ہے افراط اور تفریط دونوں مذموم ہیں۔

(۳) حدثنا علی بن حجر حدثنا یحیٰی بن سعید الاموی عن ابن جریج عن ابن ابی ملیکة عن ام سلمةؓ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُقَطِّعُ قِرَاءَتَهٗ یَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ثُمَّ یَقِفُ ثُمَّ یَقُوْلُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ثُمَّ یَقِفُ وَکَانَ یَقْرَأُ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت میں ہر آیت کو جدا جدا کر کے علیحدہ علیحدہ اس طرح پڑھتے تھے کہ (الحمد لله رب العالمین) پھر ٹھہرتے پھر (الرحمن الرحیم) پر وقف کرتے پھر (ملك یوم الدین) پڑھتے۔''

ف: غرض ہر ہر آیت کو جدا جدا نہایت اطمینان سے ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے۔ قراء کے یہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ ہر آیت پر سانس لینا افضل ہے یا نہیں۔ مرشد عالم حضرت مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا ایک مستقل رسالہ ''ردالطغیان فی اوقاف القرآن'' ہے جو نہایت مختصر ہے اردو زبان میں شائع ہوا ہے اس مسئلہ کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہے۔

(۴) حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا اللیث عن معاویة بن صالح عن عبدالله بن ابی قیس قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَؓ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَکَانَ یُسِرُّ بِالْقِرَاءَةِ اَمْ یَجْهَرُ قَالَتْ کُلُّ ذٰلِكَ قَدْ کَانَ یَفْعَلُ رُبَّمَا اَسَرَّ وَ رُبَّمَا جَهَرَ قُلْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَةً

''عبداللہ بن ابی قیس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف آہستہ پڑھتے تھے یا پکار کر؟ انہوں نے فرمایا دونوں طرح معمول تھا۔ میں نے کہا الحمدللہ اللہ کا شکر و احسان ہے جس نے ہر طرح سہولت عطا فرمائی (کہ بمقتضائے وقت جیسا مناسب ہو آواز سے یا آہستہ اسی طرح پڑھ سکے۔)''

ف: یہ سوال جیسا کہ جامع ترمذی شریف کی روایت میں تصریح ہے تہجد کی نماز کے بارے میں تھا اور اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ دونوں طرح معمول تھا یعنی آواز سے بھی اور

آہستہ بھی اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک رات میں دونوں طرح معمول تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ کسی رات میں آواز سے پوری نماز پڑھنے کی آتی تھی اور کسی رات میں آہستہ تمام نماز پڑھ لیتے تھے دونوں صحیح ہیں اور تہجد میں دونوں طرح پڑھنے میں مضائقہ نہیں ہے وقت کی مناسبت نے بسا اوقات آواز سے پڑھنا افضل ہوتا ہے بالخصوص جہاں دوسروں کی ترغیب کا سبب بنے یا نشاط پیدا ہوتا ہو اور جہاں کسی کی تکلیف کا احتمال ہو یا ریاء کا شائبہ ہو وہاں آہستہ پڑھنا اولیٰ ہوتا ہے جہر سے پڑھنے میں دوسروں کی تکلیف کی رعایت ضروری ہے اور کسی وقت دونوں برابر ہوں تو معمولی جہر اولیٰ ہے۔
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا معمول تہجد میں آہستہ پڑھنے کا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے پڑھتے تھے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں حضرات رضی اللہ عنہما پر گزر ہوا دونوں کا حال دیکھا صبح کو جب دونوں حضرات رضی اللہ عنہما حاضر خدمت ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تذکرہ فرمایا ابوبکر! میں تمہارے پاس سے گزرا تم بہت آہستہ آہستہ پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں جس پاک ذات سے باتیں کررہا تھا وہ سن ہی رہا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم بہت بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ غفلت سے سونے والوں کو جگانا اور شیطان کو اپنے سے دور رکھنا مقصود تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں حضرات کی تصویب فرمائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی آواز کو تھوڑا سا بڑھا لیا کرو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ذرا آہستہ کردو۔

**(۵) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا وکیع حدثنا مسعر عن ابی العلاء العبدی عن یحیی بن جعدۃ عن ام ھانی قَالَتْ کُنْتُ اَسْمَعُ قِرَاءَ ۃَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاللَّیْلِ وَاَنَا عَلٰی عَرِیْشِیْ**

''حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد حرام میں قرآن شریف پڑھتے تھے اور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے پڑھنے کی آواز رات کو اپنے گھر کی چھت پر سے سنا کرتی تھی۔''

ف: یعنی یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہایت صاف صاف بلند آواز سے پڑھتے تھے میں اپنے مکان سے سن لیتی تھی۔ رات کے وقت ویسے بھی آواز دور تک جایا کرتی ہے اور پھر مکان کی چھت پر تو اور بھی صاف جاتی ہے بالخصوص جب مکان قریب ہو۔

**(۶) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابوداود انبانا شعبۃ عن معاویۃ بن قرۃ قال سمعت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ یقول رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی**

نَاقَتِهٖ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهُوَ يَقْرَأُ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ فَقَرَأَ وَرَجَّعَ قَالَ وَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ لَوْلَا اَنْ يَّجْتَمِعَ النَّاسُ عَلَيَّ لَاَخَذْتُ لَكُمْ فِيْ ذٰلِكَ الصَّوْتِ اَوْ قَالَ اللَّحْنِ

''عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن ﴿انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفرلك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر﴾ پڑھتے دیکھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ترجیع کے ساتھ پڑھ رہے تھے معاویہ بن قرہ (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں وہ) کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کے جمع ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس لہجہ میں پڑھ کر سناتا۔''

ف: ترجیع کے معنی لغت کے اعتبار سے لوٹانے کے ہیں آواز کو لوٹا کر پڑھنا مراد ہے۔ خود عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر آ آ منقول ہے اس کا مطلب بعض علماء نے آواز کو درست کر کے پڑھنے کا فرمایا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ کے فتح ہونے اور دارالسلام بن جانے کی وجہ سے غایت سرور تھا اس لیے نہایت لطف سے پڑھ رہے تھے مگر میرے استاد حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اونٹنی پر تشریف فرما تھے اس لیے اس کی حرکت سے آواز ترجیعی معلوم ہوتی تھی۔ اسی بناء پر عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر آ آ سے نقل کی اور اسی وجہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی نقل کرنے کی ہمت نہیں کی کہ دانستہ اس طرح آواز بنانے سے لوگ مجتمع ہو جائیں گے اس توجیہ کے موافق آئندہ حدیث کے بھی مخالف نہیں ہوگی۔ بندہ کے نزدیک یہی توجیہ زیادہ پسندیدہ ہے اس لیے اگر پہلے قول کے موافق آواز بنا کر اور درست کر کے پڑھنا مراد ہے تو پھر لوگوں کے مجتمع ہونے کا کیا خوف ہے؟ قرآن پاک کو اچھی طرح سے جس میں گانے سے مشابہت پیدا نہ ہو پڑھنا ہی چاہیے۔ بہت سی احادیث میں مختلف عنوان سے قرآن پاک کو ترتیل سے اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے جن میں سے بعض روایات میں اپنے رسالہ ''چہل حدیث'' میں لکھ چکا ہوں۔ جس کا دل چاہے اس کو دیکھے۔

(۷) حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا نوح بن قيس الحدانی عن حسام بن مصك عن قتادة قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا حَسَنَ الْوَجْهِ حَسَنَ الصَّوْتِ وَكَانَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسَنَ الْوَجْهِ حَسَنَ الصَّوْتِ وَكَانَ لَا يُرَجِّعُ

''قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے ہر نبی کو حسین صورت اور حسین آواز والا

مبعوث فرمایا ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ حسین صورت اور جمیل آواز والے تھے۔ حضور اقدس ﷺ قرآن شریف (گانے والوں کی طرح) آواز بنا کر نہیں پڑھتے تھے۔''

ف: اس حدیث کا پہلی حدیث سے بظاہر تعارض ہے جس کی توجیہ گزشتہ حدیث کے ذیل میں گزر چکی ہے کہ آواز کو لوٹا کر پڑھنے کی نفی مقصود ہے بعض علماء نے اس سے گانے کی آواز مراد لی ہے کہ گانے کی آواز سے تلاوت کی ممانعت متعدد احادیث میں وارد ہوئی ہے۔

(۸) حدثنا عبدالله بن عبدالرحمن حدثنا يحيى بن حسان حدثنا عبدالرحمن بن ابى الزناد عن عمرو بن ابى عمرو عن عكرمة عن ابن عباسؓ قال كَانَ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّمَا يَسْمَعُهَا مَنْ فِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی قرأت کی آواز (صرف اس قدر بلند ہوتی تھی کہ) آپ اگر کوٹھری میں پڑھتے تو صحن والے سن لیتے تھے۔''

ف: یعنی صحن سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔ قرآن شریف کا آہستہ اور آواز سے پڑھنا دونوں مواقع کے لحاظ سے افضل ہیں۔ اگر ترغیب کا موقع ہو یا کوئی اور سبب جہر کی ترجیح کا ہو تو جہر سے پڑھے اور اگر ریا وغیرہ کا خوف ہو تو آہستہ پڑھے۔ غرض یہ کہ موقع کے لحاظ سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آواز سے قرآن پاک پڑھنے والا ایسا ہے جیسا کہ اعلان سے صدقہ کرنے والا اور آہستہ قرآن شریف پڑھنے والا ایسا ہے جیسا کہ چپکے سے صدقہ کرنے والا اور صدقہ کے متعلق اظہار اور اخفاء کا افضل ہونا موقع کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے اسی طرح تلاوت کا بھی حکم ہے۔

❀❀❀

# باب ما جاء فی بکاء رسول الله ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کی گریہ وزاری کا ذکر

ف: آدمی کا رونا چند وجوہ سے ہوتا ہے کبھی رحمت اور مہربانی کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی خوف کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی اشتیاق ومحبت کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی غلبہ خوشی سے ہوتا ہے کبھی کسی درد وغیرہ کی تکلیف کی وجہ سے اور کبھی رنج کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی کسی کے ظلم کی وجہ سے ہوتا ہے ایک رونا توبہ کا ہوتا ہے جو کسی گناہ کے صادر ہو جانے سے آتا ہے۔ ایک رونا نفاق کا کہلاتا ہے جو کسی دوسرے کے دکھلانے کی وجہ سے نماز وغیرہ میں خشوع وخضوع ظاہر کرنے کے طور پر رو دیا جائے۔ ایک رونا مانگے کا کہلاتا ہے جیسے کسی کے مردہ کو بلا مزدوری لیے رویا جائے۔ ایک رونا مزدوری کا رونا کہلاتا ہے جیسا کسی میت کے گھر مزدوری لے کر رویا جائے جیسا کہ بعض جگہ دستور ہے ایک موافقت کا رونا کہلاتا ہے وہ یہ کہ کسی کو روتا ہوا دیکھ کر رونا آ جائے وغیرہ وغیرہ۔ نبی کریم ﷺ کا گریہ اکثر میت پر شفقت و رحمت یا امت پر خوف یا اللہ تعالیٰ کے ڈر اس کے اشتیاق سے ہوتا تھا جیسا کہ روایات سے معلوم ہو گا۔ انہی اقسام کا رونا محمود ہے۔ مشائخ نے لکھا ہے کہ ایک رونا جھوٹ کہلاتا ہے وہ اس شخص کا رونا ہے جو کسی گناہ پر روئے اور اس پر جمار ہے شراح حدیث نے لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا رونا رنج کا رونا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رونا شوق کا رونا تھا اور نبی کریم ﷺ کا رونا محبت کا رونا تھا۔ بندہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ راتوں کا اکثر رونا اس ذیل میں تھا ورنہ جیسا ابھی گزرا حضور اکرم ﷺ کا رونا مختلف انواع کا ہوتا تھا۔ چنانچہ مختلف انواع کی روایات آ رہی ہیں۔ اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا سوید بن نصر حدثنا عبدالله بن المبارك عن حماد بن سلمة عن ثابت عن مطرف وهو ابن عبدالله بن الشخير عن ابيه قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي وَلِجَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ

''عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی

جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے۔''

ف: یہ حضور اقدس ﷺ کے کمال خشوع وخضوع کی وجہ سے تھا۔ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ یہ حالت حضور اقدس ﷺ پر اس وقت ہوتی تھی جب کہ اللہ جل جلالہ کی صفات جلالیہ اور صفات جمالیہ دونوں کا ظہور اکٹھے ہوتا تھا اور صفات جلالیہ کے ظہور کی تو کوئی چیز طاقت ہی نہیں رکھتی البتہ صرف صفات جمالیہ کا جس وقت ظہور ہوتا تھا اس وقت ایک سرور اور انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی تھی اور حضور اکرم ﷺ کے طفیل مشائخ سلوک کو بھی یہی دو کیفیتیں پیش آتی ہیں۔

**(۲) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا معاویة بن هشام حدثنا سفیان عن الاعمش عن ابراهیم عن عبیدة عن عبدالله بن مسعودؓ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَأْ عَلَيَّ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ قَالَ اِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهٗ مِنْ غَيْرِيْ فَقَرَأْتُ سُوْرَةَ النِّسَآءِ حَتّٰى بَلَغْتُ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا قَالَ فَرَاَيْتُ عَيْنَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَهْمِلَانِ**

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف سناؤ (شاید حضور اکرم ﷺ نے اس لیے ارشاد فرمایا ہو کہ سننے میں غور وتدبر پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے یا کسی اور وجہ سے سننے کی رغبت فرمائی ہو کہ بہت سی وجوہ اس کی ہو سکتی ہیں مثلاً یہی کہ قرآن شریف سننے کی سنیت بھی حضور اکرم ﷺ کے فعل سے ثابت ہو جائے) میں نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ) آپ ہی پر تو نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سناؤں۔ (شاید ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ سنانا تبلیغ اور یاد کرانے کے واسطے ہوتا ہے) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں۔ میں نے امتثال حکم میں سنانا شروع کیا اور سورۂ نساء (جو چوتھے سپارہ کے پونے سے شروع ہوتی ہے) پڑھنا شروع کی میں جب اس آیت پر پہنچا ﴿فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنا بك علی هٰؤلاء شهیدا﴾ تو میں نے حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا کہ دونوں آنکھیں گریہ کی وجہ سے بہہ رہی تھیں۔

ف: حضور اکرم ﷺ کا یہ رونا کلام الٰہی کے سننے سے تھا کہ تلاوت کلام اللہ کی شان یہی ہے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تلاوت کے وقت رونا عارفین کی شان ہے اور صالحین کا شعار ہے حق تعالیٰ

شانہ نے کلام پاک میں متعدد جگہ اس کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ﴾ (الآیۃ سورۂ مریم) جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو زمین پر گر جاتے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ (الآیۃ بنی اسرائیل) کہ یہ قرآن شریف جب ان پر پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور قرآن شریف یعنی اس کا سننا ان کے خشوع کو اور بڑھا دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے زیادہ ان آیات کے مطابق اور کون ہو سکتا ہے؟ اس لیے حضور اکرم ﷺ کا یہ رونا کلام اللہ شریف کی عظمت و جلال کی وجہ سے ہونا قرین قیاس ہے اس صورت میں حضور اکرم ﷺ پہلے سے رو رہے ہوں اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی وقت پڑھی ہو قرین قیاس ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خاص اس آیت پر حضور اکرم ﷺ کو رونا آیا ہو کہ اس آیت شریفہ کا ترجمہ یہ ہے' اس وقت بھی کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لیے حاضر کریں گے۔ یہ قیامت کا منظر ہے کہ اس دن ہر نبی کو ان کی امت پر گواہی دینے کے لیے بطور سرکاری گواہ کے لایا جائے گا جس کے حالات محشر کی احادیث میں مفصل ہیں اس صورت میں حضور اکرم ﷺ کا یہ رونا قیامت اور محشر کے سخت حالات کے تصور سے ہو کہ نہایت ہی سخت دن ہوگا اور ہر شخص نفسی نفسی میں مبتلا ہوگا اور ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو چونکہ اس آیت شریفہ میں بطور گواہ کے پیش ہونے کا ارشاد ہے تو اس گواہی کی شدت کی وجہ سے خوف ہو چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس وقت جب یہ آیت پڑھی گئی یہ کہا کہ یا اللہ جو لوگ میرے سامنے نہیں ہیں ان پر کیسے گواہی دوں گا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس گواہی کے سلسلہ میں قیامت کا منظر آیا اور امت کا فکر حضور اکرم ﷺ کو ہر وقت رہتا ہی تھا اس لیے امت کے گناہ گاروں کے حال پر شفقت کی وجہ سے رونے کا غلبہ ہو گیا ان میں سے ہر وجہ ایسی ہے کہ وہ گریہ کا سبب بن سکتی ہے ان سب کا مجموعہ اور ان کے علاوہ اور بھی وجوہ ہو سکتی ہیں۔

(۳) حدثنا قتیبۃ حدثنا جریر عن عطاء بن السائب عن ابیہ عن عبداللہ بن عمرو قَالَ انْکَسَفَتِ الشَّمْسُ یَوْمًا عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ حَتّٰی لَمْ یَکَدْ یَرْکَعُ ثُمَّ رَکَعَ فَلَمْ یَکَدْ یَرْفَعُ رَاْسَہٗ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَہٗ فَلَمْ یَکَدْ اَنْ یَّسْجُدَ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ یَکَدْ اَنْ یَّرْفَعَ رَاْسَہٗ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَہٗ فَلَمْ یَکَدْ اَنْ یَّسْجُدَ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ یَکَدْ اَنْ

يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَجَعَلَ يَنْفُخُ وَيَبْكِي وَيَقُولُ رَبِّ اَلَمْ تَعِدْنِيْ اَنْ لَّا تُعَذِّبَهُمْ وَاَنَا فِيْهِمْ رَبِّ اَلَمْ تَعِدْنِيْ اَنْ لَّا تُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ وَنَحْنُ نَسْتَغْفِرُكَ فَلَمَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتٰنِ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيٰوتِهٖ فَاِذَا انْكَسَفَا فَافْزَعُوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مرتبہ سورج گہن ہوا (یہ قصہ جمہور کے نزدیک ۱۰ھ کا ہے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز شروع فرما کر اتنی دیر تک کھڑے رہے گویا رکوع کرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے (دوسری روایت میں ہے کہ سورۂ بقرہ پڑھی تھی) اور پھر رکوع اتنا طویل کیا کہ گویا رکوع سے اٹھنے کا ارادہ نہیں پھر ایسے ہی رکوع کے بعد سر اٹھا کر قومہ میں بھی اتنی دیر تک کھڑے رہے گویا سجدہ کرنا ہی نہیں ہے۔ پھر سجدہ کیا اور اس میں بھی سر مبارک زمین پر اتنی دیر تک رکھے رہے گویا سر مبارک اٹھانا ہی نہیں ہے اسی طرح سجدہ سے اٹھ کر جلسہ اور پھر جلسہ کے بعد دوسرے سجدہ میں غرض ہر ہر رکن اس قدر طویل ہوتا تھا کہ گویا یہی رکن اخیر تک کیا جائے گا دوسرا رکن نہیں ہے (اسی طرح دوسری رکعت پڑھی اور اخیرہ سجدہ میں) شدت غم اور جوش سے سانس لیتے تھے اور روتے تھے اور حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ عالی میں یہ عرض کرتے تھے کہ اے اللہ! تو نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میری موجودگی تک امت کو عذاب نہ ہوگا۔ اے اللہ! تو نے ہی یہ وعدہ کیا تھا کہ جب تک یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے عذاب نہیں ہوگا۔ اب ہم سب کے سب استغفار کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس مضمون کی طرف اشارہ ہے جو کلام اللہ شریف میں نویں پارہ کے اخیر میں ہے ﴿وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم وما كان الله معذبهم وهم يستغفرون﴾ اس آیت شریفہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ ایسا نہ کریں گے کہ ان لوگوں میں آپ کے موجود ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں اور اس حالت میں بھی ان کو عذاب نہ دیں گے کہ وہ استغفار کرتے رہتے ہوں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو آفتاب نکل چکا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد وعظ فرمایا جس میں حق تعالیٰ شانہ کی حمد وثناء کے بعد یہ مضمون فرمایا کہ شمس وقمر کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے گہن نہیں ہوتے بلکہ یہ حق تعالیٰ جل شانہ کی دو نشانیاں ہیں (جن سے حق

سبحانہ اپنے بندوں کو عبرت دلاتے ہیں اور ڈراتے ہیں) جب یہ گہن ہو جایا کریں گے تو اللہ جل جلالہ کی طرف فوراً متوجہ ہو جایا کرو (اور استغفار و نماز شروع کر دیا کرو)

ف: اس وعظ کی یہ مصلحت تھی کہ ایام جاہلیت میں یہ بات مشہور تھی کہ چاند و سورج کا گہن کسی بڑی موت یا کسی بڑے شخص کی پیدائش کی وجہ سے ہوتا ہے اور اتفاق وقت کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں جب گہن ہوا تو اسی دن صاحبزادہ اقدس حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کا وصال بھی ہوا تھا۔ اس لیے اس سے جاہلی خیال کی اور بھی تائید ہوتی تھی اور لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ گہن حضرت ابراہیم کے انتقال کی وجہ سے ہوا۔ صلوٰۃ الکسوف میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ ایک رکوع سے پڑھنی چاہیے یا ایک سے زائد رکوع کے ساتھ۔ حنفیہ کا مسلک ایک ہی رکوع کا ہے اس حدیث سے ان کی تائید ہوتی ہے باقی علمی بحث اور فریقین کے دلائل اس جگہ سے مناسبت نہیں رکھتے۔

**(۴) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابو احمد حدثنا سفیان عن عطاء بن السائب عن عکرمة عن ابن عباسؓ قال اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَةً لَهٗ تَقْضِيْ فَاحْتَضَنَهَا فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَاتَتْ وَهِيَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَصَاحَتْ اُمُّ اَيْمَنَ فَقَالَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَبْكِيْنَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اَلَسْتُ اَرَاكَ تَبْكِيْ قَالَ اِنِّيْ لَسْتُ اَبْكِيْ اِنَّمَا هِيَ رَحْمَةٌ اِنَّ الْمُؤْمِنَ بِكُلِّ خَيْرٍ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اِنَّ نَفْسَهٗ تُنْزَعُ مِنْ بَيْنِ جَنْبَيْهِ وَهُوَ يَحْمَدُ اللّٰهَ تَعَالٰى**

"حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ایک لڑکی قریب الوفات تھیں حضور اکرم ﷺ نے ان کو گود میں اٹھایا اور اپنے سامنے رکھ لیا۔ حضور اکرم ﷺ کے سامنے ہی رکھے رکھے ان کی وفات ہوگئی ام ایمنؓ (جو حضور اکرم ﷺ کی ایک باندی تھیں) چلا کر رونے لگیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کیا اللہ کے نبی کے سامنے ہی چلا کر رونا شروع کر دیا؟ (چونکہ حضور اکرم ﷺ کے بھی آنسو ٹپک رہے تھے اس لیے) انہوں نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ) بھی تو رو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ رونا ممنوع نہیں۔ یہ اللہ کی رحمت ہے (کہ بندوں کے قلوب کو نرم فرمائیں اور ان میں شفقت و رحمت کا مادہ عطا فرمائیں) پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مومن ہر حال میں خیر ہی میں رہتا ہے حتیٰ کہ خود اس کا نفس نکالا جاتا ہے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی حمد کرتا ہے۔"

ف: اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ قصہ کس صاحبزادی کا ہے؟ محدثین اور مورخین کی تحقیق کے موافق صاحبزادیوں میں سے کسی کا بھی یہ واقعہ نہیں بنتا بلکہ نواسی یا نواسے کا ہے اور ممکن ہے کہ کوئی سے صاحبزادہ کا ہو کہ بواسطہ اولاد کے واقعات میں اس قسم کے حالات پیش آئے ہیں جس کا بھی واقعہ ہو اس جگہ مقصود حضور اقدس ﷺ کی نرم دلی کا بیان کرنا ہے کہ سنگدلی شفقت کے خلاف ہے اور اولاد کے ساتھ فطری محبت نہ نبوت کے منافی ہے نہ ولایت کے بلکہ نرم دلی ممدوح ہے۔

(۵) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی حدثنا سفیان عن عاصم بن عبیدالله عن القاسم بن محمد عن عائشةؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ وَهُوَ مَیِّتٌ وَهُوَ یَبْكِیْ اَوْ قَالَ وَعَیْنَاهُ تُهْرَاقَانِ

''حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی پیشانی کو ان کی وفات کے بعد بوسہ دیا۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ کے آنسو ٹپک رہے تھے۔''

ف: یہ جلیل القدر صحابی حضور اکرم ﷺ کے رضاعی بھائی ہیں۔ ابتدائے اسلام میں تیرہ نفر کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ اول حبشہ کو ہجرت کی اس کے بعد مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ بڑے عابد زاہد تھے۔ شراب پینا جب جائز تھا جب بھی انہوں نے اس کا استعمال ترک کر رکھا تھا۔ مہاجرین میں سب سے پہلے ان کی ہی وفات ہوئی ہے شعبان ۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور بقیع میں دفن ہوئے۔

(۶) حدثنا اسحٰق بن منصور حدثنا ابو عامر حدثنا فلیح وهو ابن سلیمان عن هلال بن علی عن انس بن مالكؓ قَالَ شَهِدْنَا ابْنَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَی الْقَبْرِ فَرَاَیْتُ عَیْنَیْهِ تَدْمَعَانِ فَقَالَ اَفِیْكُمْ رَجُلٌ لَمْ یُقَارِفِ اللَّیْلَةَ قَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَا قَالَ اَنْزِلْ فَنَزَلَ فِیْ قَبْرِهَا

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنی صاحبزادی (ام کلثوم رضی اللہ عنہا) کی قبر پر تشریف فرما تھے اور آپ کے آنسو جاری تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ قبر میں وہ شخص اترے جس نے آج رات مجامعت نہ کی ہو۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں ہوں حضور اکرم ﷺ کے فرمانے سے وہ قبر میں اترے۔''

ف: کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تعریض تھی کہ وہ باوجودیکہ ان کی بیوی اور حضور اکرم

ﷺ کی بیٹی سخت بیمار تھیں (حتیٰ کہ اسی دن انتقال ہوا) اس شب میں اپنی ایک باندی کے ساتھ مشغول رہے۔ بعض علماء نے لم یقارب کا ترجمہ صحبت نہ کرنے کا نہیں کیا بلکہ گناہ نہ کرنے کا کیا ہے۔ اور بعض علماء نے بات نہ کرنے کا ترجمہ کیا ہے کہ عشاء کے بعد بات کرنا پسند نہ تھا مشہور معنی پہلے ہیں اور تعریض میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ تعلقات کی قوت پر شکایت ہوتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل بضرورت ہو تو کوئی اشکال ہی نہیں اور پھر موت کا حال کس کو معلوم ہو سکتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا مقصود بھی غالباً لطیف تنبیہ تھی نہ کہ عتاب۔ اور عجب نہیں کہ تنبیہ کی غرض یہ ہو کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح اہم تھا کہ اللہ جل شانہ کے حکم سے ہوا تھا۔ حضرت ام کلثوم کی ہمشیرہ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پہلی بیوی کا جب انتقال ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری سو بیٹیاں ہوتیں اور یکے بعد دیگرے مرتی رہتیں تو میں سب کا نکاح یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ سے کرتا۔ یہ جبرائیل علیہ السلام یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے حکم فرمایا ہے کہ میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کروں۔ ایسی صورت میں ام کلثومؓ جیسی بیوی کی بیماری یقیناً لطیف تنبیہ اور تعریض کے مناسب تھی۔ واللہ اعلم

# باب ما جاء فی فراش رسول الله ﷺ

# باب ان روایات کا ذکر جو حضور اقدس ﷺ کے بستر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں

ف: حضور اقدس ﷺ کس قسم کے بستر ے پر آرام فرماتے تھے؟ وہ ان روایات سے معلوم ہوگا جو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ذکر فرمائی ہیں۔ اور ہم امتیوں کے قالینوں اور فرشوں کا کیا حال ہے وہ نگاہوں کے سامنے ہے؟ مصنفؒ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

**(۱) حدثنا علی بن حجر حدثنا علی بن مسهر عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشةؓ قَالَتْ اِنَّمَا کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ یَنَامُ عَلَیْهِ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهٗ لِیْفٌ**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔''

ف: حضور اقدس ﷺ کا بسترہ کبھی چمڑہ کا ہوتا تھا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کبھی صرف ٹاٹ کا جیسا کہ دوسری حدیث میں آ رہا ہے' کبھی صرف بوریا ہوتا تھا۔ متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جب نرم بسترہ بنانے کی درخواست کرتے تو حضور اکرم ﷺ یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دنیاوی راحت و آرام سے کیا کام؟ میری مثال تو اس راہ گیر جیسی ہے جو چلتے چلتے راستہ میں ذرا آرام لینے کے لیے کسی درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھ گیا ہو اور تھوڑی دیر بیٹھ کر آگے چل دیا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک انصاری عورت آئیں انہوں نے حضور اکرم ﷺ کا بسترہ دیکھا کہ عباء بچھا رکھا ہے۔ انہوں نے واپس جا کر ایک بستر تیار کیا جس کے اندر اون بھر رکھی تھی اور حضور اکرم ﷺ کے لیے میرے پاس بھیج دیا' حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اس کو رکھا ہوا دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ فلاں انصاری عورت آئی تھیں حضور

اکرم ﷺ کا بستر دیکھ کر یہ بنوا کر بھیجا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو واپس کر دے۔ مجھے وہ اچھا معلوم ہوتا تھا اس لیے دل نہ چاہتا تھا کہ واپس کروں مگر حضور اکرم ﷺ نے اصرار فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ واللہ اگر میں چاہوں تو حق تعالیٰ شانہ میرے لیے سونے اور چاندی کے پہاڑ تیار کر دیں، حضور ﷺ کے اس ارشاد پر میں نے اس کو واپس کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ ایک بوریے پر آرام فرما رہے تھے جس کے نشانات حضور ﷺ کے بدن اطہر پر ظاہر ہو رہے تھے۔ میں یہ دیکھ کر رونے لگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہوئی؟ کیوں رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) یہ قیصر و کسریٰ تو ریشم اور مخمل کے گدوں پر سوئیں اور آپ اس بوریے پر، حضور ﷺ نے فرمایا رونے کی بات نہیں ان کے لیے دنیا ہے اور ہمارے لیے آخرت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایک مرتبہ اس قسم کا واقعہ پیش آیا کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی نوع کے سوال و جواب حضور ﷺ سے ہوئے جس کا مفصل قصہ بخاری شریف میں ہے۔

(۲) حدثنا ابوالخطاب زياد بن يحيى البصرى حدثنا عبدالله بن ميمون حدثنا جعفر بن محمد عن ابيه قَالَ سُئِلَتْ عَائِشَةُ مَا كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِكِ قَالَتْ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهٗ مِنْ لِيْفٍ وَسُئِلَتْ حَفْصَةُ مَا فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِكِ قَالَتْ مِسْحًا ثَنَيْنَاهُ ثِنْيَتَيْنِ فَيَنَامُ عَلَيْهِ فَلَمَّا كَانَ ذَاتُ لَيْلَةٍ قُلْتُ لَوْ ثَنَيْتَهٗ اَرْبَعَ ثِنْيَاتٍ كَانَ اَوْطَاَ لَهٗ فَثَنَيْنَاهُ بِاَرْبَعِ ثِنْيَاتٍ فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ مَا فَرَشْتُمُوْلِي اللَّيْلَةَ قَالَتْ قُلْنَا هُوَ فِرَاشُكَ اِلَّا اَنَا ثَنَيْنَاهُ بِاَرْبَعِ ثِنْيَاتٍ قُلْنَا هُوَ اَوْطَاُ لَكَ قَالَ رُدُّوْهُ لِحَالَتِهِ الْاُوْلٰى فَاِنَّهٗ مَنَعَتْنِي وَطَاَتُهٗ صَلٰوتِي اللَّيْلَةَ

''امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے یہاں حضور ﷺ کا بسترہ کیسا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ چمڑہ کا تھا جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بسترہ کیسا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے ہم حضور ﷺ کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اس کو چوہرا کر کے بچھا دیا جائے تو زیادہ نرم ہو جائے گا میں نے ایسے ہی بچھا دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے صبح کو دریافت فرمایا کہ میرے

نیچے رات کو کیا چیز بچھائی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ وہی روزمرہ کا بستره تھا رات کو اسے چوہرا کر دیا تھا کہ زیادہ نرم ہو جائے' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پہلے ہی حال پر رہنے دو۔ اس کی نرمی رات کو مجھے تہجد سے مانع ہوئی۔''

ف: یعنی تہجد کے لیے آنکھ نہیں کھلی یا معمول کے لحاظ سے دیر میں کھلی کہ نرم بستره پر نیند گہری آتی ہے اور زیادہ آتی ہے اور اگر کھر دری چار پائی ہو اول تو نیند ہی غفلت سے نہیں آتی دوسرے آنکھ بھی جلد ہی کھل جاتی ہے۔

# باب ما جاء في تواضع رسول الله ﷺ

## باب ان روایات کا ذکر جو حضور اقدس ﷺ کی کثرت تواضع کے بارے میں وارد ہوئی ہیں

ف: حضور اقدس ﷺ تمام دنیا سے زیادہ متواضع تھے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ حقیقتاً تواضع تجلی شہود کے دوام کے بغیر نہیں ہوتی۔ حضور اقدس ﷺ کے تواضع کے واقعات ایک دو نہیں ہزاروں سے زائد ہیں اس لیے ان کا احاطہ تو کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ تاہم نمونۃً مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ ذکر فرمائے ہیں ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام تقسیم فرمالیا ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا۔ دوسرے نے کھال نکالنا' کسی نے پکانا' حضور ﷺ نے فرمایا کہ پکانے کے لیے لکڑی اکٹھی کرنا میرے ذمہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ) یہ کام ہم لوگ خود کرلیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کو بخوشی کرلو گے لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں مجمع میں ممتاز ہوں اور اللہ جل جلالہ بھی اس کو پسند نہیں فرماتے ایسے ہی اور سینکڑوں واقعات ہیں۔ اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تیرہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

**(۱) حدثنا احمد بن منيع وسعيد بن عبدالرحمٰن المخزومي وغير واحد قالوا حدثنا سفيان بن عُيَيْنَةَ عن الزهري عن عبيدالله عن عبدالله ابن عباسؓ عن عمر بن الخطابؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ**

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میری تعریف میں مبالغہ حد سے فزوں نہ کرو جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا (کہ اللہ کا بیٹا ہی بنادیا) میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں' اس لیے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔''

ف: یعنی ایسی تعریف نہ کرو جو بندگی کے منافی ہو اس میں رب کے ساتھ شرکت پائی جاتی ہو کہ بندہ بہرحال بندہ ہے اسی طرح کوئی ایسی تعریف نہ کرو جو رسول (ﷺ) اور اللہ کا قاصد ہونے کے

خلاف ہو۔

(۲) حدثنا علي بن حجر حدثنا سويد بن عبدالعزيز عن حميد عن انس بن مالكؓ اَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ لِيْ اِلَيْكَ حَاجَةً فَقَالَ اجْلِسِيْ فِيْ اَيِّ طَرِيْقِ الْمَدِيْنَةِ شِئْتِ اَجْلِسْ اِلَيْكِ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی عورت نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے کچھ تخلیہ میں عرض کرنا ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی سڑک کے راستہ پر بیٹھ جائیں وہیں آ کر سن لوں گا۔''

ف: بعض روایات میں وارد ہے کہ عورت کچھ بے عقل سی تھیں اس کے باوجود ان کی باتیں حضور اکرم ﷺ سنتے رہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ راستہ میں بیٹھنے کا ارشاد اس لیے تھا کہ اجنبیہ کے ساتھ تنہائی نہ ہو اور بعض نے لکھا ہے کہ چونکہ ان کی عقل میں کچھ فتور تھا۔ اس لیے ظاہر یہ ہے کہ گلی کوچوں میں پھرتی رہتی ہوں گی اس لیے حضور اکرم ﷺ نے وہیں تشریف لے جا کر بات سننے کو ارشاد فرمایا۔ بندہ کے نزدیک بعید نہیں کہ ایسی عورتوں کو زنانہ مکان پر بلانے میں مستورات کو دقتیں اور مشکلات پیش آیا کرتی ہیں جیسا کہ بسا اوقات مشاہدہ ہوتا ہے اس لیے حضور اکرم ﷺ نے سڑک ہی پر بات سن لی۔

(۲) حدثنا علي بن حجر حدثنا علي بن مسهر عن مسلم الاعور عن انس بن مالكؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ وَكَانَ يَوْمَ بَنِيْ قُرَيْظَةَ عَلٰى حِمَارٍ مَخْطُوْمٍ بِحَبْلٍ مِّنْ لِيْفٍ عَلَيْهِ اِكَافٌ مِّنْ لِيْفٍ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مریضوں کی عیادت فرماتے تھے' جنازوں میں شرکت فرماتے تھے گدھے پر سوار ہو جاتے تھے' غلاموں کی دعوت قبول فرما لیتے تھے' آپ بنو قریظہ کی لڑائی کے دن ایک گدھے پر سوار تھے' جس کی لگام کھجور کے پھرتوں کی تھی اور کاٹھی بھی اسی کی تھی۔''

ف: عرب میں گدھوں کی ایک خاص قسم ہے جو جثہ میں یہاں کے موٹے خچروں سے بڑے ہوتے ہیں اور تیز اس قدر کہ معمولی ٹٹوؤں سے تیز ہوتے ہیں دو دو' تین تین آدمی ان پر بے تکلف بیٹھ جاتے ہیں' وہ یہاں کے معمولی گھوڑوں سے بہتر ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے

زمانہ میں بھی یہی ہوں۔ لیکن گھوڑوں کے مقابلہ میں ادنیٰ درجہ کی سواری شمار ہوتی ہے یہی مقصود ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو باوجود اس عزت ورفعت کے جودو جہاں کی سرداری سے حاصل تھی گدھے کی سواری سے استنکاف نہ تھا اس طرح مریضوں کی عیادت جس درجہ کا بھی بیمار ہو' شریف ہو یا کوئی معمولی آدمی ہوحتیٰ کہ غیر مسلموں تک کی عیادت بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک یہودی لڑکا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا کوئی خدمت بھی کبھی کر دیتا تھا وہ بیمار ہوا حضور اکرم ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اس کا آخری وقت تھا حضور اکرم ﷺ نے شفقت کے طور پر اپنا حق ادا فرمایا اور اس کو اسلام کی تبلیغ فرمائی اس نے اپنے یہودی باپ کی طرف دیکھا اس نے اجازت دے دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اللہ کا شکر ادا فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ ہی حمد کا سزاوار ہے جس نے میری وجہ سے اس کو اس کو عذاب جہنم سے بچا دیا۔ یہی نہیں بلکہ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لیے بھی حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے حالانکہ اس سے بہت سی اذیتیں پہنچی تھیں۔ اسی طرح معمولی جنازوں میں بھی شرکت کے متعدد واقعات حدیث کی کتابوں میں وارد ہیں۔

**(۴) حدثنا واصل بن عبدالاعلیٰ الکوفی حدثنا محمد بن فضیل عن الاعمش عن انس بن مالکؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْعٰى اِلٰى خُبْزِ الشَّعِيْرِ وَالْاِهَالَةِ السَّنِخَةِ فَيُجِيْبُ وَلَقَدْ كَانَتْ لَهٗ دِرْعٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ فَمَا وَجَدَ مَا يَفُكُّهَا حَتّٰى مَاتَ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جو کی روٹی اور کئی دن کی باسی پرانی چکنائی کی دعوت کیے جاتے تو آپ (اس کو بھی بے تکلف) قبول فرمالیتے۔ آپ کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی اخیر عمر تک حضور ﷺ کے پاس اس کے چھڑانے کے لائق دام نہیں ہوئے۔''

ف: چکنائی میں پرانی ہونے کی وجہ سے بو کا اثر بھی آ جاتا ہے۔ یہ بات کہ دعوت جو کی روٹی اور پرانی چکنائی کی ہے دعوت کرنے والے کی حاجت اور تجربہ سے معلوم ہو جاتی یا ان کی تصریح سے یہ بات معلوم ہونے کے باوجود بھی حضور اکرم ﷺ اس کو قبول فرمانے میں کوئی عذر نہ فرماتے۔ اخیر میں واقعہ کا اتفاقاً ذکر کر دیا گیا کہ اس حدیث میں تھا اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ بھی غایت تواضع کی وجہ سے تھا اور فقر کے تمام ہی حالات اسی وجہ سے تھے ورنہ اللہ جل شانہ نے آپ ؐ کو اختیار دیا تھا کہ

بندگی کے ساتھ رسول بننا چاہتے ہو بادشاہت کے ساتھ؟ حضور ﷺ نے خود ہی پہلی صورت کو پسند فرمایا۔

**(۵) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابوداود الحفری عن سفیان عن الربیع بن صبیح عن یزید بن ابان عن انس بن مالکؓ قَالَ حَجَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَحْلٍ رَثٍّ عَلَیْہِ قَطِیْفَۃٌ لَا تُسَاوِیْ اَرْبَعَۃَ دَرَاھِمَ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ حَجًّا لَارِیَاءَ فِیْہِ وَلَا سُمْعَۃَ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک پرانے پالان پر حج کیا' اس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا جو چار درہم کا بھی نہیں ہوگا۔ (یہ بھی ممکن ہے کہ اس پر سے مراد حضور ﷺ کی ذات والا ہو یعنی آپ ایک معمولی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے جو چار درم کی بھی نہیں تھی۔ بعض فضلائے درس کے نزدیک یہ مطلب زیادہ پسندیدہ ہے لیکن ناچیز کے نزدیک پہلا مطلب زیادہ راجح ہے اور اس باب کی گیارہویں حدیث اس کی تائید کرتی ہے) اور حضور اکرم ﷺ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ یا اللہ! اس حج کو ایسا حج فرمائیو جس میں ریا اور شہرت نہ ہو۔''

ف: یہ دعا امت کی تعلیم کی غرض سے تھی یا حضور ﷺ کے کمال تواضع اور غایت عبودیت کی وجہ سے بھی باوجودیکہ ریاوشہرت کا احتمال بھی حضور ﷺ کے فعل میں نہ تھا لیکن پھر بھی حضور ﷺ اس کی دعا فرمارہے ہیں اور اللہ جل شانہ سے یہ مانگ رہے ہیں کہ اس حج کو ریاوشہرت سے محفوظ رکھ حضور ﷺ کے بدن مبارک پر یا پالان پر جو کپڑا تھا وہ اس قدر معمولی کہ ایک روپیہ کی قیمت کا بھی نہ تھا۔ یہ بھی اسی غایت تواضع کا اثر تھا جو نبی کریم ﷺ کی عام عادت تھی گو بعض مصالح سے بعض اوقات نبی کریم ﷺ سے بیش قیمت لباس پہننا بھی ثابت ہے' لیکن عام عادت یہی تھی۔

**(۶) حدثنا عبداللہ بن عبدالرحمن حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمۃ عن حمید عن انسؓ قَالَ لَمْ یَکُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَیْھِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَکَانُوْا اِذَا رَاَوْہُ لَمْ یَقُوْمُوْا لِمَا یَعْلَمُوْنَ مِنْ کَرَاھِیَتِہٖ لِذٰلِکَ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضور ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا۔ اس کے باوجود پھر بھی وہ حضور اقدس ﷺ کو دیکھ کر اس لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کو یہ پسند نہیں تھا۔''

ف: یہ بھی نبی کریم ﷺ کی غایت تواضع پر مبنی تھا کہ باوجود اس علوشان اور رفعت اور دو جہاں کی سرداری کے اس چیز کو حضور اکرم ﷺ پسند نہ فرماتے تھے اور اسی وجہ سے کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باوجود تقاضائے محبت کے حضور اکرم ﷺ کی ناپسندیدگی کی وجہ سے کھڑے نہیں ہوتے تھے جیسا کہ اس روایت کا مقتضا ہے اور کبھی بتقاضائے محبت کھڑے ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ مسجد میں ہمارے ساتھ باتیں کرتے تھے جب حضور اکرم ﷺ کھڑے ہو جاتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ حضور اکرم ﷺ دولت خانہ میں تشریف نہ لے جاتے اسی طرح اس بارے میں بہت مختلف روایات کتب حدیث میں ہیں۔ حتیٰ کہ بعض روایات میں کھڑے ہونے کی سختی سے ممانعت ہے اور بعض روایات میں بعض آنے والوں کے لیے کھڑے ہونے کا حکم بھی ہے۔ اسی وجہ سے علماء اس کھڑے ہونے کے جواز اور عدم جواز میں مختلف ہو گئے ہیں اور اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ ان میں تعارض نہیں ہے بلکہ کھڑے ہونے کے اسباب اور وجوہ مختلف ہیں اسی وجہ سے احادیث میں مختلف احکام ملتے ہیں۔ ابوالولید بن رشد کہتے ہیں کہ کسی شخص کے لیے کھڑا ہونا چار طرح ہوتا ہے (۱) ناجائز ہے وہ ایسے شخص کے واسطے کھڑا ہونا ہے جو تکبر کی وجہ سے اس کو پسند کرتا ہو کہ جب وہ آئے لوگ کھڑے ہو جائیں (۲) مکروہ ہے وہ ایسے شخص کے لیے کھڑا ہونا ہے جو متکبر تو نہیں ہے لیکن اندیشہ ہے کہ اس کے ساتھ اگر ایسا معاملہ کیا جائے تو اس میں تکبر اور عجب پیدا ہو جائے (۳) جائز ہے وہ ایسے شخص کے لیے جہاں یہ اندیشہ نہ ہو (۴) مستحب ہے وہ اس شخص کے واسطے کھڑا ہونا جو سفر وغیرہ سے آیا ہو اس کے آنے کی خوشی میں کھڑا ہو جائے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اہل علم، اہل فضل، اہل شرف کے آنے پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ممانعت اس قیام کی ہے جو بڑا آدمی بیٹھا رہے اور لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں۔ چنانچہ ممانعت کی احادیث میں یہ ارشاد بھی ہے کہ ایسی طرح نہ کھڑے ہو جیسے کہ عجمی لوگ اپنے سرداروں کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق جو والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے واسطہ سے بذل المجہود میں نقل کی گئی ہے یہ ہے کہ فی حد ذاتہ کھڑا ہونا جائز ہے جب تک کہ کوئی عارض ایسا پیش نہ آئے جو اس کو ناجائز بنا دے۔ مثلاً اس شخص کا فتنہ میں پڑ جانا جس کے لیے کھڑا ہوا ہے کہ اس میں تکبر وغیرہ امور پیدا ہو جانے سے اس کو دینی نقصان پہنچے۔ اسی طرح سے نفاق کے طور پر کھڑا ہونا کہ جس کے لیے کھڑا ہوا ہے اس کی کوئی وقعت اور عظمت دل میں نہ ہو، ریا کاری اور نفاق کے طور پر کھڑا ہو کہ یہ صورتیں ناجائز ہیں اور ان میں بھی اگر کھڑے نہ ہونے کی

صورت میں اس شخص کو خود کسی قسم کا مالی جانی یا آبرو کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے جائز ہو گا۔

(۷) حدثنا سفیان بن وکیع حدثنا جمیع بن عمر بن عبدالرحمن العجلی حدثنی رجل من بنی تمیم من ولد ابی هالة زوج خدیجةؓ یکنی ابا عبدالله عن ابن ابی هالة عن الحسن بن علی رضی الله عنهما قال سَئَلْتُ خَالِیْ هِنْدَ ابْنَ اَبِیْ هَالَةَ وَکَانَ وَصَّافًا عَنْ حُلْیَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَشْتَهِیْ اَنْ یَّصِفَ لِیْ مِنْهَا شَیْئًا فَقَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا یَتَلَاْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَاْلُؤَ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ بِطُوْلِهٖ قَالَ الْحَسَنُ فَکَتَمْتُهَا الْحُسَیْنَ زَمَانًا ثُمَّ حَدَّثْتُهٗ فَوَجَدْتُهٗ قَدْ سَبَقَنِیْ اِلَیْهِ فَسَاَلَهٗ عَمَّا سَاَلْتُهٗ عَنْهُ وَوَجَدْتُهٗ قَدْ سَاَلَ اَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهٖ وَعَنْ مَخْرَجِهٖ وَشَکْلِهٖ فَلَمْ یَدَعْ مِنْهُ شَیْئًا قَالَ الْحُسَیْنُ فَسَاَلْتُ اَبِیْ عَنْ دُخُوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَانَ اِذَا اَوٰی اِلٰی مَنْزِلِهٖ جَزَّءَ دُخُوْلَهٗ ثَلٰثَةَ اَجْزَاءٍ جُزْءً لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَجُزْءً لِاَهْلِهٖ وَجُزْءً لِنَفْسِهٖ ثُمَّ جَزَّءَ جُزْءَهٗ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ النَّاسِ فَیَرُدُّ ذٰلِكَ بِالْخَاصَّةِ عَلَی الْعَامَّةِ وَلَا یَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَیْئًا وَکَانَ مِنْ سِیْرَتِهٖ فِیْ جُزْءِ الْاُمَّةِ اِیْثَارُ اَهْلِ الْفَضْلِ بِاِذْنِهٖ وَقَسْمُهٗ عَلٰی قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِی الدِّیْنِ فَمِنْهُمْ ذُوالْحَاجَةِ وَمِنْهُمْ ذُوالْحَاجَتَیْنِ وَمِنْهُمْ ذُوالْحَوَائِجِ فَیَتَشَاغَلُ بِهِمْ وَیَشْغَلُهُمْ فِیْمَا یُصْلِحُهُمْ وَالْاُمَّةَ مِنْ مَّسْئَلَتِهِمْ عَنْهُ وَاِخْبَارِهِمْ بِالَّذِیْ یَنْبَغِیْ لَهُمْ وَیَقُوْلُ لِیُبَلِّغَ الشَّاهِدُ مِنْکُمُ الْغَائِبَ وَاَبْلِغُوْنِیْ حَاجَةَ مَنْ لَا یَسْتَطِیْعُ اِبْلَاغَهَا فَاِنَّهٗ مَنْ اَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ مَنْ لَّا یَسْتَطِیْعُ اِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُذْکَرُ عِنْدَهٗ اِلَّا ذٰلِكَ وَلَا یَقْبَلُ مِنْ اَحَدٍ غَیْرَهٗ یَدْخُلُوْنَ رُوَّادًا وَلَا یَفْتَرِقُوْنَ اِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ وَیَخْرُجُوْنَ اَدِلَّةً یَعْنِیْ عَلَی الْخَیْرِ قَالَ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ مَخْرَجِهٖ کَیْفَ کَانَ یَصْنَعُ فِیْهِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْزُنُ لِسَانَهٗ اِلَّا فِیْمَا یَعْنِیْهِ وَیُؤَلِّفُهُمْ وَلَا یُنَفِّرُهُمْ وَیُکْرِمُ کَرِیْمَ کُلِّ قَوْمٍ وَیُوَلِّیْهِ عَلَیْهِمْ وَیُحَذِّرُ النَّاسَ وَیَحْتَرِسُ مِنْهُمْ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّطْوِیَ عَلٰی اَحَدٍ مِنْهُ بِشْرَهٗ وَلَا خُلُقَهٗ وَیَتَفَقَّدُ اَصْحَابَهٗ وَیَسْئَلُ النَّاسَ عَمَّا فِی النَّاسِ وَیُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَیُقَوِّیْهِ وَیُقَبِّحُ الْقَبِیْحَ

وَيُوَقِّيهِ مُعْتَدِلَ الْاَمْرِ غَيْرَ مُخْتَلِفٍ وَلَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ اَنْ يَّغْفُلُوْا وَيَمَلُّوْا لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهٗ عَتَادٌ لَا يُقَصِّرُ عَنِ الْحَقِّ وَلَا يُجَاوِزُهُ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهٗ مِنَ النَّاسِ خِيَارُهُمْ اَفْضَلُهُمْ عِنْدَهٗ اَعَمُّهُمْ نَصِيْحَةً وَاَعْظَمُهُمْ عِنْدَهٗ مَنْزِلَةً اَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةً وَمُوَازَرَةً قَالَ فَسَئَلْتُهٗ عَنْ مَّجْلِسِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ وَلَا يَجْلِسُ اِلَّا عَلٰى ذِكْرٍ وَاِذَا انْتَهٰى اِلٰى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِىْ بِهِ الْمَجْلِسُ وَيَاْمُرُ بِذٰلِكَ يُعْطِىْ كُلَّ جُلَسَائِهٖ بِنَصِيْبِهٖ لَا يَحْسَبُ جَلِيْسُهٗ اَنَّ اَحَدًا اَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْهُ مَنْ جَالَسَهٗ اَوْ فَاوَضَهٗ فِىْ حَاجَةٍ صَابَرَهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ وَمَنْ سَاَلَهٗ حَاجَةً لَمْ يَرُدَّهٗ اِلَّا بِهَا اَوْ بِمَيْسُوْرٍ مِنَ الْقَوْلِ قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهٗ وَخُلُقُهٗ فَصَارَ لَهُمْ اَبًا وَصَارُوْا عِنْدَهٗ فِى الْحَقِّ سَوَاءً مَجْلِسُهٗ مَجْلِسُ عِلْمٍ وَحَيَاءٍ وَصَبْرٍ وَاَمَانَةٍ لَا تُرْفَعُ فِيْهِ الْاَصْوَاتُ وَلَا تُؤْبَنُ فِيْهِ الْحُرَمُ وَلَا تُنْثٰى فَلَتَاتُهٗ مُتَعَادِلِيْنَ يَتَفَاضَلُوْنَ فِيْهِ بِالتَّقْوٰى مُتَوَاضِعِيْنَ يُوَقِّرُوْنَ فِيْهِ الْكَبِيْرَ وَيَرْحَمُوْنَ فِيْهِ الصَّغِيْرَ وَيُؤْثِرُوْنَ ذَاالْحَاجَةِ وَيَحْفَظُوْنَ الْغَرِيْبَ

''حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اکثر بیان کرتے تھے اور مجھے ان کے سننے کا اشتیاق تھا' تو انہوں نے میرے پوچھنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف کا ذکر فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلند پایہ و بلند مرتبہ تھے' آپ کا چہرہ انور بدر کی طرح چمکتا تھا اور پورا حلیہ شریف (جیسا کہ شروع کتاب میں پہلے باب کی ساتویں حدیث میں مفصل گزر چکا ہے) بیان فرمایا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (بعض وجوہ سے) اس حدیث کا امام حسین رضی اللہ عنہ سے ایک عرصہ تک ذکر نہیں کیا ایک عرصہ کے بعد ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے اس حدیث کو سن چکے تھے اور صرف یہی نہیں کہ ماموں جان سے یہ حدیث سن لی ہو بلکہ والد صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان تشریف لے جانے اور باہر تشریف لانے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز و طریقہ بھی معلوم کر چکے تھے۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان تشریف لے جانے کے حالات دریافت کیے تو آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں تشریف رکھنے کے وقت کو تین حصوں پر منقسم فرماتے تھے۔

ایک حصہ حق تعالیٰ شانہ کی عبادت میں خرچ فرماتے تھے یعنی نماز وغیرہ پڑھتے تھے۔ دوسرا حصہ گھر والوں کے ادائے حقوق میں خرچ فرماتے تھے۔ مثلاً ان سے ہنسا بولنا بات کرنا ان کے حالات کی تحقیق کرنا۔ تیسرا حصہ خاص اپنی ضروریات راحت آرام کے لیے رکھتے تھے پھر اس اپنے والے حصہ کو بھی دو حصوں پر اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے اس طرح پر کہ خصوصی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وقت میں داخل ہوتے ان خواص کے ذریعہ سے مضامین عوام تک پہنچتے' ان لوگوں سے کسی چیز کو اٹھا کر نہ رکھتے تھے' (یعنی نہ دین کے امور میں نہ دنیوی منافع میں۔ غرض ہر قسم کا نفع بلا دریغ پہنچاتے تھے) امت کے اس حصہ میں آپ کا یہ طرز تھا کہ ان آنے والوں میں اہل فضل یعنی اہل علم وعمل کو حاضری کی اجازت میں ترجیح دیتے تھے اس وقت کو ان فضل دینی کے لحاظ سے ان پر تقسیم فرماتے تھے بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے اور بعض حضرات دو دو حاجتیں لے کر حاضر خدمت ہوتے اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر حاضر ہوتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تمام حاجتیں پوری فرمایا کرتے تھے اور ان کو ایسے امور میں مشغول فرماتے جو خود ان کی اور تمام امت کی اصلاح کے لیے مفید اور کار آمد ہوں' مثلاً ان کا دینی امور کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی طرف سے مناسب امور کی ان کو اطلاع فرمانا اور ان علوم ومعارف کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان مفید اور ضروری اصلاحی امور کو غائبین تک بھی پہنچادیں اور نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ کسی عذر (پردہ یا دوری یا شرم یا رعب) کی وجہ سے مجھ سے اپنی ضرورتوں کا اظہار نہیں کرسکتے تم لوگ ان کی ضرورتیں مجھ تک پہنچادیا کرو۔ اس لیے کہ جو شخص بادشاہ تک کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچائے جو خود نہیں پہنچا سکتا تو حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن اس شخص کو ثابت قدم رکھیں گے' لہٰذا تم لوگ اس میں ضرور کوشش کیا کرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ضروری اور مفید ہی باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا اور ایسے ہی امور کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم سے خوشی سے سنتے تھے لایعنی اور فضول باتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نہ ہوتی تھیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دینی امور کے طالب بن کر حاضر ہوتے تھے اور بلا کچھ چکھے وہاں سے نہیں آتے تھے (چکھنے سے مراد امور دینیہ کا حاصل کرنا بھی ہوسکتا ہے اور حسی چکھنا بھی مراد ہوسکتا ہے اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ موجود ہوتا

اس سے تواضع فرماتے اور خصوصی احباب کا جب مجمع ہوتا ہے تو موجود چیز کی تواضع ہوتی ہی ہے) صحابہ کرامؓ حضور اقدس ﷺ کی مجلس سے ہدایت اور خیر کے لیے مشعل اور راہنما بن کر نکلتے تھے کہ وہ ان علوم کو حسب ارشاد دوسروں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے باہر تشریف آوری کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ حضور ﷺ ضروری امور کے علاوہ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے فضول تذکروں میں وقت ضائع نہیں فرماتے تھے۔ آنے والوں کی تالیف قلوب فرماتے ان کو مانوس فرماتے متوحش نہیں فرماتے تھے (یعنی تنبیہ وغیرہ میں ایسا طرز اختیار نہ فرماتے جس سے ان کو حاضری میں وحشت ہونے لگے یا ایسے امور ارشاد نہ فرماتے تھے جن کی وجہ سے دین سے نفرت ہونے لگے) ہر قوم کے کریم اور معزز کا اکرام و اعزاز فرماتے اور اس کو خود اپنی طرف سے بھی اسی قوم پر متولی اور سردار فرما دیتے۔ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے (یا مضر امور سے بچنے کی تاکید فرماتے یا لوگوں کو دوسروں سے احتیاط[1] رکھنے کی تاکید فرماتے) اور خود اپنی بھی لوگوں کے تکلیف پہنچانے یا نقصان پہنچانے سے حفاظت فرماتے لیکن باوجود خود احتیاط رکھنے اور

---

[1] اس لفظ کے مختلف ترجمے کیے گئے ہیں بندہ کے نزدیک اقرب یہی ہے دوسرے جملہ کے مناسب بھی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ خود بھی اپنی حفاظت اور احتیاط فرماتے اور دوسروں کو بھی لوگوں سے احتیاط کی تعلیم دیتے تھے۔ جس کی توضیح یہ ہے کہ بلا وجہ کسی شخص پر بدگمانی کرنا ناجائز ہے لیکن بغیر بدگمانی کے اپنی حفاظت کرنا اور احتیاط رکھنا بہتر ہے احادیث میں مختلف عنوانات سے حزم اور احتیاط کی تعلیم بکثرت وارد ہے ابوداؤد شریف میں ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ تقسیم کے لیے کچھ مال بھیجنے کا ارادہ کیا اور ایک صحابی ابن الفغواء کو مال لے جانے کے لیے تجویز فرما کر ان سے کہہ دیا کہ کوئی ساتھی اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تلاش کرلیں وہ تلاش میں تھے کہ عمرو نامی ایک شخص ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم مکہ جانے کے لیے کسی ساتھی کی تلاش کر رہے ہو میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ ابن الفغواء حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ساتھی مل گیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کون ہے؟ انہوں نے پتہ بتا دیا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اس کی قوم کی آبادیوں کے قریب پہنچو تو اس سے محتاط رہنا۔ اس لیے کہ ایک ضرب المثل ہے کہ اپنے بکری بھائی سے (جو ایک قبیلہ کا نام ہے) محتاط رہنا۔ ابن الفغواء کہتے ہیں کہ ہم دونوں چل دیئے جب میرے ساتھی کی قومی آبادیاں آئیں تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ میں ان لوگوں سے مل آؤں تم میرا انتظار کرنا میں نے کہا کیا مضائقہ ہے؟ اس کے جانے کے بعد مجھے حضور ﷺ کا ارشاد یاد آیا میں جلدی سے اپنا اونٹ تیار کر کے چل دیا۔ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ آ رہا ہے مگر میں احتیاط کی وجہ سے جلدی جلدی چلا گیا۔ اس میں کئی نوع سے احتیاط کا مضمون وارد ہے اس کے علاوہ متعدد روایات میں حضور اکرم ﷺ سے لوگوں کو احتیاط کی تعلیم منقول ہے اسی لیے یہی معنی بہتر ہیں۔

احتیاط کی تاکید کے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے۔ اپنے دوستوں کی خبر گیری فرماتے' لوگوں کے حالات آپس کے معاملات کی تحقیق فرما کر ان کی اصلاح فرماتے' اچھی بات کی تحسین فرما کر اس کی تقویت فرماتے اور بری بات کی برائی بتا کر اس کو زائل فرماتے اور روک دیتے۔ حضور اکرم ﷺ ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے نہ کہ تلون اور گڑبڑ کہ کبھی کچھ فرما دیا کبھی کچھ۔ لوگوں کی اصلاح سے غفلت نہ فرماتے تھے کہ مبادا وہ دین سے غافل ہو جائیں یا کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے دین سے اکتا جائیں۔ (اس لیے حضور اکرم ﷺ ان کے حالات سے غفلت نہ فرماتے تھے) ہر کام کے لیے آپ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا' امر حق میں نہ کبھی کوتاہی فرماتے تھے نہ حد سے تجاوز فرماتے تھے' آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے خلقت کے بہترین افراد ہوتے تھے۔ آپ کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا جس کی خیر خواہی عام ہو یعنی ہر شخص کی بھلائی چاہتا ہو' آپ کے نزدیک بڑے رتبہ والا وہی ہوتا تھا جو مخلوق کی غم گساری اور مدد میں زیادہ حصہ لے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی مجلس کے حالات دریافت کیے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی اور جب کسی جگہ آپ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہاں تشریف رکھتے اور اسی کا لوگوں کو حکم فرماتے کہ جہاں جگہ خالی مل جائے بیٹھ جایا کریں لوگوں کے سروں کو پھلانگ کر آگے نہ جایا کریں یہ امر جداگانہ ہے کہ جس جگہ حضور ﷺ تشریف رکھتے تھے وہی جگہ پھر صدر مجلس بن جاتی' آپ حاضرین مجلس میں سے ہر ایک کا حق ادا فرماتے یعنی بشاشت اور بات چیت میں جتنا اس کا استحقاق ہوتا اس کو پورا فرماتے کہ آپ کے پاس ہر بیٹھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ میرا سب سے زیادہ اکرام فرما رہے ہیں' جو آپ کے پاس بیٹھتا یا کسی امر میں آپ کی طرف مراجعت کرتا تو حضور اکرم ﷺ اس کے پاس بیٹھے رہتے یہاں تک کہ وہ ہی خود اٹھنے کی ابتداء کرے' جو آپ سے کوئی چیز مانگتا آپ اس کو مرحمت فرماتے یا (اگر نہ ہوتی تو) نرمی سے جواب فرماتے' آپ کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لیے عام تھی' آپ تمام خلقت کے شفقت میں باپ تھے اور تمام خلقت حقوق میں آپ کے نزدیک برابر تھی' آپ کی مجلس مجلس علم وحیاء اور صبر وامانت تھی (یعنی یہ چاروں باتیں اس میں حاصل کی جاتی تھیں یا یہ کہ یہ چاروں باتیں اس میں موجود ہوتی تھیں) نہ اس

میں شور وشغب ہوتا تھا نہ کسی کی عزت وآبرو اتاری جاتی تھی' اس مجلس میں اگر کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو اس کو شہرت نہیں دی جاتی تھی آپس میں سب برابر شمار کیے جاتے تھے (حسب ونسب کی بڑائی نہ سمجھتے تھے البتہ) ایک دوسرے پر فضیلت تقویٰ سے ہوتی تھی ہر شخص دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتا تھا۔ بڑوں کی تعظیم کرتے تھے چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے اہل حاجت کو ترجیح دیتے تھے' اجنبی مسافر آدمی کی خبر گیری کرتے تھے۔"

ف: الغرض ہر بات اور ہر امر شریفانہ اخلاق کے منتہا سے اوپر تھی اور کیوں نہ ہوتی جب کہ آپ کی بعثت ہی تکمیل اخلاق کے لیے ہوئی۔ چنانچہ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق او کما قال** میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کی تکمیل کروں اس کے باوجود حضور اکرم ﷺ اس کی دعا فرمایا کرتے تھے کہ یا اللہ! جیسا کہ تو نے مجھے حسن صورت عطا کیا ہے حسن اخلاق بھی عطا کر حالانکہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق مبارک کی بڑائی کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے اور کئی قسموں کی تاکید کے ساتھ اللہ جل شانہ نے آپ کے خلق عظیم کو ذکر فرمایا' نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نرم مزاجی کو پسند کرتے ہیں اور نرمی پر وہ کچھ عطا فرماتے ہیں جو اور کسی چیز پر عطا نہیں کرتے ایک حدیث میں ارشاد ہے کو جو شخص نرمی سے محروم ہے وہ بڑی خیر سے محروم ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تم میں سے زیادہ محبوب مجھے وہ شخص ہے جس کے اخلاق بہترین ہوں۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ تم میں سے زیادہ محبوب مجھے وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ ایک صحابیؓ نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ آدمی کو سب سے بہترین جو چیز عطا ہوئی ہے وہ کیا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خوش خلقی۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت میں اعمال نامہ کی ترازو میں سب سے وزنی چیز جو ہوگی وہ اچھے اخلاق ہوں گے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ آدمی اچھے اخلاق کی بدولت شب بیدار' روزہ دار کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے۔ حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ جب میں یمن بھیجا گیا اور سواری پر سوار ہونے کیلئے رکاب میں پاؤں رکھا تو حضور اکرم ﷺ نے سب سے آخری جو وصیت فرمائی وہ یہ تھی کہ لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومنین میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہوں اسکے علاوہ اور بھی بہت سی روایات میں حسن اخلاق کی تاکید فرمائی گئی اور یہ اس کا نمونہ ہے جو اوپر ذکر کیا گیا۔

**(۸) حدثنا محمد بن عبداللہ بن بزیع حدثنا بشر بن المفضل حدثنا سعید عن قتادۃ عن انس بن مالکؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ**

اُهْدِیَ اِلَیَّ کُرَاعٌ لَقَبِلْتُ وَلَوْ دُعِیْتُ عَلَیْهِ لَاَجَبْتُ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے بکری کا ایک پیر بھی دیا جائے تو میں قبول کروں اور اگر اس کی دعوت کی جائے تو میں ضرور جاؤں۔

ف: یعنی مجھے ہدیہ قبول کرنے میں بلکہ کسی جگہ جانے میں بھی اس کا خیال نہیں ہوتا کہ اتنی ذرا سی چیز کیلئے کیا جاؤں؟ بلکہ اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کو کمال رغبت سے قبول کرتا ہوں اور اصل یہ ہے کہ دعوت کے قبول کرنے میں وہ کھانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ دعوت کرنے والے کی دلداری مقصود ہوتی ہے۔

**(۹) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن حدثنا سفیان عن محمد بن المنکدر عن جابرؓ قَالَ جَاءَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ بِرَاکِبِ بَغْلٍ وَلَا بِرْذَوْنٍ**

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (میری عیادت کے لیے) تشریف لائے نہ خچر پر سوار تھے نہ ترکی گھوڑے پر (یعنی نہ گھٹیا سواری پر سوار تھے نہ بڑھیا پر بلکہ پیادہ تشریف لائے)''

ف: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا اظہار مقصود ہے کہ امراء وسلاطین زمانہ کی طرح سواری کے عادی نہ تھے بلکہ پاپیادہ کثرت سے چلتے تھے۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں اس عیادت کا قصہ ذرا مفصل ہے وہ یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سخت مریض ہوا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں حضرات پاپیادہ میری عیادت کو تشریف لائے۔ یہاں پہنچ کر دیکھا کہ میں بے ہوش پڑا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا جس سے مجھے افاقہ ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں تو میں نے اپنے ترکہ کے متعلق سوال کیا جس پر میراث کی آیت نازل ہوئی۔

**(۱۰) حدثنا عبداللہ بن عبدالرحمن حدثنا ابو نعیم حدثنا یحیی بن ابی الھیثم العطار رحمۃ اللہ علیہ قال سمعت یوسف بن عبداللہ بن سلامؓ قال سَمَّانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْسُفَ وَاَقْعَدَنِیْ فِیْ حِجْرِہٖ وَمَسَحَ عَلٰی رَاْسِیْ**

''یوسف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام یوسف تجویز فرمایا تھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھلایا تھا اور میرے سر پر دست مبارک پھیرا تھا۔''

ف: اس حدیث سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت اور بچوں پر کمال رحمت معلوم ہوتی ہے۔

نیز تواضع کا کمال یہی ہے کہ ایسے کم عمر بچوں کو گود میں لینے سے اعراض واستنکاف نہ فرماتے تھے۔ ایک حدیث میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ میرے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ اس حدیث سے بچوں کا بزرگوں کی خدمت میں لے جانا ان سے نام تجویز کرانا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری احادیث میں صحابہ کرامؓ کا نومولود بچوں کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لے جانا وارد ہے۔

**(۱۱) حدثنا اسحٰق بن منصور حدثنا ابوداود الطیالسی انبانا الربیع وھو ابن صبیح حدثنا یزید الرقاشی عن انس بن مالکؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَجَّ عَلٰی رَحْلٍ رَثٍّ وَقَطِیْفَۃٍ کُنَّا نَرٰی ثَمَنُھَا اَرْبَعَۃَ دَرَاھِمَ فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِہٖ رَاحِلَتُہٗ قَالَ لَبَّیْکَ بِحَجَّۃٍ لَا سُمْعَۃَ فِیْھَا وَلَا رِیَاءَ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک کجاوہ پر حج کیا جس پر ایک کپڑا تھا جس کی قیمت ہمارے خیال میں چار درہم ہوگی۔ حضور ﷺ یہ دعا کرتے تھے کہ خدایا! اس حج کو ریا اور شہرت سے مبرا فرمائیو۔''

ف: یہ حدیث اسی باب میں پانچویں نمبر پر گزر چکی ہے۔

**(۱۲) حدثنا اسحٰق حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر عن ثابت البنانی وعاصم الاحول عن انس بن مالکؓ اَنَّ رَجُلًا خَیَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَرَّبَ لَہٗ ثَرِیْدًا عَلَیْہِ دُبَّاءٌ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْخُذُ الدُّبَّاءَ وَکَانَ یُحِبُّ الدُّبَّاءَ قَالَ ثَابِتٌ فَسَمِعْتُ اَنَسًا یَقُوْلُ فَمَا صُنِعَ لِیْ طَعَامٌ اَقْدِرُ عَلٰی اَنْ یُّصْنَعَ فِیْہِ دُبَّاءٌ اِلَّا صُنِعَ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس ﷺ کی دعوت کی۔ کھانے میں ثرید تھا اور اس پر کدو پڑا ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کو کدو چونکہ مرغوب تھا اس لیے حضور اکرم ﷺ اس پر سے کدو نوش فرمانے لگے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرے لیے کوئی کھانا تیار نہیں کیا گیا جس میں مجھے کدو ڈلوانے کی قدرت ہو اور کدو اس میں نہ ڈالا گیا ہو۔''

ف: ثرید شوربے میں بھیگی ہوئی روٹی کو کہتے ہیں۔ یہ قصہ حضور اکرم ﷺ کے سالن کے باب کی گیارہویں حدیث میں گزر چکا ہے۔ وہاں بجائے ثرید کے شوربے روٹی کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں چیزیں ہوں۔ شوربا روٹی بھی ہو اور ثرید بھی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ثرید اس کو مجازاً کہہ دیا ہو یا

اس حدیث میں شوربا روٹی اجزاء کے لحاظ سے کہہ دیا ہو کہ ثرید بھی شوربا روٹی ہی ہوتی ہے۔

(۱۳) حدثنا محمد بن اسمٰعیل حدثنا عبدالله بن صالح حدثنی معاویة بن صالح عن یحیی بن سعید عن عمرة قَالَتْ قِیْلَ لِعَائِشَةَ مَاذَا کَانَ یَعْمَلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِهٖ قَالَتْ کَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ یَفْلِیْ ثَوْبَهٗ وَیَحْلِبُ شَاتَهٗ وَیَخْدِمُ نَفْسَهٗ

''عمرہ کہتی ہیں کہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ پر کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے اپنے کپڑے میں خود ہی جوں تلاش کر لیتے تھے اور خود ہی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے اور اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے۔''

ف: ''آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے'' کا یہ مطلب ہے کہ عام آدمیوں کی طرح اپنے گھر کا اکثر و بیشتر کام خود کر لیا کرتے تھے۔ اپنی ضروریات اور گھر کے کاروبار کرنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ گرانی اور تکبر مانع نہ ہوتا تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو کام اور لوگ اپنے گھروں میں کرتے ہیں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کر لیا کرتے تھے، بعض روایات میں مثال کے طور پر کچھ کام بھی گنوا دیئے جیسا کہ اس روایت میں گزرا ہے اسی طرح دوسری روایات میں ہے کہ اپنا کپڑا سی لیا کرتے تھے اپنے جوتہ کا پیوند خود ہی لگا لیا کرتے تھے اپنے کپڑے کو پیوند لگا لیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ حدیث بالا میں جوں تلاش کرنے کا بھی ذکر ہے اور علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن یا کپڑوں میں جوں نہیں ہوتی تھی اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جوں بدن کے میل سے پیدا ہوتی ہے اور پسینہ سے بڑھتی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سراسر نور تھے وہاں میل کچیل کہاں تھا؟ اسی طرح آپ کا پسینہ سراسر گلاب تھا جو خوشبو میں استعمال کیا جاتا تھا۔ بھلا عرق گلاب میں جوں کا کہاں گزر ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس تلاش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس احتمال سے کہ شاید کسی دوسرے کی جوں چڑھ گئی ہو تلاش فرماتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ تلاش کرنا دوسروں کی تعلیم کے لیے تھا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اہتمام کرتے دیکھیں گے تو زیادہ اہتمام کریں گے۔

❀❀❀

# باب ما جاء فی خلق رسول اللہ ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے اخلاق وعادات میں

ف: حضور اقدس ﷺ کے اخلاق شہرۂ آفاق ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے بھی کلام اللہ شریف میں اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ سے آپ کے خلق کی تعریف فرمائی۔ آپؐ کے اخلاقِ جمیلہ اور عادت شریفہ آج دنیا میں ضرب المثل ہیں اور اخلاق محمدی کی عالم میں دھوم ہے اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ خود حق سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن شریف میں آپؐ کے اخلاق کی تعریف فرمائی۔ چنانچہ سورۂ نون میں ارشاد ہے ﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ اس آیت شریفہ میں کئی نوع کی تاکید کے ساتھ ارشاد ہے کہ بے شک تم بڑے اخلاق پر ہو۔ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ کا احاطہ اور احصاء دشوار ہے کتب حدیث کا بہت بڑا حصہ انہیں احادیث پر مشتمل ہوتا ہے۔ نمونہ کے طور پر اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پندرہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدثنا عباس بن محمد الدوری حدثنا عبداللہ بن یزید المقری حدثنا لیث بن سعد حدثنی ابو عثمان الولید بن ابی الولید عن سلیمان بن خارجة عن خارجة بن زید بن ثابتؓ قَالَ دَخَلَ نَفَرٌ عَلٰی زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالُوْا لَهٗ حَدِّثْنَا اَحَادِیْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاذَا اُحَدِّثُکُمْ کُنْتُ جَارَهٗ فَکَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَیْهِ الْوَحْیُ بَعَثَ اِلَیَّ فَکَتَبْتُهٗ لَهٗ فَکُنَّا اِذَا ذَکَرْنَا الدُّنْیَا ذَکَرَهَا مَعَنَا وَاِذَا ذَکَرْنَا الْاٰخِرَةَ ذَکَرَهَا مَعَنَا وَاِذَا ذَکَرْنَا الطَّعَامَ ذَکَرَهٗ مَعَنَا فَکُلُّ هٰذَا اُحَدِّثُکُمْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

''خارجہ کہتے ہیں کہ ایک جماعت زید بن ثابتؓ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضور اکرم ﷺ کے کچھ حالات سنائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے کیا حالات سناؤں (وہ احاطہ بیان سے باہر ہیں) میں حضور اکرم ﷺ کا ہمسایہ تھا (اس لیے گویا ہر وقت حاضر باش تھا اور اکثر حالات سے واقف۔ اس کے ساتھ ہی کاتب وحی بھی تھا) جب حضور اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ مجھے بلا بھیجتے میں حاضر ہو کر اس کو لکھ لیتا تھا

(حضور اکرم ﷺ ہم لوگوں کے ساتھ غایت درجہ دلداری اور بے تکلفی فرماتے تھے جس قسم کا تذکرہ ہم کرتے حضور ﷺ بھی ہمارے ساتھ ویسا ہی تذکرہ فرماتے تھے۔ جب ہم لوگ کچھ دنیاوی ذکر کرتے تو حضور اکرم ﷺ بھی اس قسم کا تذکرہ فرماتے (یہ نہیں کہ بس آخرت ہی کا ذکر ہمارے ساتھ کرتے ہوں اور دنیا کی بات سننا بھی گوارا نہ کریں) اور جس وقت ہم آخرت کی طرف متوجہ ہوتے تو حضور اکرم ﷺ بھی آخرت کے تذکرے فرماتے' یعنی جب آخرت کا کوئی تذکرہ شروع ہو جاتا تو اسی کے حالات اور تفصیلات حضور اکرم ﷺ بیان فرماتے اور جب کچھ کھانے پینے کا ذکر ہوتا تو حضور اکرم ﷺ بھی ویسا ہی تذکرہ فرماتے (کھانے کے آداب' فوائد' لذیذ کھانوں کا ذکر' مضر کھانوں کا تذکرہ' وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ گزشتہ ابواب میں بہت سے ارشادات حضور ﷺ کے اس نوع کے گزر چکے ہیں کہ سرکہ کیا ہی اچھا سالن ہے' زیتون کا تیل استعمال کیا کرو کہ مبارک درخت سے ہے وغیرہ) یہ سب کچھ آپ ہی کے حالات کا تذکرہ کر رہا ہوں۔''

ف: اس حدیث میں مختلف مضامین تھے جن کی کسی قدر توضیح ترجمہ کے ساتھ ذکر کی گئی۔ اخیر جملہ کا ترجمہ مشائخ درس کے نزدیک یہی ہے جو لکھا گیا۔ لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک شروع حدیث (میں حضور ﷺ کے کیا حالات سناؤں) کے ساتھ مرتبط ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ (حضور ﷺ کے ہر نوع کے حالات سنا سکتا ہوں) اس لیے جس قسم کے تذکرہ کی درخواست کرو وہ سناؤں کہ میں پڑوسی بھی تھا اور کاتب وحی بھی اور حضور اکرم ﷺ کے معمولات میں دین اور دنیا' کھانا پینا غرض ہر قسم کے تذکرے شامل تھے۔ اس لیے کیا سناؤں اور کونسا تذکرہ کروں کہ ہر تذکرہ عجیب تھا اور ہر سماں لطیف و لذیذ۔ اس حدیث میں حضرت زیدؓ کا یہ فرمانا کہ جب وحی نازل ہوتی مجھے بلایا جاتا یہ اکثر اوقات کے اعتبار سے ہے کہ قریب رہتے تھے۔ ورنہ ان کے علاوہ وحی کے لکھنے والے یہ حضرات بھی شمار کیے گئے ہیں۔ حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابی' حضرت امیر معاویہ' حضرت خالد بن سعید' حضرت حنظلہ' حضرت علاء حضرمی' حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہم یہ نو حضرات ہیں جو کاتبین وحی ہیں۔ حدیث بالا میں ایک اشکال یہ بھی ہوتا ہے کہ دنیا کا ذکر کھانے پینے کا ذکر ایک فضول تذکرہ معلوم ہوتا ہے اور حضور ﷺ کی عادت شریفہ لایعنی چیزوں میں مشغول ہونے کی نہیں تھی جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہے گزشتہ باب کی طویل حدیث جو نمبرے پر گزری ہے اس میں بھی ہے کہ حضور ﷺ ضروری امور کے علاوہ سے اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کا ہر تذکرہ فضول نہیں بلکہ دنیا

کے اور کھانے پینے کے بہت سے تذکرے ضروری بلکہ حضور ﷺ کے لیے تو واجب تھے اس لیے کہ ان چیزوں میں جائز و ناجائز کسی چیز کا اچھا ہونا یا برا ہونا وغیرہ امور حضور ﷺ ہی کے ارشاد سے یا حضور ﷺ کے سامنے تذکرہ آنے پر حضور ﷺ کے اس پر سکوت فرمانے ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں چنانچہ اسی حدیث میں یہ مضمون بھی گزرا ہے کہ لوگوں کے حالات کی تحقیق فرما کر اچھی بات کی تحسین فرماتے اور بری بات کی برائی بتاتے اسی لحاظ سے دنیاوی تذکرے حضور ﷺ کی مجلس میں ہوتے تھے نہ کہ لغویات ہوتی تھیں۔

(۲) حدثنا اسحٰق بن موسٰی حدثنا یونس بن بکیر عن محمد بن اسحٰق عن زیاد بن ابی زیاد عن محمد ابن کعب القرظی عن عمرو بن العاص قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقْبِلُ بِوَجْھِہٖ وَحَدِیْثِہٖ عَلٰی اَشَرِّ الْقَوْمِ یَتَاَلَّفُھُمْ بِذٰلِکَ فَکَانَ یُقْبِلُ بِوَجْھِہٖ وَحَدِیْثِہٖ عَلَیَّ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنِّیْ خَیْرُ الْقَوْمِ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا خَیْرٌ اَوْ اَبُوْبَکْرٍ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا خَیْرٌ اَمْ عُمَرُ فَقَالَ عُمَرُ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا خَیْرٌ اَمْ عُثْمَانُ فَقَالَ عُثْمَانُ فَلَمَّا سَئَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَدَقَنِیْ فَلَوَدِدْتُ اَنِّیْ لَمْ اَکُنْ سَئَلْتُہٗ

''حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی حضور اقدس ﷺ تالیف قلوب کے خیال سے اپنی توجہ اور اپنی خصوصی گفتگو مبذول فرماتے تھے (جس کی وجہ سے اس کو اپنی خصوصیت کا خیال ہو جاتا تھا) چنانچہ خود میری طرف بھی حضور ﷺ کی توجہات عالیہ اور کلام کا رخ بہت زیادہ رہتا تھا۔ حتی کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ میں قوم کا بہترین شخص ہوں اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ سب سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔ میں نے اسی خیال سے ایک دن دریافت کیا کہ حضور ﷺ! میں افضل ہوں یا ابو بکر رضی اللہ عنہ' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر۔ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عمر رضی اللہ عنہ' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عمر۔ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عثمان رضی اللہ عنہ۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عثمان۔ جب میں نے حضور اکرم ﷺ سے تصریحاً پوچھا تو حضور ﷺ نے بلا رعایت صحیح صحیح فرما دیا (میری مدارات میں مجھے افضل نہیں فرمایا مجھے اپنی اس حرکت پر بعد میں ندامت ہوئی اور خیال ہوا کہ مجھے ایسی بات ہرگز نہیں پوچھنی چاہیے تھی۔''

ف: یہ اولاً حضور اکرم ﷺ کی خاص توجہ کی بناء پر اپنے کو سب سے افضل سمجھتے تھے اس لیے کہ پہلی

طویل روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ افضل کے ترجیح دینے کی تھی۔ لیکن بسا اوقات تالیف قلب کے خیال سے مدارات میں غیر افضل کو بھی ترجیح دی جاتی تھی حتی کہ کفار و منافقین تک کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کا تالیف میں خصوصی برتاؤ ہوتا تھا۔ حدیث بالا میں یہ ترتیب سوال کی اس بناء پر ہے کہ خود حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل الناس جانتے تھے۔ چنانچہ احادیث میں اس کی تصریح آتی ہے کہ ہم حضور اکرم ﷺ ہی کے زمانے میں سب سے زیادہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے ان کے بعد سب سے افضل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو۔ پھر ان کے بعد اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں کچھ ترجیح نہ دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تین حضرات کی اس ترتیب سے ترجیح اور افضیلت ایسی عیاں تھی کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات ہی میں ہم (صحابہؓ کی جماعت) اس کو مانتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد نے اپنے والد یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل شخص کون ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ میں نے پوچھا کہ ان کے بعد؟ انہوں نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ۔ اسی طرح سے اور بہت سی روایات ہیں جن سے حضور اکرم ﷺ کے زمانہ ہی سے یہ ترتیب معلوم ہوتی ہے اسی لیے انہوں نے اپنے سے مقابلہ کیلئے اسی ترتیب سے سوال کیا کہ اول ان سے مقابلہ کیا جو سب سے افضل شمار ہوتے تھے پھر نمبر ۲ پھر نمبر ۳ سے کہ میں اگر افضل ترین شخص سے نہیں بڑھ سکا تو شاید ۲ یا ۳ ہی سے بڑھ جاؤں۔

(۳) حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا جعفر بن سلیمان الضبعی عن ثابت عن انس بن مالکؓ قال خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ فما قَالَ لِيْ أُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِيْ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَهُ وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَلَا مَسِسْتُ خَزًّا وَلَا حَرِيْرًا وَلَا شَيْئًا كَانَ اَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا شَمِمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ اَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس حضور اقدس ﷺ کی خدمت کی مجھے کسی بات پر حضور اکرم ﷺ نے اف تک بھی نہیں فرمایا' نہ کسی کام کے کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں کیا' اسی طرح نہ کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا حضور اقدس ﷺ

اخلاق میں تمام دنیا سے بہتر تھے (ایسے ہی خلقت کے اعتبار سے بھی حتی کہ) میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم یا کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور اقدس ﷺ کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور اکرم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔''

ف: یہ کوئی مبالغہ آمیز یا اعتقادی بات نہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا پسینہ مبارک جمع کر کے خوشبو کی جگہ استعمال کیا جاتا تھا جس سے آپ مصافحہ کرتے تھے تمام دن اس کے ہاتھ سے خوشبو مہکتی تھی۔ گناہوں کی کثرت سے بدن کی سڑانڈ مجرب ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا کسی چیز کے متعلق اف تک نہ فرمانا یہ کمال اخلاق اور رعایت تواضع کی بناء پر تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کرنے نہ کرنے کو ان کا اپنا فعل نہ سمجھتے تھے بلکہ من جانب اللہ سمجھ کر اس پر راضی ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس کے بعد یہ مضمون بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا۔ یہ محبوب کے فعل کے ساتھ غایت لذت ہے اور صوفیاء کی اصطلاح میں رضا برقضا کی اصل اور سند ہے۔ رابعہ بصریہؒ کا مشہور مقولہ ہے جس کا ترجمہ ہے کہ اے اللہ! اگر تو میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے تو میری محبت میں اس سے کچھ اضافہ ہی ہوگا اور کاملین صوفیہ کے تمام ہی حالات حضور اقدس ﷺ ہی کے مختلف احوال سے اخذ کیے گئے ہیں نبی کریم ﷺ کی ذات جامعیت کے کمال پر تھی بعد میں جامعیت کا یہ درجہ نہیں رہ سکا اس لیے حضرات صوفیہ کرام میں کسی جگہ حضور ﷺ کی کسی عادت کا ظہور ہوا اور کسی جگہ کسی دوسری حالت کا شیوع ہوا۔ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی بھی انتقام نہیں لیا البتہ اللہ جل شانہ کی کسی حرمت کا ہتک کیا جائے (مثلاً کسی حرام چیز کا ارتکاب کیا جائے) تو اس کا ضرور بدلہ لیتے تھے حضور اکرم ﷺ کی گفتگو کے باب میں نمبر ۳ پر بھی اس قسم کا مضمون گزر چکا ہے۔

لطیفہ: اس حدیث کے اخیر جزء کے متعلق ایک عجیب قصہ ہے جس سے حضرات صحابہ کرام اور محدثین رضی اللہ عنہم کی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ غایت محبت اور عشق کا پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ غایت فرحت ولذت کے ساتھ کہنے لگے کہ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مصافحہ کیا میں نے کبھی کسی قسم کی حریر یا ریشم حضور اکرم ﷺ کے ہاتھوں سے زیادہ نرم نہیں دیکھی۔ شاگرد نے جس کے سامنے یہ حدیث بیان کی اسی شوق سے عرض کیا کہ میں ان ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں جن ہاتھوں نے حضور ﷺ سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا

کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ تک یہ سلسلہ جاری ہے اور مصافحہ کی حدیث کے متعلق یہ مشہور ہے کہ اس حدیث میں مسلسل مصافحہ ہوتا آیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ مسلسلات میں بھی اس کو ذکر کیا ہے جس کے ذریعہ سے میرے استاد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہ تک بھی اسی طرح پہنچی۔

**(۴) حدثنا قتيبة بن سعيد واحمد بن عبدة هو الضبی والمعنی واحد قالا عن انس بن مالکؓ عن رسول الله ﷺ اَنَّهٗ كَانَ عِنْدَهٗ رَجُلٌ بِهٖ اَثَرُ صُفْرَةٍ قَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكَادُ يُوَاجِهُ اَحَدًا بِشَیْءٍ يَكْرَهُهٗ فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِلْقَوْمِ لَوْ قُلْتُمْ لَهٗ يَدَعُ هٰذِهِ الصُّفْرَةِ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا جس پر زرد رنگ کا کپڑا تھا۔ حضور ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ ناگوار بات کو منہ در منہ منع نہ فرماتے تھے اس لیے سکوت فرمایا اور جب وہ شخص چلا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کو زرد کپڑے سے منع کر دیتے تو اچھا ہوتا۔''

حضور اقدس ﷺ کی یہ امت پر غایت شفقت تھی کہ اکثر بالمواجہ ایسے امور کو منع نہ فرماتے تھے اس لیے کہ مبادا وہ شخص انکار کر بیٹھے۔ یا اعتراض کا سبب بن جائے جس سے کفر تک نوبت پہنچ جائے۔ اگر ان امور سے اطمینان ہوتا تو منع بھی فرما دیتے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو ایسے کپڑوں سے حضور ﷺ نے خود منع فرما دیا تھا۔ اسی طرح اور بہت سے واقعات حدیث کی کتابوں میں ہیں نیز یہ تاخیر اور بالمواجہ منع نہ فرمانا ایسے ہی مواقع میں تھا جہاں خلاف اولیٰ بات ہو یا تاخیر میں کوئی نقصان نہ ہو۔ ورنہ حرام چیز کے ارتکاب میں یہ صورت نہ تھی۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی گفتگو کے باب میں نمبر ۳ پر جو مفصل روایت گزری ہے اس میں ہے کہ جب امر حق سے تجاوز کیا جاتا تو اس وقت آپؐ کے غصہ کی کوئی شخص تاب نہ لا سکتا تھا اور نہ کوئی اس کو روک سکتا تھا جب تک کہ حضور اکرم ﷺ اس کا انتقام نہ لے لیں۔ آئندہ حدیث میں بھی اسی قسم کا مضمون آ رہا ہے۔

**(۵) حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن ابی اسحٰق عن ابی عبدالله الجدلی واسمه عبد بن عبد عن عائشةؓ انها قالت لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا سَخَّابًا فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِیْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو طبعاً فحش گو تھے' نہ بتکلف فحش بات فرماتے تھے' نہ بازاروں میں چلا کر (خلاف وقار) باتیں کرتے تھے' برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے تھے اور اس کا تذکرہ بھی نہ فرماتے تھے۔''

ف: بعض آدمی طبعاً فحش اور بے ہودہ مذاق کے عادی ہوتے ہیں اور بعض لوگ بتکلف مجلس کے طرز کو نبھانے کے لیے فحش گوئی کیا کرتے ہیں۔ اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دونوں کی نفی فرما دی۔ بازار میں بضرورت جانے میں مضائقہ نہیں ہے لیکن وہاں جا کر شور وشغب کرنا وقار کے خلاف ہے۔ سکون کے ساتھ اپنی ضرورت پوری کر کے چلا آئے۔ بازار میں شور کی نفی سے یہ لازم نہیں ہے کہ اور جگہ شور وشغب کرتے تھے بلکہ مقصد یہ ہے کہ بازار میں عموماً شور وغل ہوتا ہے اور جو شخص وہاں بھی سکون و وقار سے رہے گا' اس کا دوسری جگہ سکون سے رہنا ظاہر ہے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دینے کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری سوانح بھری ہوئی ہے کہ کفار سے کیا کیا اذیتیں نہیں پہنچیں؟ احد کی لڑائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کیا پیش نہیں آیا؟ اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان حالات سے متاثر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بددعا کی درخواست کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ ناواقف ہیں۔ زید بن سعنہ پہلے سے یہودی تھے ایک مرتبہ کہنے لگے کہ نبوت کی علامتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں رہی جس کو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ دیکھ لیا ہو بجز دو علامتوں کے جن کے تجربہ کی اب تک نوبت نہیں آئی۔ ایک یہ کہ آپ کا حلم آپ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ آپ کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت کا برتاؤ کرے گا اسی قدر آپ کا تحمل زیادہ ہوگا۔ میں ان دونوں کے امتحان کا موقع تلاش کرتا رہا اور آمد ورفت بڑھاتا رہا ایک دن آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے کہ ایک بدوی جیسا شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری قوم مسلمان ہو چکی ہے اور میں نے ان سے کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ تو بھرپور رزق تم کو ملے گا اور اب حالت یہ ہے کہ قحط پڑ گیا ہے مجھے ڈر ہے کہ وہ اسلام سے نہ نکل جائیں۔ اگر رائے مبارک ہو تو آپ کچھ اعانت ان کی فرمائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی طرف جو غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے دیکھا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود تو کچھ نہیں رہا۔ زید جو اس وقت تک یہودی تھے اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ ایسا کر سکیں کہ فلاں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں وقت معین پر مجھے دے دیں تو میں قیمت پیشگی اب دے دوں اور وقت معین پر کھجوریں لے لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا البتہ اگر باغ کی تعیین نہ کرو تو میں معاملہ کر سکتا ہوں۔

میں نے اس کو قبول کر لیا اور میں نے کھجوروں کی قیمت اسی مثقال سونا (ایک مثقال مشہور قول کے موافق ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے) دے دیا آپ نے وہ سونا اس بدوی کے حوالے کر دیا اور فرمایا کہ انصاف کی رعایت رکھنا اور اس سے ان کی ضرورت پوری کر لو۔ زید کہتے ہیں کہ جب کھجوروں کی ادائیگی کے وقت میں دو تین دن باقی رہ گئے تھے حضور ﷺ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ بھی تھے کسی کے جنازے کی نماز سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے قریب تشریف فرما تھے، میں آیا اور آپ کے کرتے اور چادر کے پلو کو پکڑ کر نہایت ترش روئی سے کہا کہ اے محمد! (ﷺ) آپ میرا قرضہ ادا نہیں کرتے خدا کی قسم میں تم سب اولاد عبدالمطلب کو خوب جانتا ہوں کہ بڑے نادہند ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غصہ سے مجھے گھورا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن! یہ کیا بک رہا ہے؟ خدا کی قسم اگر مجھے (حضور ﷺ کا) ڈر نہ ہوتا تو تیری گردن اڑا دیتا۔ لیکن حضور ﷺ نہایت سکون سے مجھے دیکھ رہے تھے اور تبسم کے لہجہ میں عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عمر میں اور یہ ایک اور چیز کے زیادہ محتاج تھے وہ یہ کہ مجھے حق کے ادا کرنے میں خوبی برتنے کو کہتے اور اس کو مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ کی نصیحت کرتے، جاؤ اس کو لے جاؤ اس کا حق ادا کر دو اور تم نے جو اس کو ڈانٹا ہے اس کے بدلے میں بیس صاع (تقریباً دو من کھجوریں) اس کے مطالبہ سے زیادہ دے دینا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے لے گئے اور پورا مطالبہ اور بیس صاع کھجوریں زیادہ دیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ کا یہی حکم ہے زید نے کہا کہ عمر تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں، میں نے کہا کہ میں زید بن سعنہ ہوں، انہوں نے فرمایا کہ جو یہود کا بڑا علامہ ہے، میں نے کہا کہ ہاں وہی ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ اتنے بڑے آدمی ہو کر حضور ﷺ کے ساتھ تم نے یہ کیسا برتاؤ کیا؟ میں نے کہا کہ علامات نبوت میں سے دو علامتیں ایسی رہ گئی تھیں جن کا مجھ کو اب تک تجربہ کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی ایک یہ کہ آپؐ کا حلم آپ کے غصے پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ ان کے ساتھ سخت جہالت کا برتاؤ ان کے حلم کو بڑھا دے گا اب ان دونوں کا امتحان بھی کر لیا۔ لہٰذا تم کو اپنے اسلام کا گواہ بناتا ہوں اور میرا آدھا مال امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر صدقہ ہے اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں واپس آئے اور اسلام لے آئے، اس کے بعد بہت سے غزوات میں شریک ہوئے اور تبوک کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ (جمع الفوائد وجمع الوسائل)

(٦) حدثنا هٰرون بن اسحٰق الهمداني حدثنا عبدة عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة قالت مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ شَيْئًا

قَطُّ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا ضَرَبَ خَادِمًا وَلَا امْرَأَةً

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اللہ کے راستہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا' نہ کبھی کسی خادم کو نہ کسی عورت (بیوی باندی وغیرہ) کو۔''

ف: اللہ کے راستہ اور جہاد میں حدود بھی داخل ہیں۔ نیز اس مارنے سے غصہ میں قصداً مارنا مراد ہے اسی کو مارنا عرف میں کہتے ہیں بلا ارادہ یا مزاح میں کبھی لگ جانا جیسا کہ بعض روایات میں ہے اس کے منافی نہیں۔

(۷) حدثنا احمد بن عبدة الضّبی حدثنا فضیل بن عیاض عن منصور عن الزهری عن عروة عن عائشةؓ قالت مَارَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْتَصِرًا مِنْ مَّظْلَمَةٍ ظُلِمَهَا قَطُّ مَا لَمْ يُنْتَهَكْ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰى شَیْءٌ فَاِذَا انْتُهِكَ مِنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰى شَیْءٌ كَانَ مِنْ اَشَدِّهِمْ فِيْ ذٰلِكَ غَضَبًا وَمَا خُيِّرَ بَيْنَ امْرَيْنِ اِلَّا اخْتَارَ اَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ مَاْثَمًا

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی کے ظلم کا بدلہ لیا ہو۔ البتہ اللہ کی حرمتوں میں سے کسی حرمت کا ہتک ہوتا (یعنی مثلاً کسی حرام فعل کا کوئی مرتکب ہوتا۔ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ اسی میں آدمیوں کے حقوق بھی داخل ہیں) تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ غصہ والا کوئی شخص نہیں ہوتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی دو امروں میں اختیار دیئے جاتے تو ہمیشہ سہل کو اختیار فرماتے تاوقتیکہ اس میں کسی قسم کی معصیت وغیرہ نہ ہو۔''

ف: تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جنگ احد میں جب عتبہ نے آپ پر پتھر چلایا اور آپ کا دندان مبارک شہید ہو گیا اور چہرۂ انور خون آلودہ ہو گیا تو بعض حاضرین نے عرض کیا کہ اس موذی کے لیے بددعا فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بددعا فرمائی کہ یا اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما یہ ناواقف ہیں۔ ایک بدوی ایک مرتبہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ میرے ان اونٹوں پر غلہ لدوا دو تم اپنے مال میں سے یا اپنے باپ کے مال میں سے نہیں دیتے ہو (گویا بیت المال کا مال ہم ہی لوگوں کا ہے تمہارا نہیں ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تک تو اس چادر کھینچنے کا بدلہ نہیں دے گا میں غلہ نہیں دوں گا۔ اس نے کہا

خدا کی قسم میں بدلہ نہیں دیتا حضور ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے اس کے اونٹوں پر غلہ لدوا دیا۔ ہم لوگ حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں اتباع کے دعوے دار ہیں۔ یہاں ذرا سی بات خود داری کے خلاف ہو جاتی ہے۔ کوئی ذرا سخت لفظ کہہ دے تو وقار کے خلاف بن جاتا ہے حدیث کے اخیر جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے جب آپ کو بالخصوص امت کے حق میں دو امروں کا اختیار دیا جاتا تو آپ امت کے لیے جو سہل ہوتا اس کو اختیار فرماتے اور اسی طرح دنیاوی امور میں جہاں دو رائیں ہوتیں ان میں سے سہل کو اختیار فرماتے جب تک کہ اس میں کسی قسم کا شرعی نقصان نہ ہو بہت سی احادیث میں مختلف عنوانات سے حضور ﷺ کے ارشادات بھی اس مضمون میں وارد ہوئے ہیں کہ سہولت اختیار نہ کرنا اور خواہ مخواہ اپنے کو مشقتوں میں ڈالنا حضور اکرم ﷺ کو پسند نہ تھا۔

(۸) حدثنا ابن ابی عمر حدثنا سفیان عن محمد بن المنکدر عن عروۃ عن عائشۃؓ قالت اِسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عِنْدَہٗ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِیْرَۃِ اَوْاَخُ الْعَشِیْرَۃِ ثُمَّ اَذِنَ لَہٗ فَاَلَانَ لَہُ الْقَوْلَ فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ اَلَنْتَ لَہُ الْقَوْلَ فَقَالَ یَا عَائِشَۃُ اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَکَہُ النَّاسُ اَوْوَدَعَہُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِہٖ

''حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سے ایک شخص نے حاضری کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا کیسا برا آدمی ہے؟ یہ ارشاد فرمانے کے بعد اس کو حاضری کی اجازت مرحمت فرما دی اور اس کے اندر آنے پر اس کے ساتھ نہایت نرمی سے باتیں کیں جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ ؓ نے پوچھا کہ حضور ﷺ نے اس کے بارے میں حاضر ہونے سے پہلے تو یہ لفظ ارشاد فرمایا تھا پھر اس قدر نرمی سے اس کے ساتھ کلام فرمایا۔ یہ کیا بات ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ! بدترین لوگوں میں سے ہے وہ شخص کہ لوگ اس کی بدکلامی کی وجہ سے اس کو چھوڑ یں۔''

ف: اس شخص کا نام اکثر علماء نے عیینہ لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ دل سے اس وقت تک مسلمان بھی نہ ہوا تھا بلکہ نفاق کے طور پر بظاہر مسلمان تھا حضور اکرم ﷺ کا معاملہ اس وقت تک منافقین کے ساتھ مسلمانوں ہی جیسا تھا اس لیے اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ تھا چنانچہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد جب ارتداد کا زور ہوا تو یہ مرتد ہو گیا تھا اور مخفی کفر کو ظاہر کر دیا تھا اور حضرت ابوبکر ؓ کی خدمت میں پکڑ کر لایا گیا اور مدینہ کے نوعمر لڑکوں نے آوازے کسنے شروع کیے کہ یہ بھی مرتد ہو گیا تھا تو اس نے

یہ جواب دیا تھا کہ میں مسلمان ہی کب ہوا تھا جو مرتد ہوتا لیکن اس کے بعد یہ مسلمان ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جہاد میں بھی شریک ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے اس کے آنے سے قبل اس کی حالت پر تنبیہ فرمادی اور چونکہ یہ بہ نیت اصلاح اور دوسروں کو مضرت سے بچانے کے لیے تھی اس لیے یہ کلام شرعاً غیبت کی حدود میں داخل نہیں ہے اس لیے کہ کسی شخص کی برائی کو اس وجہ سے ظاہر کرنا کہ لوگ اس کی برائی کا شکار نہ بن جائیں اور کسی نقصان میں نہ پھنس جائیں، غیبت کی ممانعت میں داخل نہیں ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص علی الاعلان فاسق تھا اور جو کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہو اس کی غیبت جائز ہے۔ اس کے حاضر ہونے پر اس کے ساتھ نرم کلامی کی تالیف قلب اور اس کے مانوس کرنے کے لیے فرمائی۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی عادت شریفہ تھی۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ سب ہی کے ساتھ نرم کلامی کی تھی اور اسی وجہ سے اس کے آنے سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو اس امر پر متنبہ بھی کر دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز کی وجہ سے اس کو مخلص نہ سمجھیں وہ کچھ بھلا آدمی نہیں ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز معاشرت کی وجہ سے اس کو مخلص اور خیر خواہ سمجھیں اور اس دھوکہ کی وجہ سے کسی مضرت میں پڑ جائیں۔ یا کوئی راز کی بات اس کے سامنے کہہ دیں کہ ایسے منافق لوگ خلوص جتانے کے لیے ایسے ہی خصوصی اور اہم تذکرے چھیڑا کرتے ہیں۔ اخیر جملہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد بدترین شخص کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کہ اس کا تعلق آنے والے سے ہو۔ یعنی اس کی فحش گوئی سے بچنے کے لیے اس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا کہ یہ فحش گو ہے یا اس کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہے یعنی مجھے فحش گو تو نے کب دیکھا تھا کہ اس کی منتظر تھی۔ وہ برا شخص ہے جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اسکے پاس آنا چھوڑ دیں میں اگر ایسی گفتگو کروں تو لوگ میرے پاس کی آمد و رفت بھی چھوڑ دیں۔ جس سے اگرچہ ان کو ہی نقصان ہے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا نقصان کب گوارا فرما سکتے ہیں۔

**(۹) حدثنا سفیٰن بن وکیع حدثنا جمیع بن عمیر بن عبدالرحمن العجلی حدثنی رجل من بنی تمیم من ولد ابی هالة زوج خديجة يكنى ابا عبدالله عن ابن لابی هالة عن الحسن بن علی رضی اللہ عنہما قال قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ سَئَلْتُ اَبِىْ عَنْ سِيْرَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ جُلَسَائِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَائِمَ الْبِشْرِ سَهْلَ الْخُلُقِ لَيِّنَ الْجَانِبِ لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيْظٍ وَلَا سَخَّابٍ وَلَا فَحَّاشٍ وَلَا عَيَّابٍ وَلَا مَشَّاحٍ يَتَغَافَلُ عَمَّا لَا**

يَشْتَهِيْ وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ وَلَا يُجِيْبُ فِيْهِ قَدْ تَرَكَ نَفْسَهُ مِنْ ثَلَاثٍ الْمِرَاءِ وَالْاِكْبَارِ وَمَا لَايَعْنِيْهِ وَتَرَكَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ كَانَ لَا يَذُمُّ اَحَدًا وَلَا يَعِيْبُهُ وَلَا يَطْلُبُ عَوْرَتَهُ وَلَا يَتَكَلَّمُ اِلَّا فِيْمَا رَجَاثَوَابَهُ وَاِذَا تَكَلَّمَ اَطْرَقَ جُلَسَائُهُ كَاَنَّمَا عَلٰى رُءُوْسِهِمُ الطَّيْرُ فَاِذَاسَكَتَ تَكَلَّمُوْا لَا يَتَنَازَعُوْنَ عِنْدَهُ الْحَدِيْثَ وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهُ اَنْصَتُوا لَهُ حَتّٰى يَفْرُغَ حَدِيْثُهُمْ عِنْدَهُ حَدِيْثُ اَوَّلِهِمْ يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُوْنَ مِنْهُ وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُوْنَ وَيَصْبِرُ لِلْغَرِيْبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِيْ مَنْطِقِهِ وَمَسْاَلَتِهِ حَتّٰى اِنْ كَانَ اَصْحَابُهُ يَسْتَجْلِبُوْنَهُمْ وَيَقُوْلُ اِذَارَاَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَارْفُدُوْهُ وَلَا يَقْبَلُ الثَّنَاءَ اِلَّا مِنْ مُّكَافِئٍ وَلَا يَقْطَعُ عَلٰى اَحَدٍ حَدِيْثَهُ حَتّٰى يَجُوْزَ فَيَقْطَعُهُ بِنَهْيٍ اَوْقِيَامٍ۔

''یہ اس لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے جو قریب ہی حضور اقدس ﷺ کی تواضع کے بیان نمبر ے میں گزر چکی ہے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے (میرے چھوٹے بھائی) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کا اپنے اہل مجلس کے ساتھ طرز پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ہمیشہ خندہ پیشانی اور خوش خلقی کے ساتھ متصف رہتے تھے (یعنی چہرہ انور پر تبسم اور بشاشت کا اثر نمایاں ہوتا تھا) آپ نرم مزاج تھے (یعنی کسی بات میں لوگوں کو آپ کی موافقت کی ضرورت ہوتی تھی تو آپ سہولت سے موافق ہو جاتے تھے) نہ آپ سخت گو تھے اور نہ سخت دل تھے' نہ آپ چلا کر بولتے تھے' نہ فحش گوئی اور بدکلامی فرماتے تھے' نہ عیب گیر تھے کہ دوسروں کے عیوب پکڑیں' نہ زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے والے' نہ زیادہ مذاق کرنے والے' نہ بخیل (تین لفظ اس جگہ نقل کئے گئے تینوں کا ترجمہ لکھ دیا) آپ ناپسند بات سے اعراض فرماتے تھے یعنی التفات نہ فرماتے گویا سنی ہی نہیں دوسرے کی کوئی خواہش اگر آپ کو پسند نہ آتی تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے تھے اور اس کا وعدہ بھی نہ فرماتے تھے' آپ نے تین باتوں سے اپنے آپ کو بالکل علیحدہ فرما رکھا تھا۔ جھگڑے سے اور تکبر سے اور بیکار بات سے۔ اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا نہ کسی کی مذمت فرماتے تھے نہ کسی کو عیب لگاتے تھے' نہ کسی کے عیوب تلاش فرماتے تھے۔ آپ صرف وہی کلام فرماتے تھے جو باعث اجر و ثواب ہو' جب آپ گفتگو فرماتے تو حاضرین مجلس اس طرح گردن جھکا کر بیٹھتے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں (کہ ذرا بھی حرکت ان میں نہ ہوتی تھی کہ پرندہ

ذراسی حرکت سے اڑ جاتا ہے) جب آپ چپ ہو جاتے تب وہ حضرات کلام کرتے (یعنی حضور اقدس ﷺ کی گفتگو کے درمیان میں کوئی شخص نہ بولتا تھا جو کچھ کہنا ہوتا حضور اکرم ﷺ کے چپ ہونے کے بعد کہتا تھا) آپ کے سامنے کسی بات میں نزاع نہ کرتے تھے۔ آپ سے جب کوئی شخص بات کرتا تو اس کے خاموش ہونے تک سب ساکت رہتے۔ ہر شخص کی بات (توجہ سے سننے میں) ایسی ہوتی جیسے پہلے شخص کی گفتگو (یعنی بے قدری سے کسی کی بات نہیں سنی جاتی تھی۔ ورنہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ مجلس کی ابتداء میں تو توجہ تام ہوتی ہے پھر کچھ دیر ہونے سے اکتانا شروع کر دیتے ہیں اور کچھ بے توجہی سی ہو جایا کرتی ہے۔) جس بات سے سب ہنستے آپ بھی تبسم فرماتے اور جس سے سب لوگ تعجب کرتے تو آپ بھی تعجب میں شریک رہتے یہ نہیں کہ سب سے الگ چپ چاپ بیٹھے رہیں بلکہ معاشرت اور طرز کلام میں شرکائے مجلس کے شریک حال رہتے) اجنبی مسافر آدمی کی سخت گفتگو اور بے تمیزی کے سوال پر صبر فرماتے (یعنی گاؤدی لوگ جاو بیجا سوالات کرتے آداب کو رعایت نہ کر کے ہر قسم کے سوالات کرتے۔ حضور اکرم ﷺ ان پر گرفت نہ فرماتے ان پر صبر کرتے) اور اس وجہ سے کہ وہ لوگ ہر قسم کے سوالات کر لیتے تھے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی مجلس اقدس تک مسافروں کو لے کر آیا کرتے تھے۔ (تاکہ ان کے ہر قسم کے سولات سے خود بھی منتفع ہوں اور ایسی باتیں جن کو ادب کی وجہ سے یہ حضرات خود نہ پوچھ سکتے تھے وہ بھی معلوم ہو جائیں) آپ یہ بھی تاکید فرماتے رہتے تھے کہ جب کسی طالب حاجت کو دیکھو تو اس کی امداد کیا کرو (اگر آپ کی کوئی تعریف کرتا تو آپ اس کو گوارا نہ فرماتے البتہ بطور شکریہ اور ادائے احسان کے کوئی آپ کی تعرف کرتا تو آپ سکوت فرماتے (کہ احسان کا شکر اس پر ضروری تھا اس لیے وہ گویا اپنا فرض منصبی ادا کر رہا ہے بعض علماء نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ تعریف حدود کے اندر کرتا تو آپ سکوت فرماتے اور حد سے تجاوز کرتا تو روک دیتے) کسی کی گفتگو قطع نہ فرماتے تھے کہ دوسرے کی بات کاٹ کر اپنی شروع فرمائیں۔ البتہ اگر کوئی حد سے تجاوز کرنے لگتا تو اس کو روک دیتے تھے یا مجلس سے تشریف لے جاتے تاکہ وہ خود رک جائے۔

ف: یہ حدیث گزشتہ باب کی ساتویں حدیث کا ٹکڑا ہے۔ مفصل روایت جس میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے تمام سوالات یکجا ہیں جمع الفوائد اور شفائے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں موجود ہیں۔ امام ترمذیؒ نے مختلف بابوں کی مناسبت سے اس حدیث کو کئی بابوں میں تھوڑی تھوڑی ذکر کی ہے۔

(۱۰) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبد الرحمن بن مهدی حدثنا سفیان عن محمد بن المنکدر قال سمعت جابر بن عبد اللّٰہ یَقُوْلُ مَاسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا۔

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی شخص کے کوئی چیز مانگنے پر انکار نہیں فرمایا۔''

ف: اگر اس وقت موجود ہوتی تو عطا فرما دیتے ورنہ دوسرے وقت کا وعدہ فرما لیتے۔ یا اس کے حق میں دعا فرماتے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کو کسی اور طریقہ سے عطا فرمائیں۔

(۱۱) حدثنا عبداللہ بن عمران ابو القاسم القرشی المکی حدثنا ابراھیم بن سعید عن ابن شھاب عن عبیداللہ عن ابن عباسؓ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَیْرِ وَکَانَ اَجْوَدُ مَا یَکُوْنُ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ حَتّٰی یَنْسَلِخَ فَیَاْتِیْہِ جِبْرِیْلُ فَیَعْرِضُ عَلَیْہِ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِیَہٗ جِبْرِیْلُ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَۃِ

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اول تو تمام لوگوں سے زیادہ ہر وقت ہی سخی تھے (کہ کوئی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا کہ خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور عطاؤں میں بادشاہوں کو شرمندہ کرتے تھے) نہایت سخت احتیاج کی حالت میں ایک عورت نے چادر پیش کی اور سخت ضرورت کے درجہ میں پہنی۔ جب ہی ایک شخص نے مانگ لی اور اس کو مرحمت فرما دی۔ قرض لے کر ضرورت مندوں کی ضرورت پورا کرنا اور قرض خواہ کے سخت تقاضے کے وقت کہیں سے اگر کچھ آ گیا اور ادائے قرض کے بعد بچ گیا تو اتنے وہ تقسیم نہ ہو جائے گھر نہ جانا۔ ایسے مشہور واقعات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ ہو ہی نہیں سکتا' بالخصوص رمضان المبارک میں تمام مہینہ اخیر تک بہت ہی فیاض رہتے (کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ مہینے کی فیاضی بھی اس مہینے کی فیاضی کے برابر نہ ہوتی تھی) اور اس مہینہ میں بھی جس وقت حضرت جبرائیلؑ تشریف لا کر آپؐ کو کلام اللہ شریف سناتے اس وقت آپ بھلائی اور نفع پہنچانے میں تیز بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔''

ف: اس ہوا کے ساتھ تشبیہ تیزی اور سرعت میں ہے کہ ہوا اس قدر تیز نہیں چلتی تھی جتنی تیز حضور

ﷺ کی سخاوت چلتی تھی یا نفع کے عام ہونے میں ہے کہ بارش کا نفع اس قدر عام اور سب کو شامل نہیں ہوتا جتنی عام حضور ﷺ کی سخاوت تھی۔ بارش کے ساتھ تشبیہ صورت کے اعتبار سے ہے ورنہ حضور ﷺ کی سخاوت کو بارش سے کیا نسبت کہ یہ صرف مادی چیزوں کو اگانے والی ہے اور حضور ﷺ کی بارش ظاہر و باطن ضروریات دنیوی اور دینیہ کو پورا کرنے والی تھی یہ زمین کو زندہ کرتی ہے وہ دلوں کو بھی زندہ کرتی تھی۔ ترمذی کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس ایک مرتبہ نوے ہزار درہم جس کے تقریباً بیس ہزار روپیہ سے زیادہ ہوتے ہیں کہیں سے آئے، حضور اقدس ﷺ نے ایک بوریے پر ڈلوادیئے اور وہیں پڑے پڑے سب تقسیم کرادیئے۔ ختم ہونے کے بعد ایک سائل آیا جس کا قصہ تیسری حدیث میں حدیث نمبر ۱۳ کے ذیل میں آرہا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں رہا ہے تو کسی سے میرے نام سے قرض لے لے جب میرے پاس ہوگا ادا کردوں گا یہ تو حضور اکرم ﷺ کی عام عادت شریفہ تھی اور رمضان المبارک کے اس وقت کا تو کیا ہی پوچھنا کہ وہ مالک الملک کی طرف سے افضل البشر کے پاس افضل الکلام افضل ترین اوقات میں فرشتوں کے لے کر آنے کا وقت تھا اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ حضور اقدس ﷺ حق تعالیٰ شانہ کے اخلاق کے ساتھ کمال درجہ میں متصف کہ اصل کمال عادات الٰہیہ کے ساتھ متصف ہونا ہے اور حق تعالیٰ شانہ کے یہاں اس ماہ مبارک میں جس قدر رحمت وانعام کے دروازے کھلتے ہیں اس کا کچھ نمونہ دیکھنا ہو تو بندہ کا رسالہ فضائل رمضان دیکھو۔

**(۱۲) حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا جعفر بن سلیمان عن ثابت عن انس بن مالكٌ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ دوسرے دن کے لیے کسی چیز کو ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔''

ف: یعنی جو چیز ہوتی کھلا پلا کر ختم فرمادیتے۔ اس خیال سے کہ کل کو ضرورت ہوگی اس کو محفوظ نہ رکھتے تھے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا غایت توکل تھا کہ جس مالک نے آج دیا ہے وہ کل بھی عطا کرے گا۔ یہ اپنی ذات کے لیے تھا۔ بیبیوں کا نفقہ ان کے حوالے کردیا جاتا وہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ چاہیں رکھیں یا تقسیم کردیں۔ مگر وہ بھی تو حضورؐ ہی کی بیبیاں تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مرتبہ دو گونیں درہموں کی نذرانہ کے طور پر پیش کی گئیں جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درہم تھے۔ انہوں نے طباق منگایا اور بھر بھر کر تقسیم فرمادیا خود روزہ دار تھیں افطار کے وقت ایک روٹی

اور زیتون کا تیل تھا جس سے افطار فرمایا۔ باندی نے عرض کیا کہ ایک درھم کا اگر آج گوشت منگا لیتیں تو آج ہم اسی سے افطار کر لیتے۔ ارشاد فرمایا کہ اب طعن دینے سے کیا ہوسکتا ہے اس وقت یاد دلا دیتی تو میں منگا دیتی۔ ''حکایات صحابہؓ'' میں ان سچے اتباع کرنے والوں کے کچھ نمونے دکھائے گئے ہیں اس لیے اگر حدیث کا مطلب یہ ہو کہ نہ اپنے لیے نہ گھر والوں کے لیے دوسرے دن کا ذخیرہ نہ ہوتا تھا تب بھی بے محل نہ ہوگا۔

(۱۳) حدثنا هارون بن موسى بن ابى علقمة الفروى المدنى حدثنى ابى عن هشام بن زيد عن زيد بن اسلم عن ابيه عن عمر بن الخطابؓ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَئَلَهٗ اَنْ يُّعْطِيَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِنْدِىْ شَىْءٌ وَلٰكِنِ ابْتَعْ عَلَيَّ فَاِذَا جَاءَنِىْ شَىْءٌ قَضَيْتُهٗ فَقَالَ عُمَرُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَعْطَيْتَهٗ فَمَا كَلَّفَ اللّٰهُ مَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ فَكَرِهَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَ عُمَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْفِقْ وَلَا تَخَفْ مِنْ ذِى الْعَرْشِ اِقْلَالًا فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعُرِفَ الْبِشْرُ فِىْ وَجْهِهٖ لِقَوْلِ الْاَنْصَارِىِّ ثُمَّ قَالَ بِهٰذَا اُمِرْتُ

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی ضرورت مند نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوال کیا' آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس تو اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ تم میرے نام سے خرید لو جب کچھ آ جائے گا تو میں ادا کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے پاس جو کچھ تھا آپ دے چکے ہیں اور جو چیز آپ کی قدرت میں نہیں ہے اس کا حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو مکلّف نہیں بنایا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ناگوار گزرا تو ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جس قدر جی چاہے خرچ کیجیے اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کیجیے (کہ جو ذات پاک عرش بریں کی مالک ہے اس کے لیے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینے میں کیا کمی ہوسکتی ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انصاری کا یہ کہنا بہت پسند آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا جس کا اثر چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوتا تھا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے مجھے اسی کا حکم فرمایا ہے۔''

ف: خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس کھجوروں کی ایک ڈھیری لگی ہوئی

دیکھی۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ آئندہ کی ضرورت کے لیے روک لیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تجھے اس کا ڈر نہیں ہے کہ اس کی بدولت کل قیامت کے دن جہنم کا کچھ دھواں تجھ تک پہنچ جائے' اس کے بعد ارشاد فرمایا **انفق بلالا ولا تخش من ذی العرش اقلالا** اے بلال خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کر۔ حضور اکرم ﷺ کی سخاوت اور کرم کے واقعات جس کثرت سے ہیں ان کے احاطہ کی کس کو طاقت ہے؟ اس کرم کے لیے یہ بھی ضروری نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس موجود ہی ہو ضرورت مندوں کے لیے قرض لے کر ان پر خرچ کرنا حضور ﷺ کا عام معمول تھا جیسا کہ اوپر کی حدیث میں خود موجود ہے۔ ایک شخص نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کے اخراجات کی کیا صورت تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس تو کچھ رہتا ہی نہ تھا میں ہی اخیر تک اس کا منتظم رہا۔ عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوتا اور آپ اس کو ننگا دیکھتے تو مجھے اس کے انتظام کا حکم فرماتے' میں کہیں سے قرض لے کر اس کے کپڑے بنواتا اور کھانے کا انتظام کرتا۔ ایک دن مشرکین میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا کہ مجھے بڑی وسعت حاصل ہے تمہیں جو کچھ قرض لینا ہو مجھ سے لے لیا کرو اور کسی سے قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس سے قرض لینے لگا۔ ایک دن میں وضو کر کے اذان کہنے ہی کو تھا کہ وہ مشرک چند تاجروں کو ساتھ لیے ہوئے آیا اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ او حبشی! میں نے کہا حاضر ہوں۔ وہ نہایت ترش روئی سے مجھ کو برا بھلا کہنے لگا اور کہنے لگا کہ اس مہینہ کے ختم میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا کہ مہینہ تو ختم کے قریب ہے کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں اگر اس وقت تک قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے قرضہ میں غلام بنالوں گا اور جیسا کہ پہلے غلامی کی حالت میں بکریاں چرایا کرتا تھا وہی صورت پھر ہو جائے گی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کی یہ باتیں سن کر جو لوگوں پر گزرتی ہے مجھ پر بھی گزری۔ میں عشاء کی نماز کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا قصہ سنا کر عرض کیا کہ حضور اتنی جلدی انتظام کیا ہو سکتا ہے کہ ادائیگی کے لیے نہ آپ کے پاس کچھ ہے نہ میرے پاس؟ میں روپوش ہو جاؤں جب آپ ادائیگی فرما دیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا ورنہ مجھے سخت ذلیل کرے گا۔ صبح کی نماز سے قبل ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہ حضور اکرم ﷺ بلا رہے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے تیرے قرضہ کا انتظام کر دیا یہ چار اونٹنیاں جو سامان سے لدی ہوئی ہیں یہ فدک کے حاکم نے ہدیۃً بھیجا ہے۔ میں نے صبح کو وہ سب قرضہ بے باق کیا اور حضور اکرم ﷺ کو اطلاع دی کہ اللہ جل شانہ نے قرضہ سے آپ کو

سبکدوش کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس سامان میں سے کچھ بچا ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ کچھ بچ گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو تقسیم کر دے کہ مجھے راحت ملے۔ شام ہو گئی کچھ پھر بھی بچ گیا۔ عشاء کے بعد حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا میں نے عرض کیا کہ مستحقین آئے ہی نہیں ابھی کچھ باقی ہے تو حضور اکرم ﷺ نے وہ رات مسجد میں گزاری مکان پر تشریف نہیں لے گئے' دوسرے دن عشاء کے بعد پھر دریافت فرمایا میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ نے اس کے بار سے آپ کو سبکدوش فرمایا وہ سب تقسیم ہو گیا۔ تب حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنے مکان پر تشریف لے گئے۔ [ابوداؤد]

(۱۴) حدثنا علی بن حجر حدثنا شریك عن عبدالله بن محمد بن عقیل عن الربیع بنت معوذ بن عفراءؓ قالت اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِّنْ رُطَبٍ وَاَجْرٍ زُغْبٍ فَاَعْطَانِیْ مِلْاَ کَفِّہٖ حُلِیًّا وَذَھَبًا

''ربیع رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں ایک طباق کھجوروں کا اور کچھ چھوٹی چھوٹی پتلی پتلی ککڑیاں لے کر حاضر خدمت ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے مجھے اپنا دست مبارک بھر کر سونا اور زیور مرحمت فرمایا۔''

ف: یہ حدیث حضور اکرم ﷺ کے میوہ استعمال کرنے کے ذکر میں نمبر ۶ و نمبر ۷ پر گزر چکی ہے۔

(۱۵) حدثنا علی بن خشرم وغیر واحد قالوا حدثنا عیسی بن یونس عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْبَلُ الْھَدِیَّةَ وَیُثِیْبُ عَلَیْھَا

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس پر بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔''

ف: کمال خلق ہے کہ ہدیہ واپس کرنے میں دوسرے کی دل شکنی کا خیال ہے اور بدلہ نہ دینے میں اس کو کوئی نفع نہیں۔ بلکہ بسا اوقات غلبہ محبت میں آدمی خود مشقت اٹھا کر ہدیہ دیا کرتا ہے بدلہ کی صورت میں اس کی دلداری بھی ہو گئی اور اس کو کوئی نقصان بھی نہ ہوا بلکہ نفع ہوا۔ اس لیے کہ بعض حدیثوں میں ویثیب منها کی جگہ ویثیب خیرا منها وارد ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس سے بہتر بدلہ دیتے تھے اور دوسری روایات سے بھی حضور اکرم ﷺ کا یہ معمول معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ سے زیادہ بدلہ دیتے تھے۔

# باب ما جاء فی حیاء رسول اللہ ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کی حیاء کا ذکر

ف: یہ مضمون اگرچہ عادات کا جزو ہے اور اس لحاظ سے گزشتہ باب میں داخل ہوسکتا تھا مگر غایت اہتمام کی وجہ سے اس کو مستقل ذکر کیا کہ خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ معاملات میں حیاء پر ایک مستقل مدار ہے حدیث میں وارد ہے کہ جب تجھ سے حیاء جاتی رہے پھر جو چاہے کر گزر۔ حضور اقدس ﷺ کا ہر کمال درجہ منتہی پر تھا۔ جس باب کو شروع کیا جائے اس میں آپ کے اوصاف بیان کرنے کے لیے الفاظ کما حقہ میسر نہیں ہوتے۔ آپ کی حیاء کے دو چار واقعات نہیں ہیں سینکڑوں واقعات اس کے شاہد ہیں حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ کثرت حیاء کی وجہ سے کسی شخص کے چہرہ پر نگاہ نہیں جماتے تھے۔ یعنی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کسی سے بالمقابل نہ ہوتے تھے۔ امام ترمذی نے بھی نمونتاً اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ حیاء کئی قسم کی ہوتی ہے ایک کرم کی حیاء کہلاتی ہے جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چند لوگ بیٹھے رہے اور باتوں میں مشغول رہے۔ نبی اکرم ﷺ پر ان کا بیٹھنا بار تھا اور بار بار کبھی باہر تشریف لے جاتے تھے کبھی اندر تشریف لاتے تھے مگر شرم کی وجہ سے ان کو اٹھنے کا حکم نہیں فرمایا۔ قرآن پاک میں بھی سورۂ احزاب کے اخیر کے قریب اس قصہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ دوسری قسم عاشق کی اپنے محبوب سے شرم ہوتی ہے کہ بولنا بھی دشوار ہوتا ہے۔

شوق افزوں مانع عرض تمنا داب حسن
بارہا دل نے اٹھائے ایسی لذت کے مزے

تیسری قسم بندگی کی شرم ہوتی ہے کہ بندگی میں اپنے آپ کو قاصر پائے اور مولا سے شرم میں بڑھتا جائے۔ چوتھی خود اپنی ذات سے شرم ہوتی ہے کہ آدمی ہمت سے کسی کام کو شروع کرے اور اس میں کوئی نقص رہ جائے تو خود اپنے سے شرم آنے لگتی ہے کہ ذرا سا کام بھی نہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ شرم کا اعلیٰ درجہ ہے جو شخص خود اپنے سے شرماتا ہے وہ دوسرے سے بطریق اولیٰ شرمایا کرتا ہے۔

(۱) حدثنا محمد بن غیلان حدثنا ابو داود حدثنا شعبة عن قتادة قال سمعت عبدالله بن ابی عتبة یحدث عن ابی سعید الخدریؓ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَشَدَّ حَیَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ فِیْ خِدْرِھَا وَکَانَ اِذَا کَرِہَ شَیْئًا عُرِفَ فِیْ وَجْھِہٖ

''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شرم وحیاء میں کنواری لڑکی سے جو اپنے پردہ میں ہو کہیں زیادہ بڑھے ہوئے تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بات ناگوار ہوتی تو ہم آپ کے چہرہ سے پہچان لیتے (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غایت شرم کی وجہ سے اظہار ناپسندیدگی بھی نہ فرماتے تھے)''

ف: ''کنواری جو اپنے پردہ میں ہو'' کے دو مطلب علماء نے لکھے ہیں۔ ایک جماعت علماء نے یہ فرمایا ہے کہ اس سے پردہ نشین کنواری لڑکی مراد ہے کہ وہ اس کنواری لڑکی سے جو باہر پھرتی ہو بہت زیادہ شرمیلی ہوتی ہے گو کنواری ہر ایک ہی شرم دار ہوتی ہے اسی لیے شریعت نے کنواری لڑکی کے نکاح کی اجازت کے لیے اس کے سکوت کو کافی بتایا ہے کہ کنواری کے لیے شرم طبعی چیز ہے اور بالخصوص پردہ نشین لڑکی اور بعض علماء نے پردہ نشین سے وہ لڑکی مراد لی ہے جو پردہ میں تربیت دی گئی ہو کہ اس کو عورتوں سے بھی پردہ کرایا گیا ہو۔ چنانچہ باہر کی پھرنے والی عورتوں سے پردہ بہت سے خاندانوں میں مروج ہے کہ یہ لڑکی جس قدر شرمیلی ہو گی ظاہر ہے۔ دوسرا مطلب بعض علماء نے اپنے پردہ میں ہونے سے کنایہ بتایا ہے شب عروس کا کہ کنواری لڑکی پہلی شب جس قدر شرمیلی ہوتی ہے ظاہر ہے۔

(۲) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا وکیع حدثنا سفیان عن منصور عن موسی بن عبدالله بن یزید الخطمی عن مولی لعائشةؓ قال قَالَتْ عَائِشَةُؓ مَا نَظَرْتُ اِلٰی فَرْجِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَتْ مَا رَاَیْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَطُّ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء اور تستر کی وجہ سے مجھے کبھی آپ کے محل شرم دیکھنے کی ہمت نہیں پڑی اور کبھی نہیں دیکھا۔''

ف: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم کی وجہ سے ہمت نہیں پڑی تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو کیا دیکھتے اور اصولی بات ہے کہ شرمیلے آدمی کے سامنے دوسرے کو مجبوراً شرم کرنا پڑتا ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں بالتصریح اس کی بھی نفی ہے کہ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میرے ستر کو دیکھا نہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

ستر کو دیکھا اور جب حضرت عائشہؓ باوجودیکہ تمام بیبیوں میں سب سے زیادہ بے تکلف تھیں، سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ ان کا یہ حال ہے تو اوروں کا کیا ذکر۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیوی سے صحبت کرتے تو آنکھیں بند کر لیتے اور سر جھکا لیتے اور بیوی کو بھی سکون و وقار کی تاکید فرماتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حجروں کے پیچھے جا کر غسل کیا کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محل ستر کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ نبوت سے قبل جب کہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی پتھر اٹھا کر لا رہے تھے، عرب کے دستور کے موافق کہ ستر کے چھپانے کا ایسا کچھ اہتمام نہ تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لنگی کو پتھر کے نیچے رکھ لیا اسی وقت بے ہوش کر گر گئے۔ حالانکہ شرعی احکام اس وقت تک نازل بھی نہ ہوئے تھے۔

# باب ما جاء فی حجامة رسول الله ﷺ

# باب حضور اقدس ﷺ کے سینگی پچھنے لگوانے کا ذکر

ف: اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں جن میں سینگی کے استعمال کے مختلف واقعات ذکر فرمائے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ معمولات نبویہ میں علاج بدن اور دوا کا استعمال کرنا بھی تھا علاج کرنا توکل کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر متوکل کون ہوگا مگر اس کے باوجود حضور اکرم ﷺ سے علاج کے طور پر سینگی کا استعمال متعدد احادیث میں نقل کیا گیا ہے اور حق یہ ہے کہ توکل اسباب کے منافی نہیں ہے۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس رسالہ میں جس میں اپنے مبشرات کو جمع کیا ہے اور اپنے بہت سے مکاشفات اور حضور اقدس ﷺ سے خوابوں میں جو سوالات کیے ہیں ذکر کیے ہیں لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے روحانی سوال کیا کہ اسباب کے اختیار کرنے میں اور اسباب کے ترک کرنے میں کونسی چیز افضل ہے؟ تو مجھ پر حضور اقدس ﷺ کی طرف سے روحانی فیض ہوا جس کی وجہ سے اسباب واولاد غرض ہر چیز سے طبیعت سرد پڑ گئی۔ اس کے بعد میری طبیعت پر ایک انکشاف ہوا جس کا اثر یہ ہوا کہ طبیعت تو اسباب کی طرف متوجہ ہے اور روح تسلیم وتفویض کی طرف مائل ہے فقط۔ حق یہ ہے کہ یہی اصل توکل ہے کہ اسباب کو بالکل غیر موثر سمجھیں اسباب میں تاثیر بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی کی طرف سے ہے اس کی مشیت بغیر اسباب بھی کچھ نہیں بنا سکتے۔

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود روغن بادام خشکی مے نمود

مقدرات الٰہیہ کے سامنے کسی کا بس نہیں ہے۔ سرکہ کے استعمال سے صفرا بڑھ جائے اور روغن بادام کے استعمال سے خشکی ہونے لگے۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوسرے رسالہ میں ہے کہ یہ اسباب منجملہ ان تین وصیتوں کے ہے جن کی حضور اکرم ﷺ نے وصیت فرمائی اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طبعی رجحان کے خلاف پر مجبور کیا گیا۔ دوسرا تفضیل شیخین کا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر اور تیسرا مسئلہ تقلید کے نہ چھوڑنے کا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا میلان تقلید کے چھوڑنے پر تھا مگر مجبور کیا گیا کہ کسی ایک امام کی تقلید ضرور کریں۔ تفصیل کا یہاں محل نہیں ہے۔ شاہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل فضل مبین اور فیوض الحرمین میں ہر دو کی تفصیلات ہیں۔

(۱) حدثنا علی بن حجر حدثنا اسمعیل بن جعفر عن حمید قال سئل انس بن مالکؓ عن کسب الحجام فقال انسؓ اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَجَمَہٗ اَبُوْ طَیْبَۃَ فَاَمَرَ لَہٗ بِصَاعَیْنِ من طَعَامٍ وَ کَلَّمَ اَھْلَہٗ فَوَضَعُوْا عَنْہُ مِنْ خَرَاجِہٖ وَقَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَا تَدَاوَیْتُمْ بِہِ الْحَجَامَۃُ اَوْ اِنَّ مِنْ اَمْثَلِ مَا تَدَاوَیْتُمْ بِہِ الْحِجَامَۃَ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سینگی لگوانے کی اجرت کا مسئلہ پوچھا کہ جائز ہے یا نہیں انہوں نے فرمایا کہ ابوطیبہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینگی لگائی تھی آپ نے دو صاع کھانا (ایک روایت میں کھجور بھی آیا ہے) مرحمت فرمایا اور ان کے آقاؤں سے سفارش فرما کر ان کے ذمہ جو محصول تھا اس میں کمی کرادی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سینگی لگانا بہترین دوا ہے۔''

ف: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قیمت ادا فرمائی تو مسئلہ کا جواب ظاہر ہو گیا۔ غالباً سوال کا منشا یہ ہوگا کہ بعض حدیثوں میں اس پیشہ کی مذمت آئی ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ اس میں چونکہ خون چوسنا پڑتا ہے جو ایک ناپاک چیز ہے اس لیے اس میں احتیاط کی بہت ضرورت ہے کہ منہ کو پاک کرنے کا اہتمام کیا جائے اور اس کی احتیاط رکھی جائے۔ اسی طرح بعض دوسرے پیشوں کے متعلق بھی بعض احادیث میں کچھ تنبیہات وارد ہوئی ہیں جس سے بعض لوگوں کو اشکالات اور اشتباہات پیدا ہو گئے حالانکہ روایات کا مفہوم صاف اور واضح ہے کہ جس پیشہ کے متعلق بھی ارشاد عالی وارد ہوا ہے اس میں کوئی خاص اہم بات قابل لحاظ اور قابل اصلاح تھی جس پر تنبیہ مقصود ہے حدیث بالا میں محصول سے یہ مراد ہے کہ غلام کو اس شرط پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ اتنی مقدار روزانہ ہمارے حوالہ کر دیا کرو بقیہ سے ہمیں کچھ کام نہیں وہ تمہارا ہے اس طرح کا غلام عبد ماذون کہلاتا ہے۔ ان کا محصول روزانہ تین صاع جو مقرر تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے ایک صاع کم ہو کر دو صاع رہ گیا تھا۔ صاع میں علماء کا اختلاف ہے فقہائے حنفیہ کے نزدیک تقریباً چار سیر وزن کا ایک صاع ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ سینگی لگانا بہترین دوا ہے بالکل صحیح ہے مگر اس کے مخاطب حرمین کے نوجوان ہیں اور ایسے ہی ہر گرم ملک کے رہنے والے کہ ان کا خون رقیق ہونے کی وجہ سے بدن کے سطح ظاہر کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے اور ملکی حرارت اس کو ظاہر کے زیادہ قریب کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے حکماء چالیس سے زیادہ عمر والے کے لیے سینگی کو مفید نہیں بتاتے۔

(۲) حدثنا عمرو بن علی حدثنا ابوداود حدثنا ورقاء بن عمر عن عبدالاعلی عن ابی جمیلة عن علیؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَاَمَرَنِیْ فَاَعْطَیْتُ الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سینگی لگوائی اور مجھے اس کی مزدوری دینے کا حکم فرمایا میں نے اس کو ادا کیا۔''

ف: اس حدیث میں بھی دو فائدے ہیں سینگی کے استعمال اور اسکی اجرت ادا کرنے کا جواز۔

(۳) حدثنا هارون بن اسحٰق الهمدانی حدثنا عبدة عن سفیان الثوری عن جابر عن الشعبی عن ابن عباسؓ اَظُنُّهٗ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ فِی الْاَخْدَعَیْنِ وَبَیْنَ الْکَتِفَیْنِ وَاَعْطَی الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ وَلَوْ کَانَ حَرَامًا لَمْ یُعْطِهٖ

''ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن کی دونوں جانب پچھنے لگوائے اور دونوں شانوں کے درمیان اور اس کی اجرت بھی مرحمت فرمائی۔ اگر ناجائز ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے مرحمت فرماتے؟''

ف: چونکہ سینگی لگانے میں منہ سے خون کھینچنا پڑتا ہے اس وجہ سے بعض احادیث میں اس کمائی اور اس پیشہ کی برائی آئی ہے جیسا کہ شروع میں گزرا ہے۔ بعض روایتوں میں اس کی کمائی کو خبیث فرمایا ہے۔ جس کی بناء پر بعض علماء اس کی اجرت کو ناجائز فرماتے ہیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ دونوں روایتوں میں اس طرح جمع کرتے ہیں کہ ممانعت کی روایت کو آزاد لوگوں کے حق میں بتاتے ہیں اور اجازت کی روایات کو غلاموں کے حق میں اور چونکہ ابوطیبہ بھی غلام تھے اس لیے اجرت دینے میں کوئی اشکال نہیں۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خبیث اس لیے فرمایا کہ یہ ایک مسلمان کی ضرورت ہے جس کی اعانت دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے اس لیے بلا اجرت سینگی لگانا چاہیے تھا۔ غرض علماء اس بارے میں مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے جواز پر استدلال کرتے ہیں کہ اگر یہ ناجائز ہوتی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیوں مرحمت فرماتے؟

(۴) حدثنا هارون بن اسحٰق حدثنا عبدة عن ابن ابی لیلی عن نافع عن ابن عمر اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَعَا حَجَّامًا فَحَجَمَهٗ وَسَاَلَهٗ کَمْ خَرَاجُکَ فَقَالَ ثَلٰثَةُ اٰصُعٍ فَوَضَعَ عَنْهُ صَاعًا وَاَعْطَاهُ اَجْرَهٗ

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سینگی لگانے والے کو بلایا جس نے آپ کے سینگی لگائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کا روزانہ کا محصول دریافت فرمایا تو انہوں نے تین صاع بتلایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کم کرا دیا اور سینگی لگانے کی اجرت مرحمت فرمائی۔''

ف: بظاہر یہ وہی ابوطیبہ ہیں جن کا قصہ باب کی پہلی حدیث میں گزر چکا ہے ابتداء میں ان کا روزانہ محصول تین صاع یومیہ تھا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش پر ایک صاع کم کر دیا گیا اور دو صاع رہ گیا۔

(۵) حدثنا عبدالقدوس بن محمد العطار البصری حدثنا عمرو بن عاصم حدثنا همام وجرير بن حازم قالا حدثنا قتادة عن انس بن مالكؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْاَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ وَكَانَ يَحْتَجِمُ بِسَبْعِ عَشْرَةَ وَتِسْعِ عَشْرَةَ وَاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گردن کی دونوں جانبوں میں اور ہر دو شانوں کے درمیان سینگی لگواتے تھے اور عموماً ۱۷ یا ۱۹ یا ۲۱ تاریخ میں اس کا استعمال فرماتے تھے۔''

ف: ان تاریخوں کی اور بھی بعض روایتوں میں خصوصیت آئی ہے۔ اطباء کا قول بھی اس کے موافق ہے ابن سینا سے نقل کیا گیا ہے کہ سینگی لگانا مہینے کے شروع میں اور ختم میں اچھا نہیں ہے بلکہ مہینے کے وسط میں ہونا چاہیے۔ اس روایت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت سے بار بار مختلف ایام میں سینگی لگوانا معلوم ہوتا ہے اور بھی جو روایات اس باب میں ذکر کی جا رہی ہیں ان سے مختلف مقامات پر سینگی کا لگانا معلوم ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہود نے خیبر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر قاتل کھلا دیا تھا جو نہایت سخت تھا اور مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے یہ مخالفت کا قصہ ہی ختم ہو جائے' اگرچہ اس گوشت کو جس میں زہر تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا نوش نہ فرمایا تھا مگر جس قدر کھایا گیا تھا اس کا یہ اثر تھا کہ وہ سمیت مختلف اوقات میں بالخصوص گرمی کے زمانہ میں بار بار عود کرتی تھی اور جس جانب مادہ کا زور ہوتا تھا اسی جانب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سینگی کے استعمال کی ضرورت ہوتی تھی اور سمی مادہ چونکہ خون میں حلول کرتا ہے اور وہ سارے بدن میں سرایت کرتا ہے اس لیے مختلف مقامات پر اس کا زور ہوتا تھا۔

(٦) حدثنا اسحٰق بن منصور حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن قتادة عن انس بن مالكؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِمَلَلٍ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے موضع ملل میں (جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ ہے) حالت احرام میں پشت قدم پر سینگی لگوائی''۔

ف: حالت احرام میں سینگی لگوانا بعض ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ بال نہ اکھڑیں۔ ان روایات میں سینگی کا استعمال کثرت سے نقل کیا گیا ہے اور بھی احادیث کی کتابوں میں سینگی کا استعمال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل دونوں سے نقل کیا گیا ہے اور فصد کا استعمال نقل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اطباء کے نزدیک فصد بہ نسبت سینگی کے زیادہ نافع ہے اور بہت سے امراض میں اکسیر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں علی الاطلاق نافع نہیں ہیں بلکہ ان میں تفصیل ہے۔ حجاز کا ملک گرم ہے اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اس ملک کے باشندوں کے لیے سینگی زیادہ مناسب ہے اس لیے موسم کے گرم اور سرد ہونے سے مزاجوں میں بے حد تفاوت ہو جاتا ہے۔ گرم ملکوں میں اور اسی طرح دوسرے ملکوں میں گرمی کے زمانہ میں حرارت بدن کے ظاہری حصہ پر آ جاتی ہے اور باطنی حصہ میں برودت کا اثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گرمی کے زمانہ میں پسینہ کی کثرت ہوتی ہے اور باطنی برودت کی وجہ سے کھانے کے ہضم میں دیر لگتی ہے اور مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں بخلاف سرد ملکوں کے اور اسی طرح سے سردی کے زمانہ میں دوسرے ملکوں میں آدمی کی حرارت ماحول کی سردی کی وجہ سے اندرون بدن میں چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے ہضم میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ پیشاب میں : اپ نکلتی ہے امراض میں کمی ہوتی ہے۔ اسی طرح بقراط کا مقولہ ہے کہ سردی کے موسم میں اندرونِ بدن گرم زیادہ ہوتا ہے اور نیند زیادہ آتی ہے اور کھانا بسہولت ہضم ہوتا ہے اسی وجہ سے ثقیل غذائیں سردی میں بسہولت ہضم ہو جاتی ہیں اور گرمی میں بدقت۔ اسی وجہ سے اہل حجاز کو شہد کھجور وغیرہ گرم چیزوں کے استعمال سے نقصان نہیں ہوتا سینگی میں چونکہ خون ظاہر بدن سے نکلتا ہے اور حجاز میں ظاہر بدن پر حرارت زیادہ ہوتی ہے اس لیے سینگی وہاں کے لیے زیادہ مناسب ہے اور فصد میں اندرون بدن سے اور رگوں سے خون کھنچتا ہے اس لیے فصد وہاں کے مناسب نہیں ہے۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال میں یہ منقول ہے۔

# باب ما جاء فی اسماء رسول الله ﷺ

# باب حضور اقدس ﷺ کے بعض نام اور بعض القاب کا ذکر

ف: حضور اقدس ﷺ پر بہت سے القاب معنی کے لحاظ سے تعظیماً اور تعریفاً استعمال کیے گئے ہیں۔ چنانچہ ترمذی کی شرح میں ابن العربیؒ سے ایک ہزار نام نقل کیے جاتے ہیں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ مستقل حضور اقدس ﷺ کے ناموں میں تصنیف فرمایا ہے جس میں تقریباً پانچ سو نام ذکر کیے ہیں۔ احادیث میں خاص خاص مواقع میں خاص خاص ناموں کا ذکر کیا ہے۔ سب ناموں کا احصاء کسی ایک روایت میں نہیں ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ میرے قرآن شریف میں سات نام ہیں محمد، احمد، یٰسین، طٰہٰ، مزمل، مدثر، عبداللہ ناموں کی کثرت شرافت اور عزت پر عموماً دلالت کیا کرتی ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ہر باب میں مختصر نمونہ کے طور پر چند احادیث وارد کی ہیں اس لیے اس باب میں بھی صرف دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں جن میں نو نام آ گئے ہیں۔

(۱) حدثنا سعید بن عبدالرحمن المخزومی وغیر واحد قالوا حدثنا سفیان عن الزھری عن محمد ابن جبیر بن مطعم عن ابیه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِیْ اَسْمَاءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِیْ الَّذِیْ یَمْحُوا اللّٰهُ بِیَ الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ

''جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں منجملہ ان کے محمد ﷺ ہے اور احمد ﷺ ہے اور ماحی ﷺ ہے جس کے معنی مٹانے والے کے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے میرے ذریعہ سے کفر کو مٹایا ہے اور ایک نام حاشر ﷺ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ قیامت میں حشر کے لیے سب سے پہلے آپ کو اٹھائیں گے اور تمام امت آپ کے بعد حشر کی جائے گی اور اٹھائی جائے گی تو گویا حضور اقدس ﷺ تمام امت کے حشر کا سبب بنے اور ایک نام میرا عاقب ہے جس کے معنی پیچھے آنے والے کے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ سب انبیاء سے پیچھے تشریف لائے ہیں آپ کے بعد کوئی نہیں آئے گا۔''

ف: اخیر کے تین نام مع وجہ تسمیہ کے ذکر کیے گئے لیکن اول کے دو ناموں کی وجہ روایت میں نہیں ہے بظاہر اس وجہ سے کہ پہلے دو نام ہیں اور باقی صفات ہیں یا اس وجہ سے کہ ان ناموں کی بہت سی وجوہ ہوسکتی ہیں یا اس وجہ سے کہ ان کی وجوہ ظاہر تھیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ محمد ﷺ حمد کا مبالغہ ہے جس کے معنی ہیں بہت حمد کیا گیا۔ یا تو اس وجہ سے حضور اکرم ﷺ کا نام ہے کہ آپ کی خصال حمیدہ بہت زیادہ ہیں یا اس وجہ سے کہ آپ کی تعریف مرۃً بعد مرۃٍ کی گئی یا اس وجہ سے کہ اللہ جل شانہ نے آپ کی کثرت سے حمد کی ہے اور اسی طرح ملائکہ نے' سابقین انبیاءؑ نے' اولیاء نے' یا تفاول کے طور پر ہے کہ بہت زیادہ حمد کی جائے گی یا اس وجہ سے کہ اولین و آخرین سب ہی آپ کے ثنا خوان ہیں اور قیامت میں سب ہی آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے جس کا نام حمد کا جھنڈا ہے اور احمد کے معنی زیادہ تعریف کرنے والا ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے معنی بھی زیادہ تعریف کیے گئے ہوں۔ اس صورت میں یہ لفظ پہلے لفظ کے ہم معنی ہے لیکن پہلے معنی زیادہ مشہور ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے آپ سب سے زیادہ اللہ جل شانہ کی تعریف کرنے والے ہیں' جو دنیا کے اعتبار سے بھی ظاہر ہے اور آخرت میں ہے ہی کہ قیامت میں حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہوگا مقام محمود آپ کے لیے ہے شفاعت کے وقت آپ اللہ جل شانہ کی ایسی حمد کریں گے جو کبھی بھی کسی نے نہ کی ہو۔ حضور اکرم ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ اس وقت اللہ جل شانہ کی وہ تعریفیں مجھے القاہوں گی جو اس وقت مستحضر نہیں ہیں علماء نے لکھا ہے کہ ''محمد'' حضور اکرم ﷺ کا مخصوص نام ہے جو لوگوں میں سے کسی نے نہیں رکھا البتہ جب حضور اکرم ﷺ کی ولادت کا زمانہ قریب تھا تو بہت سے لوگوں نے اس امید پر کہ شاید ہماری ہی اولاد ان بشارتوں کی مستحق بن جائے جو پہلی کتابوں میں ہیں اور یہی نبی بن جائے محمد رکھا۔ لیکن اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اس جگہ کو جہاں اپنی رسالت کو تجویز فرماتا ہے۔

(۲) حدثنا محمد بن طریف الکوفی حدثنا ابو بکر بن عیاش عن عاصم عن ابی وائل عن حذیفةؓ قال لَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ وَاَنَا الْمُقَفّٰى وَاَنَا الْحَاشِرُ وَنَبِيُّ الْمَلَاحِمِ حدثنا اسحٰق بن منصور حدثنا النضر بن شمیل حدثنا حماد بن سملة عن عاصم عن زر عن حذیفة عن النبی ﷺ نحوه بمعناه هكذا قال حماد بن سلمة عن عاصم عن زر عن حذیفة

''حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے راستہ میں ملا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے تذکرۂ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا نام محمد ہے اور احمد ہے اور نبی الرحمۃ ہے اور نبی التوبہ ہے اور میں مقفّیٰ ہوں اور حاشر ہوں اور نبی ملاحم ہوں۔''

ف: ان اسماء کو خاص طور سے اس لیے ذکر کیا کہ یہ نام پہلی کتابوں میں پیشین گوئی کے طرز پر لکھے ہوئے تھے۔ اہل کتاب ان اسماء وصفات سے آپ کو پہچانتے تھے۔ ان میں پہلا نام نبی الرحمۃ ہے جس کا ترجمہ ہے رحمت کا نبی۔ یعنی حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی ذات والا صفات کو مسلمان اور کافر سب کے لیے باعث رحمت بنایا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ ہم نے تم کو تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ مسلمانوں کے لیے آپ کا رحمت ہونا تو ظاہر ہے کہ دنیا وآخرت میں آپ ہی کا وسیلہ ہے۔ کفار کے لیے اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الطاف وشفقت کی وجہ سے پہلی امتوں کی طرح اس امت پر عذاب عامہ نازل نہ ہوا بلکہ قرآن پاک میں یہ وعدہ ہو گیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان کافروں کو ہرگز عذاب نہ کریں گے اور نیز اتنے آپ کے دین کا بقا رہے گا اتنے تمام عالم کا نظام باقی رہے گا جس وقت تمام دنیا میں ایک بھی اللہ کا نام لینے والا باقی نہ رہے گا نظام عالم درہم برہم ہو کر قیامت قائم ہو جائے گی۔ نیز آپ کی بعثت تمام عالم کے لیے ہے کسی امت یا جماعت کی خصوصیت نہیں ہے اس لحاظ سے بھی آپ تمام عالم کے لیے رحمت ہیں کہ جس کا دل چاہے اس رحمت میں داخل ہو جائے نیز آپ لوگوں کا آپس میں تراحم اور ایک دوسرے کے ساتھ رحمت اور شفقت کی تعلیم لے کر آئے ہیں اس لحاظ سے بھی آپ رحمت کے نبی ہیں۔ نیز اللہ کی رحمت کے دروازے آپ کی وجہ سے کھلے ہوئے ہیں۔ نیز آپ اللہ کی رحمتوں کی خبریں اور بشارتیں دینے والے ہیں ان معنوں کے اعتبار سے بھی آپ رحمت کے نبی ہیں۔ نیز آپ کا دین سراسر رحمت ہے اس لیے بھی آپ رحمت کے نبی ہیں۔ نیز آپ کی امت کی صفت قرآن شریف میں ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ وارد ہوئی ہے۔ یعنی آپس میں رحمت کا برتاؤ کرنے والے اس لحاظ سے بھی آپ رحمت کے نبی ہیں۔ دوسرا نام آپ کا نبی التوبہ ہے جس کا ترجمہ ہے توبہ کا نبی (کہ آپ کی امت کے لیے صرف توبہ اپنی شرائط کے ساتھ گناہوں کی معافی کے لیے کافی کر دی گئی بخلاف بعض پہلی امتوں کے کہ ان کی توبہ قبول ہونے کے لیے قتل نفس وغیرہ شرط تھا) نیز آپ امت کو کثرت سے توبہ کا حکم کرنے والے ہیں۔ نیز خود آپ نہایت کثرت سے توبہ کرنے والے ہیں۔ ان وجوہ میں سے ہر وجہ ایسی ہے جس کی بناء پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو توبہ کا نبی کہا جا سکتا ہے) ایسے ہی ایک

نام مقفی ہے (یعنی سب سے پیچھے آنے والا۔ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو یا پہلے انبیاءؑ کا اتباع کرنے والا) علماء نے دونوں معنی لکھے ہیں۔ دوسرے معنی کا یہ حاصل ہے کہ اصل توحید اور اصول دین میں آپ جملہ انبیاء علیہم السلام کے موافق تھے اور تمام انبیاءؑ ایک دوسرے سے اصل دین توحید اور مکارم اخلاق میں موافق رہے۔ فروعات مذہب میں اختلاف رہا۔ ایک نام حاشر ہے جس کا مطلب گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے۔ ایک لقب آپ کا نبی الملاحم ہے (یعنی ملحمون کا نبی) ملحمہ اس لڑائی کو کہتے ہیں جس میں بہت کثرت سے قتل وقتال ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نام کی وجہ ظاہر ہے کہ جہاد جس قدر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہوا اتنا کسی نبی کی امت میں نہیں ہوا۔ نیز اس امت میں ہمیشہ رہے گا۔ چنانچہ آپ کی پیشین گوئی ہے کہ میری امت میں جہاد قیامت تک رہے گا۔ حتیٰ کہ اخیر حصہ امت دجال سے قتال کرے گا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس لفظ کے معنی اجتماع اور التیام کے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں جو اجتماعی صورت گزر چکی ہے اور باوجود اختلافات اس گئے گزرے دور میں بھی پائی جاتی ہے کسی نبی کی امت میں ایسی مسلسل نہیں پائی جاتی۔ نیز ملحمہ کے معنی فتنہ عظیم کے بھی ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام صحیح ہے اس لیے کہ اس امت میں قیامت کے قریب ایسے بڑے بڑے اور سخت سخت فتنے پیدا ہوں گے جن کی نظیر کسی نبی کی امت میں نہیں ہے ایک دجال ہی کا فتنہ ایسا سخت ہے کہ حد نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر ہر نبی نے دجال کے فتنے سے لوگوں کو ڈرایا ہے ایسے ہی یاجوج ماجوج کا خروج وغیرہ وغیرہ سخت حوادث آنے والے ہیں جن کے آثار شروع ہیں۔

# باب ما جاء فی عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم

# باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گزراوقات کا ذکر

ف: یہ باب پہلے بھی گزر چکا ہے۔ بعض نسخوں میں سب روایات ایک ہی جگہ ذکر کی ہیں مقام کے مناسب بھی یہی بات ہے لیکن جو نسخے ہمارے پاس موجود ہیں ان میں یہ باب مکرر پایا جاتا ہے اگر نقل کرنے والوں کی غلطی سے ایسا نہیں ہوا تو بہت ممکن ہے کہ خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی مصلحت سے اس کو مکرر لکھا ہو۔ غور سے متفرق مصالح اس کی سمجھ میں آتی ہیں۔ ممکن ہے کہ امام ترمذیؒ نے ایک لطیف اشارہ اس طرف کیا ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فقر اور تنگی کو اختیار فرمانا ابتدا سے لے کر اخیر تک رہا اس لیے ابتدائی زمانہ کی طرف اول اشارہ فرمایا اور وفات کے قریب اس باب کو ذکر فرما کر اخیر زمانہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ باوجود خیبر اور حنین وغیرہ کی غنیمتوں کے اپنا حال وہی فقر و فاقہ تھا اور حق یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حرص و طمع دور فرمائے تو فقر و فاقہ میں بھی لذت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ میرے لیے مکہ کی زمین کو سونے کی بنا دے، میں نے عرض کیا کہ یا اللہ یہ نہیں بلکہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں تا کہ تیرا شکر کروں اور ایک دن بھوکا رہوں تا کہ تیرے سامنے عاجزی کروں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تم لوگوں پر فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا اس طرح پھیل جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیل گئی تھی اور تم اس طرح دل لگانے لگو جس طرح ان لوگوں نے دل لگایا اور یہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جیسا کہ ان کو ہلاک کر دیا اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اولاد کی روزی بقدر کفایت تجویز فرما۔ (مشکوٰۃ) مصنفؒ نے اس موجودہ باب میں نو حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں سے بعض مکرر ہیں جو پہلے ابواب میں گزر چکی ہیں۔

(۱) حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا ابو الاحوص عن سماك بن حرب قال سمعت النعمان بن بشيرؓ يقول اَلَسْتُمْ فِيْ طَعَامٍ وَشرابٍ مَا شِئْتُمْ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهٗ

''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کیا تم لوگ کھانے پینے میں اپنی مرضی کے موافق منہمک

نہیں ہو (اور جتنا دل چاہے تم لوگ نہیں کھاتے ہو؟) حالانکہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ کے یہاں ردی کھجوریں بھی پیٹ بھر نہیں تھیں۔“

ف: یہ حدیث سالن کے باب میں دوسرے نمبر پر گزر چکی ہے۔

**(۲) حدثنا هارون ابن اسحٰق حدثنا عبدة عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشةؓ قَالَتْ اِنْ كُنَّا اٰلَ مُحَمَّدٍ نَمْكُثُ شَهْرًا مَا نَسْتَوْقِدُ بِنَارٍ اِنْ هُوَ اِلَّا التَّمْرُ وَالْمَاءُ**

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ یعنی حضور اکرم ﷺ کے اہل وعیال وہ ہیں کہ ایک ایک ماہ تک ہمارے یہاں آگ نہیں جلتی تھی صرف کھجور اور پانی پر گزارہ تھا۔“

ف: آگ نہ جلنے کا مطلب یہ ہے کہ پکانے کے لیے کوئی چیز ہوتی ہی نہ تھی جس کے لیے آگ جلانا پڑتی۔ علماء نے لکھا ہے کہ پانی کا تذکرہ اس لیے فرمایا کہ کھجور بھی اتنی نہ تھی کہ بغیر پانی کی مدد کے پیٹ بھرنے کے لیے کافی ہوتی بلکہ چند کھجوریں کھانے کے بعد پانی پینے سے پیٹ بھرنے کی مقدار ہوتی تھی۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ دو مہینے کامل گزر جانے کے بعد تیسرے مہینہ کا چاند نظر آجاتا تھا اور حضور اکرم ﷺ کے گھروں میں مطلقاً آگ جلنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک چاند پھر دوسرا چاند ہو جاتا تھا حضور اکرم ﷺ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بھی آگ جلنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے عروہ نے پوچھا کہ خالہ جان پھر کس چیز پر گزارہ تھا فرمایا کہ کھجور اور پانی۔ البتہ حضور ﷺ کے کچھ پڑوسی انصار میں ایسے تھے جن کے یہاں دودھ کے جانور تھے ان میں سے کوئی ہدیہ کے طور پر دودھ پیش کر دیتا تو وہ ہم کو بھی پلایا جاتا تھا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ڈیڑھ مہینہ مسلسل ایسا گزر جاتا کہ حضور اکرم ﷺ کے گھر میں روشنی کے لیے آگ نہ جلتی تھی۔ روشنی کے لیے آگ جلنے سے مراد چراغ کا جلنا ہے (جمع الوسائل) ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بکری کی ایک ٹانگ پیش کی رات کا وقت تھا حضرت عائشہؓ اندھیرے ہی میں اس کے ٹکڑے کرنے لگیں۔ کسی نے کہا کہ گھر میں چراغ نہیں ہے؟ فرمانے لگیں کہ اگر چراغ میں جلانے کے لیے تیل ہوتا تو اس کو کھانے میں استعمال نہ کرتے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے اور اپنے گھر کے لوگوں کے لیے اس حالت کو پسند فرمایا حالانکہ خزانوں کی کنجیاں حضور اکرم ﷺ پر پیش کی گئیں۔ اس کے بعد امت چار حصوں پر منقسم ہوگئی ایک وہ جماعت جنہوں نے نہ تو خود دنیا کی طرف رخ کیا نہ دنیا ہی نے ان کا ارادہ کیا

جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسری وہ جماعت جنہوں نے دنیا کی طرف رخ نہ کیا لیکن دنیا نے ان کا ارادہ کیا جیسے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تیسرے وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی طرف رخ کیا اور دنیا نے بھی ان کی طرف رخ کیا جیسے بنوامیہ کے بادشاہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ۔ چوتھے وہ لوگ جنہوں نے دنیا کا ارادہ کیا مگر دنیا نے ادھر کا رخ نہ کیا جن کو اللہ نے فقیر بنایا اور دنیا کی محبت ان کے دل میں ہوگئی۔[مناوی]

**(۳) حدثنا عبداللہ بن ابی زیاد حدثنا سیار حدثنا سھل بن اسلم عن یزید بن ابی منصور عن انسؓ عن ابی طلحۃؓ قَالَ شَکَوْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْجُوْعَ وَرَفَعْنَا عَنْ بَطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِہٖ عَنْ حَجَرَیْنِ قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ طَلْحَۃَ لَا نَعْرِفُہٗ اِلَّا مِنْ ھٰذَا الْوَجْہِ وَمَعْنٰی قَوْلِہٖ وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ کَانَ اَحَدُھُمْ یَشُدُّ فِیْ بَطْنِہِ الْحَجَرَ مِنَ الْجَھْدِ وَالضُّعْفِ الَّذِیْ بِہٖ مِنَ الْجُوْعِ**

''حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شدت بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر دکھلائے کہ ہر شخص کے پیٹ پر بھوک کی شدت کی وجہ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے دکھلائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شدت بھوک ہم سے زیادہ تھی۔ اور ہم سے زیادہ وقت بدوں کھائے گزر چکا تھا۔''

ف: اہل مدینہ کی یہ عادت تھی کہ شدت بھوک کے وقت جب عاجز ہو جاتے تو پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تا کہ اس کی سختی کی وجہ سے چلنے پھرنے میں ضعف لاحق نہ ہو۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ یہ مدینہ کے ایک پتھر کے ساتھ خاص ہے جس کا نام مشبعہ ہے اس پتھر میں اللہ جل شانہ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس کے باندھ لینے سے بھوک میں کسی قدر تسکین ہو جاتی ہے لیکن بظاہر پہلا ہی قول ہے اس لیے کہ اب بھی اکثر ایسا کیا جاتا ہے کہ شدت بھوک کے وقت پیٹ سے کسی کپڑے کا سخت باندھ لینا ضعف اور بھوک کی بے چینی میں مفید ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ خالی پیٹ میں نفخ پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور پتھر کو یا کسی سخت چیز کو باندھ لینے سے اس سے امن رہتا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب پیٹ بالکل خالی ہو جائے تو انتڑیوں کے اتر جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ بالخصوص

چلنے پھرنے میں۔ اور پیٹ کو باندھ لینے سے یہ خدشہ نہیں رہتا۔ نیز پیٹ کے بالکل خالی ہونے سے کمر بھی جھک جاتی ہے کبڑا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس حدیث میں ایک قوی اشکال ہے وہ یہ کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کئی کئی دن کا مسلسل روزہ رکھا کرتے تھے اور جب صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ کے اتباع میں روزوں کے تسلسل کا ارادہ کیا تو حضور اکرم ﷺ نے منع فرما دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ میری خصوصیت ہے کہ بغیر افطار کے کئی دن کا مسلسل روزہ رکھوں۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہ مجھے کھلاتے اور پلاتے ہیں۔ یہ کھلانا پلانا کس طرح ہوتا تھا یہ اپنی جگہ پر ہے لیکن اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر کھانا پینا چھوڑنے سے حضور اکرم ﷺ پر بھوک کا اثر محسوس نہ ہوتا تھا ایسی صورت میں پیٹ سے پتھر باندھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور چونکہ روزے والی روایات کثیرہ ہیں اس لیے بعض علماء نے محدثین کے قواعد کے ماتحت ان پتھر والی روایتوں کو ضعیف قرار دے دیا لیکن اکثر محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ اس مضمون کی روایات بھی کئی ہیں۔ نیز روزے والی روایتوں سے کوئی ایسی مخالفت بھی نہیں ہے کہ دونوں کا مختلف حالات پر حمل نہ ہو سکتا ہو اس لیے ان روایات کے ضعیف قرار دینے کی ضرورت نہیں اس کے بعد پھر مختلف اقوال ان دونوں روایتوں کے متعلق وارد ہوئے ہیں (۱) پتھر والی روایات ابتدائے زمانہ کی ہوں اور یقیناً حضور اکرم ﷺ کی ترقیات روز افزوں تھیں اس لیے کھلانے پلانے والی روایات بعد کی ہوں (۲) کھلانا پلانا روزے کی حالت کے ساتھ مخصوص ہو اور عام مومنین میں بھی یہ بات مشاہدہ میں آتی ہے کہ روزے کی حالت میں فاقہ کا اثر اور تعب اتنا نہیں ہوتا جتنا بغیر روزے کے فاقہ سے مشقت اور بار ہوتا ہے تو پھر حضور اکرم ﷺ کا کیا کہنا جہاں روزہ حقیقی اور کمال کے درجہ پر تھا۔ (۳) مختلف حالات کے اعتبار سے دونوں حالات حضور اکرم ﷺ کے بھی ہوتے ہوں۔ جیسا کہ مشائخ سلوک مختلف احوال ہوا کرتے ہیں اس قول کے موافق ان روایات کو ابتدائے زمانہ پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے اخیر زمانہ میں بھی مختلف اوقات کے اعتبار سے مختلف احوال ہو سکتے ہیں۔ (۴) حضور اکرم ﷺ پر بھوک کا اثر یقیناً نہیں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود پتھروں کا باندھنا فقراء اور مساکین کے ساتھ اشتراک عمل کی غرض سے تھا اور عام دستور ہے کہ جس مشقت اور تکلیف میں اپنے بڑے بھی مبتلا ہو جاتے ہیں اس میں سعادت مند چھوٹوں کے لیے ان کے مقابلہ میں اپنی تکلیف کا التفات بھی نہیں رہتا۔ پھر صحابہ کرامؓ جیسے سعید عشاق کا تو پوچھنا ہی کیا ہے (۵) حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کھلانا پلانا اعزاز و اکرام ہی تو تھا کوئی وجوبی امر نہ تھا تو کسی وقت جب کہ صحابہ کرام پر تنگی و عسرت کا غلبہ ہو فقر و فاقہ اس

حالت پر پہنچ گیا ہو کہ پیٹ پر پتھر باندھنا پڑ جائیں حضور اکرم ﷺ خود اس اکرام سے مستفید نہ ہوتے ہوں کہ بچہ اگر بھوک میں تڑپتا ہو تو ماں کے حلق میں ٹکڑا اٹکا کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی امت پر شفقت کا کیا پوچھنا جہاں ہزاروں ماؤں کی شفقتیں قربان!

(۴) حدثنا محمد بن اسمعيل حدثنا أدم بن ابی ایاس حدثنا شيبان ابو معاوية حدثنا عبدالملك بن عمير عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن ابی هريرةؓ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَاعَةٍ لَا يَخْرُجُ فِيهَا وَلَا يَلْقَاهُ فِيهَا اَحَدٌ فَاَتَاهُ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ مَا جَاءَ بِكَ يَا اَبَا بَكْرٍ فَقَالَ خَرَجْتُ اَلْقٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْظُرُ فِي وَجْهِهٖ وَالتَّسْلِيْمُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ جَاءَ عُمَرُ فَقَالَ مَا جَاءَ بِكَ يَا عُمَرُ قَالَ الْجُوْعُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا قَدْ وَجَدْتُّ بَعْضَ ذٰلِكَ فَانْطَلَقُوْا اِلٰى مَنْزِلِ اَبِي الْهَيْثَمِ ابْنِ التَّيِّهَانِ الْاَنْصَارِيِّ وَكَانَ رَجُلًا كَثِيْرًا النَّخْلِ وَالشَّجَرِ وَالشَّاءِ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ خَدَمٌ فَلَمْ يَجِدُوْهُ فَقَالُوْا لِامْرَأَتِهٖ اَيْنَ صَاحِبُكِ فَقَالَتِ انْطَلَقَ يَسْتَعْذِبُ لَنَا الْمَاءَ فَلَمْ يَلْبَثُوْا اَنْ جَاءَ اَبُو الْهَيْثَمِ بِقِرْبَةٍ يَزْعَبُهَا فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَاءَ يَلْتَزِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُفَدِّيْهِ بِاَبِيْهِ وَاُمِّهٖ ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِمْ اِلٰى حَدِيْقَتِهٖ فَبَسَطَ لَهُمْ بِسَاطًا ثُمَّ انْطَلَقَ اِلَى النَّخْلَةِ فَجَاءَ بِقِنْوٍ فَوَضَعَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا تَنَقَّيْتَ لَنَا مِنْ رُطَبِهٖ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَرَدْتُّ اَنْ تَخْتَارُوْا اَوْ تَخَيَّرُوْا مِنْ رُطَبِهٖ وَبُسْرِهٖ فَاَكَلُوْا وَشَرِبُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْمَآءِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مِنَ النَّعِيْمِ الَّذِيْ تُسْئَلُوْنَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ظِلٌّ بَارِدٌ وَرُطَبٌ طَيِّبٌ وَمَاءٌ بَارِدٌ فَانْطَلَقَ اَبُو الْهَيْثَمِ لِيَصْنَعَ لَهُمْ طَعَامًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحَنَّ لَنَا ذَاتَ دَرٍّ فَذَبَحَ لَهُمْ عَنَاقًا اَوْ جَدْيًا فَاَتَاهُمْ بِهَا فَاَكَلُوْا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ خَادِمٌ قَالَ لَا قَالَ فَاِذَا اَتَانَا سَبْيٌ فَاْتِنَا فَاُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسَيْنِ لَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ فَاَتَاهُ اَبُو الْهَيْثَمِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْتَرْ مِنْهُمَا فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِخْتَرْ لِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ خُذْ هٰذَا فَاِنِّيْ رَاَيْتُهٗ يُصَلِّيْ وَاسْتَوْصِ بِهٖ مَعْرُوْفًا فَانْطَلَقَ اَبُو

الْهَيْثَمِ اِلَى امْرَاَتِهٖ فَاَخْبَرَهَا بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتِ امْرَاَتُهٗ مَا اَنْتَ بِبَالِغٍ مَا قَالَ فِيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا اَنْ تَعْتِقَهٗ قَالَ فَهُوَ عَتِيْقٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا وَلَا خَلِيْفَةً اِلَّا وَلَهٗ بِطَانَتَانِ بِطَانَةٌ تَاْمُرُهٗ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَبِطَانَةٌ لَا تَاْلُوْهُ خَبَالًا وَمَنْ يُّوْقَ بِطَانَةَ السُّوْءِ فَقَدْ وُقِيَ

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت دولت خانہ سے باہر تشریف لائے کہ اس وقت نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ باہر تشریف لانے کی تھی نہ کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت دولت خانہ پر حاضر ہوتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باہر تشریف آوری پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے خلاف معمول بے وقت آنے کا سبب دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ جمال جہاں آرا کی زیارت اور سلام کے لیے حاضر ہوا ہوں (یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کمال تناسب کی وجہ سے تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر خلاف عادت باہر تشریف آوری کی نوبت آئی تو اس یک جان دو قالب پر بھی اس کا اثر ہوا) بندہ کے نزدیک یہی وجہ اولیٰ ہے اور یہی کمال تناسب بڑی وجہ ہے نبوی دور کے ساتھ خلافت صدیقیہ کے اتصال کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اگر مناسبت تامہ نہ ہونے کی وجہ سے وقتی احکام میں کچھ تغیر ضرور ہوتا اور صحابہ کرامؓ کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کے ساتھ یہ دوسرا مرحلہ مل کر رنج و ملال کو ناقابل برداشت بنانے والا ہوتا بخلاف صدیق اکبر کے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس درجہ اتصال اور قلبی یک جہتی تھی کہ جن مواقع پر جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل تھا وہی اکثر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بھی تھا۔ چنانچہ حدیبیہ کا قصہ مشہور ہے جس کا ذکر ''حکایات صحابہ'' میں بھی گزر چکا ہے مسلمانوں نے نہایت دب کر ایسی شرائط پر کفار سے صلح کی تھی کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا تحمل بھی نہ کر سکے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت جوش میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک۔ حضرت عمر! کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک۔ حضرت عمر! پھر ہم کو دین کے بارے میں یہ ذلت کیوں دی جا رہی ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم! میں اللہ کا رسول ہوں

(اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا وہی میرا مددگار ہے۔) حضرت عمر! کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ حضور ﷺ! بے شک لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال مکہ میں جائیں گے؟ حضرت عمرؓ! نہیں' یہ تو نہیں کہا تھا۔ حضور ﷺ! بس تو مکہ میں ضرور جائے گا اور طواف کرے گا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی جوش میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے ابوبکرؓ! کیا یہ اللہ کے سچے نبی ہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ! بے شک۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ! کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہے؟ حضرت ابوبکرؓ! بے شک۔ حضرت عمر! پھر دین کے بارے میں ہم ذلت کیوں دیئے جا رہے ہیں؟ حضرت ابوبکر! اے آدمی یہ بلاتردد سچے رسول ہیں اور اللہ کی ذرا بھی نافرمانی کرنے والے نہیں وہی ان کا مددگار ہے تو ان کی رکاب کو مضبوط پکڑے رہ۔ حضرت عمر! کیا انہوں نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ حضرت ابوبکرؓ! کیا تجھ سے یہ بھی وعدہ فرمایا تھا کہ اسی سال جائیں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ! نہیں یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ! تو مکہ میں جائے گا اور طواف کرے گا۔ بخاری شریف میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے اور بھی اس قسم کے متعدد واقعات حیرت انگیز ہیں۔ حتی کہ اگر حضور اکرم ﷺ سے اجتہادی خطا ہوئی تو اس میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شریک ہیں جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں جس کا قصہ سورۂ انفال کے اخیر میں ہے۔ اس صورت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس وقت خلاف معمول باہر آنا دل رابدل رہیست حضور اکرم ﷺ کے قلب اطہر کا اثر تھا گو بھوک بھی لگی ہوئی ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آنا بھی بھوک کے تقاضے کی وجہ سے تھا' لیکن حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھ کر اس کا خیال بھی جاتا رہا اسی لیے حضور اکرم ﷺ کے استفسار پر اس کا ذکر نہیں کیا۔

یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدمے ظالم
بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری بھوک ہی کی وجہ سے تھی مگر اس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ حضور اکرم ﷺ کو گرانی نہ ہو (کہ دوست کی تکلیف اپنی تکلیف پر غالب ہو جایا کرتی ہے) تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے حضور اکرم ﷺ نے ان سے بے وقت حاضری کا سبب پوچھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ) بھوک کی وجہ سے

حاضر ہوا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بھوک تو کچھ میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد تینوں حضرات ابوالہیثم انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہ اہل ثروت لوگوں میں سے تھے کھجوروں کا بڑا باغ تھا۔ بکریاں بھی بہت سی تھیں۔ خادم ان کے پاس کوئی نہیں تھا۔ اس لیے گھر کا کام سب خود ہی کرنا پڑتا تھا۔ یہ حضرات جب ان کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ گھر والوں کے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں جو خادم نہ ہونے کی وجہ سے خود ہی لانا پڑتا تھا۔ لیکن ان حضرات کے پہنچنے پر تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہ بھی مشکیزہ کو جو مشکل سے اٹھتا تھا بدقت اٹھاتے ہوئے واپس آ گئے اور حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو کر (اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے اور زبان حال سے

ہم نشیں جب میرے ایام بھلے آئیں گے
بن بلائے میرے گھر آپ چلے آئیں گے

پڑھتے ہوئے) حضور اکرم ﷺ کو لپٹ گئے اور حضور اکرم ﷺ پر اپنے ماں باپ کو نثار کرنے لگے۔ یعنی عرض کرتے تھے کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ اس کے بعد باغ میں چلنے کی درخواست کی وہاں پہنچ کر فرش بچھایا اور دین و دنیا کے سردار مایہ فخر مہمان کو بٹھا کر ایک خوشہ (جس میں ہر طرح کی کچی پکی ادھ کچری کھجوریں تھیں) سامنے حاضر کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سارا خوشہ توڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس میں ابھی کچھ کچی بھی ہیں جو ضائع ہوں گی۔ پکی پکی چھانٹ کر کیوں نہ توڑیں؟ میزبان نے عرض کیا تا کہ اپنی پسند سے پکی اور گدری ہر نوع کی حسب رغبت نوش فرمائیں۔ تینوں حضرات نے کھجوریں تناول فرمائیں اور پانی نوش فرمایا اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے (جن کا ہر ہر لحظہ تعلیم امت تھا) ارشاد فرمایا کہ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ بھی اس نعیم میں شامل ہے جس کا سوال قیامت میں ہوگا (اور سورۃ الھکم التکاثر کے ختم پر حق تعالیٰ شانہ نے اس کا ذکر فرمایا ہے ان کے شکر کے متعلق سوال ہوگا کہ ہماری نعمتوں کا کس درجہ شکر ادا کیا؟ **اللھم لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك۔** پھر اس وقت کی نعمتوں کا اظہار شکر کے طور پر فرمایا کہ) ٹھنڈا سایہ ٹھنڈا پانی اور تر و تازہ کھجوریں۔ اس کے بعد میزبان کھانے کی تیاری کے لیے جانے لگے تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرط محبت میں **کیفما اتفق** مت ذبح کرنا بلکہ ایسا جانور ذبح کرنا جو دودھ کا نہ ہو میزبان نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا۔ اور بعجلت تمام کھانا تیار کر کے حاضر خدمت کیا اور مہمانوں نے تناول فرمایا حضور اکرم ﷺ نے (اس وقت یہ ملاحظہ فرما کر کہ مشتاق میزبان سب خود ہی کر رہا ہے اور شروع میں میٹھا پانی بھی خود

ہی لاتے دیکھا تھا) دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی خادم نہیں؟ نفی میں جواب ملنے پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کہیں سے غلام آ جائیں تو تم یاد دلانا اس وقت تمہاری ضرورت کا خیال رکھا جائے گا۔ اتفاقاً ایک جگہ سے صرف دو غلام آئے تو ابوالہیثمؓ نے حاضر ہو کر وعدہ عالی جاہ کی یاد دہانی کی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں غلاموں میں سے جونسا دل چاہے پسند کر لو۔ جو تمہاری ضرورت کے مناسب ہو (یہ جان نثار حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں اپنی کیا رائے رکھتے اس لیے) درخواست کی کہ حضور (ﷺ) ہی میرے لیے پسند فرمائیں (وہاں بجز دینداری کے اور کوئی ترجیح کی وجہ اور پسندیدگی ہو ہی نہیں سکتی تھی اس لیے) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے اس لیے میں امین ہونے کی حیثیت سے فلاں غلام کو پسند کرتا ہوں اس لیے کہ میں نے اس کو نماز پڑھتے دیکھا ہے لیکن میری ایک وصیت اس کے بارے میں یاد رکھیو کہ اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیجیو (اول حضور اکرم ﷺ نے مشورہ کے ضابطہ کو ذکر فرما کر گویا اس پر تنبیہ فرمائی کہ میری جو پسندیدگی ہے وہ ذمہ دارانہ اور امانت داری کی ہے پھر ایک کو پسند فرما کر وجہ ترجیح بھی ظاہر فرمائی کہ وہ نمازی ہے۔ یہ وجہ ہے اس کو راجح قرار دینے کی۔ ہمارے زمانہ میں ملازم کا نمازی ہونا گویا عیب ہے کہ آقا کے کام کا حرج ہوتا ہے) ابوالہیثمؓ خوش خوش اپنی ضرورتوں کے لیے ایک مددگار لے کر گھر گئے اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان عالی شان بھی بیوی کو سنا دیا۔ بیوی نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کی کماحقہ تعمیل نہ ہو سکے گی اور اس درجہ بھلائی کا معاملہ کہ ارشاد عالی جاہ کا امتثال ہو جائے ہم سے نہ ہو سکے گا اس لیے اس کو آزاد ہی کر دو کہ اسی سے امتثال ارشاد ممکن ہے۔ سراپا شجاع اور مجسم اخلاص خاوند نے فوراً آزاد کر دیا اور اپنی دقتوں اور تکالیف کی ذرا بھی پروانہ کی۔ حضور اقدس ﷺ کو جب واقعہ اور جانثار صحابی کے ایثار کا حال معلوم ہوا تو اظہار مسرت اور بیوی کی مدح کے طور پر ارشاد فرمایا کہ ہر نبی اور اس کے جانشینوں کے لیے حق تعالیٰ شانہ دو باطنی مشیر اور اصلاح کار پیدا فرماتے ہیں جن میں سے ایک مشیر تو بھلائی کی ترغیب دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے دوسرا مشیر تباہ و برباد کرنے میں ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔ جو شخص اس کی برائی سے بچا دیا جائے وہ ہر قسم کی برائی سے روک دیا گیا۔

ف: ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کی بیوی بمنزلہ بہترین مشیر کار کے تھیں جنہوں نے مشورہ دے کر ایک کار خیر یعنی ایک نمازی غلام کو آزاد کرا دیا اور اپنی ضروریات کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی اور نہ اس کی پرواہ کی کہ کس قدر مشقتیں اٹھانے کے بعد خادم ملا ہے کچھ دن تو اس کی وجہ سے آرام اٹھا لیں بعد میں آزاد کر دیں

گے۔

**(۵) حدثنا عمر بن اسمعیل بن مجالد بن سعید حدثنا ابی عن بیان حدثنی قیس بن ابی حازم قال سمعت سعد بن ابی وقاص یقول اِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ اَھْرَاقَ دَمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ رَمٰی بِسَھْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَقَدْ رَاَیْتَنِیْ اَغْزُوْ فِی الْعِصَابَةِ مِنْ اَصْحٰبِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا نَاْکُلُ اِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَالْحُبْلَةَ حَتّٰی تَقَرَّحَتْ اَشْدَاقُنَا حَتّٰی اِنَّ اَحَدَنَا لَیَضَعُ کَمَا تَضَعُ الشَّاةُ وَالْبَعِیْرُ وَاَصْبَحَتْ بَنُوْ اَسَدٍ یُعَزِّرُوْنَنِیْ فِی الدِّیْنِ لَقَدْ خِبْتُ اِذًا وَضَلَّ عَمَلِیْ**

''سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ امت محمدیہ میں سب سے پہلا شخص جس نے کافر کا خون بہایا ہو میں ہی ہوں اور ایسے ہی پہلا وہ شخص جس نے جہاد میں تیر پھینکا ہو میں ہوں ہم لوگ (یعنی صحابہ کی جماعت ابتدائے اسلام میں) ایسی حالت میں جہاد کیا کرتے تھے کہ ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں ہم لوگ کھایا کرتے تھے جس کی وجہ سے ہمارے جبڑے زخمی ہو گئے تھے اور پتے کھانے کی وجہ سے پاخانہ میں بھی اونٹ اور بکری کی طرح مینگنیاں نکلا کرتی تھیں۔ اس کے بعد بھی قبیلہ بنو اسد کے لوگ اسلام کے بارے میں مجھ کو دھمکاتے ہیں اگر میری دین سے ناواقفیت کا یہی حال ہے جیسا یہ لوگ بتاتے ہیں تو خسر الدنیا والاخرۃ دنیا اس تنگی وعسرت میں گئی اور دین کی یہ حالت کہ نماز سے بھی زیادہ واقفیت نہ ہوئی۔''

ف: اس حدیث میں چونکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو صرف اس وقت کی تنگی دکھلانا مقصود تھی اس لیے تمام قصہ کو مختصر کر دیا کہ مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ تنگی اور عسرت کی وجہ سے مجاہدین کو غذا بھی نہ ملتی تھی یہ اسلامی فوج درختوں کے پتے کھا کر جہاد کرتی تھی لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں اپنے کارنامے اور اپنی مساعی جمیلہ اور قدیم الاسلام ہونا بیان کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ کے امیر تھے۔ کوفہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی بہت سی شکایات کیں حتیٰ کہ یہ بھی شکایت کی کہ یہ نماز بھی اچھی طرح سے نہیں پڑھتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلوایا اور بلا کر ارشاد فرمایا کہ لوگ تمہاری بہت سی شکایات کرتے ہیں حتیٰ کہ نماز تک کی بھی شکایت کرتے ہیں۔ اس پر انہوں نے اپنی صفائی میں اپنا قدیم الاسلام ہونا' اسلام کے بارے میں مشقتوں کا برداشت کرنا

وغیرہ بیان کر کے عرض کیا کہ اس پر یہ لوگ مجھے نماز پر دھمکیاں دیتے ہیں۔ میں نے جس طرح حضور اکرم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا اس سے ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ کوفہ میں دو آدمی بھیجے کہ وہاں گشت کر کے ان سے متعلقہ شکایات کی تحقیق کر کے آئیں۔ انہوں نے کوئی مسجد کوفہ کی ایسی نہیں چھوڑی جس میں جا کر نمازیوں سے حالات کی تحقیق نہ کی ہو سب نے ان کی تعریف کی البتہ ایک شخص نے یہ کہا کہ جب قسم دے کر پوچھتے ہو تو سچ سچ بتاؤں کہ سعد رضی اللہ عنہ جہاد کے لیے نہیں نکلتے گویا اپنی جان پیاری ہے، دوسرے یہ کہ تقسیم میں مساوات اور برابری نہیں کرتے اور فیصلہ میں انصاف نہیں کرتے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین شکایات کی ہیں اس لیے تین بددعائیں کرتا ہوں ہر ایک کے مناسب اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے محض شہرت اور دنیا کو دکھلانے کی غرض سے کھڑا ہوا ہے کہ بڑے آدمی پر تنقید کرنے سے شہرت ہوا کرتی ہے تو اس کی عمر بڑھا دے اور فقر میں اضافہ کر اور فتنوں میں مبتلا فرما۔ اس کے بعد دیکھنے والا اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے پلکیں آنکھوں پر گر گئی تھیں اور فقیر ہو گیا تھا۔ گلی کوچوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا اور کوئی پوچھتا کہ یہ کیا حال ہو گیا؟ تو کہتا کہ سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگ گئی۔ **اللھم انا نعوذ بلک مِنْ غَضَبِكَ وَغضب رَسُوْلِك وغَضَبِ اولیائكَ** حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں تین قصوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

۱۔ یہ کہ سب سے پہلا شخص میں ہوں جس نے کسی کافر کا خون گرایا۔ یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں لوگ نہایت پریشان اور مصائب میں مبتلا تھے کفار سے چھپ کر نماز وغیرہ عبادت کیا کرتے تھے ایک مرتبہ چند حضرات جن میں حضرت سعدؓ بھی تھے ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کی ایک جماعت وہاں پہنچ گئی ان لوگوں کو برا بھلا کہا اور لڑائی پر اتر آئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اونٹ کا ایک جبڑا وہاں پڑا تھا اس کو اٹھا کر ایک کافر کے مارا جس سے اس کے خون جاری ہو گیا۔ یہی مراد ہے اللہ کے راستہ میں سب سے پہلے خون گرانے سے۔

۲۔ یہ کہ میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے راستہ میں تیر چلایا۔ یہ ہجرت کے بعد اھ کا واقعہ ہے اور اسلام میں سب سے پہلا سریہ ہے یعنی سب سے پہلی فوج ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں رابغ بھیجا ہے اس میں کفار سے مقابلہ ہوا دونوں جانب سے تیر چلائے گئے مسلمانوں میں سب سے پہلا تیر

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے چلایا تھا۔

۳۔ تیسرا قصہ اس جنگ کا ہے جس کا ذکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے درختوں کے پتے کھانے سے فرمایا۔ یہ قصہ سریہ خبط کہلاتا ہے جو باختلاف اقوال ۵ھ میں واقع ہوا اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مہاجرین اور انصار کو حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں مدینہ منورہ سے پانچ روز کی منزل پر سمندر کے کنارے قبیلہ جہینہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا اس لشکر میں اول تین اونٹ یومیہ ذبح ہوتے تھے اور جب اونٹوں کی قلت کے خوف سے امیر نے ذبح کی ممانعت فرمادی تو کچھ مقدار کھجوریں تقسیم ہوتی تھیں اور وہ بھی کم ہوتے ہوتے یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک کھجور یومیہ فی آدمی ملتی تھی کہ اس کو چوستے رہتے اور پانی پیتے رہتے لیکن جب وہ ختم ہوگئیں تو درختوں کے پتے جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی۔ خبط کے معنی پتے جھاڑنے کے ہیں اسی لیے اس کا نام سریۃ الخبط مشہور ہوگیا۔ اس کا طویل قصہ ابتداءً سخت پریشانی اور عسرت کا اور انتہاء لطف کا ہے جس کو تاریخ اسلام کی طویل کتابوں میں دیکھا جائے۔ مختصر طور پر "حکایات صحابہ" کے تیسرے باب میں بندہ نے بھی لکھ دیا ہے۔

**(٦) حدثنا محمد بن بشار حدثنا صفوان بن عیسٰی حدثنا عمرو بن عیسٰی ابو نعامة العدوی قال سمعت خالد بن عمیر وشویسا ابا الرقاد قَالَا بَعَثَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عُتْبَةَ بْنَ غَزْوَانَ وَقَالَ انْطَلِقْ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ حَتّٰی اِذَا كُنْتُمْ فِيْ اَقْصٰی اَرْضِ الْعَرَبِ وَاَدْنٰی بِلَادِ الْعَجَمِ فَاَقْبَلُوْا حَتّٰی اِذَا كَانُوْا بِالْمِرْبَدِ وَجَدُوْا هٰذَا الْكَذَّانَ فَقَالُوْا مَا هٰذِهٖ قَالُوْا هٰذِهِ الْبَصْرَةُ فَسَارُوْا حَتّٰی اِذَا بَلَغُوْا حِيَالَ الْجِسْرِ الصَّغِيْرِ فَقَالُوْا هٰهُنَا اُمِرْتُمْ فَنَزَلُوْا فَذَكَرُوا الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ قَالَ فَقَالَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ وَاِنِّيْ لَسَابِعُ سَبْعَةٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَنَا طَعَامٌ اِلَّا وَرَقُ الشَّجَرِ حَتّٰی تَقَرَّحَتْ اَشْدَاقُنَا فَالْتَقَطْتُ بُرْدَةً فَقَسَمْتُهَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ سَعْدٍ فَمَا مِنَّا مِنْ اُولٰٓئِكَ السَّبْعَةِ اَحَدٌ اِلَّا وَهُوَ اَمِيْرُ مِصْرٍ مِنَ الْاَمْصَارِ وَسَتُجَرِّبُوْنَ الْاُمَرَاءَ بَعْدَنَا**

"خالد بن عمیر رضی اللہ عنہ اور شویس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن غزوان کو حکم فرمایا کہ تم اپنے رفقاء کے ساتھ (جو تین سو مجاہد تھے عجم کی طرف) چلے جاؤ اور جب منتہائے سر

زمین عرب پر پہنچو جہاں کہ سرزمین عجم بہت ہی قریب رہ جائے تو وہاں قیام کرنا۔ (مقصد ان کی روانگی کا یہ تھا کہ دربار عمری میں یہ اطلاع پہنچی تھی کہ عجم کا ارادہ عرب پر حملہ کرنے کا ہے اور بہ روایت دیگر یزدجرد نے عجم سے امداد منگائی ہے جس کا یہ راستہ تھا اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو ناکہ بندی کے لیے ارسال فرمایا تھا) وہ لشکر چلا اور جب مربد بصرہ پر پہنچے تو وہاں عجیب طرح کے سفید پتھروں پر نظر پڑی۔ لوگوں نے اول تعجب سے ایک دوسرے سے پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ بصرہ ہیں۔ (بصرہ اصل لغت میں سفیدی مائل پتھروں کو کہتے ہیں اس کے بعد پھر شہر کا نام پڑ گیا تو گویا انہوں نے جواب دیا کہ یہ بھی ایک قسم کے پتھر ہیں) اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے موافق آگے بڑھے اور جب دجلہ کے چھوٹے پل کے قریب پہنچے تو لوگوں نے تجویز کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی متعینہ جگہ یہی موقع ہے اس لیے وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ راوی نے اس جگہ تمام قصہ (یعنی خراسان کے لشکر کے آنے کا اور عتبہ کے فتح کرنے کا پورا قصہ) مفصل ذکر کیا۔ (مگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو چونکہ اس جگہ ذکر کرنے سے مقصود اس وقت کی تنگ حالی کا بیان کرنا تھا۔ جس کا ذکر اس حدیث کے اخیر میں ہے اس لیے تمام حدیث کو مختصر کر کے اس جملہ کو ذکر کر دیا۔ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ نے فتح کے بعد ایک خطبہ بھی پڑھا تھا جو عربی حاشیہ میں نقل کیا گیا۔ اس میں دنیا کی بے ثباتی' آخرت کا دائمی گھر ہونا وغیرہ امور ارشاد فرمائے تھے چنانچہ حمد وصلوٰۃ کے بعد فرماتے ہیں کہ دنیا ختم ہو رہی ہے اور منہ پھیر کر جا رہی ہے دنیا کا حصہ اتنا ہی باقی رہ گیا جیسا کہ کسی برتن کا پانی ختم ہو جائے اور اخیر میں ذرا سا قطرہ اس میں رہ جائے تم لوگ اس دنیا سے ایک ایسے عالم کی طرف جا رہے ہو جو ہمیشہ رہنے والا ہے کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بہترین ماحضر کے ساتھ اس عالم سے جاؤ اس لیے کہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ جہنم (جو اللہ کے نافرمانوں کا گھر ہے) اتنی گہری ہے کہ اگر اس کے اوپر کے کنارہ سے ایک ڈھیلا پھینکا جائے تو ستر برس تک وہ جہنم کے نیچے کے حصے میں نہیں پہنچتا اور آدمیوں سے اس مکان کو بھرا جائے گا۔ کس قدر عبرت کا مقام ہے' نیز ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جنت (جو اللہ کے فرمانبردار بندوں کا مکان ہے) اس قدر وسیع ہے کہ اس کے دروازہ پر چوڑائی میں ایک جانب سے دوسری جانب تک چالیس برس کی مسافت ہے اور آدمیوں ہی سے وہ بھی پر کی جائے گی (اس لیے ایسے اعمال اختیار کرو جن کی وجہ سے پہلے مکان سے

نجات ملے اور اس مکان میں جو اللہ کی رضا کا مکان ہے داخلہ نصیب ہو اس کے بعد اپنا گزشتہ حال بیان کیا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اپنی یہ حالت دیکھی ہے کہ میں ان سات آدمیوں میں سے ایک ہوں جو اس وقت حضور اقدس ﷺ کے ہمراہ تھے ہمارے پاس کھانے کے لیے درختوں کے پتوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا ان کے کھانے سے ہمارے منہ چھل گئے تھے مجھے اتفاقاً ایک چادر مل گئی تھیں جس کو میں نے اپنے اور سعد رضی اللہ عنہ کے درمیان نصف نصف تقسیم کر لی۔ (حق تعالیٰ شانہ نے اس تنگ حالی اور تکالیف کا دنیا میں بھی یہ اجر مرحمت فرمایا کہ) ہم سات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو کسی جگہ کا امیر نہ ہو گا (چونکہ یہ جماعت بڑی تکالیف برداشت کرنے اور مجاہدات کے بعد امیر ہوئی ہے اس لیے اس کا معاملہ اپنی جماعتوں کے ساتھ بہترین معاملہ ہے جو تم کو بعد میں آنے والے امراء کے تجربہ حال سے معلوم ہوگا۔ اس لیے کہ) تم ان امراء کا عنقریب تجربہ کرنے والے ہو جو بعد میں آنے والے ہیں۔

ف: بظاہر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مقصد اپنی اس حالت کے بیان کرنے سے دو امر مراد ہیں۔ اول یہ کہ دین کے بارے میں جو مشقت اٹھائی جاتی ہے اس کا ثمرہ دنیا میں بھی اکثر ملتا ہے تم لوگ جو مشقت برداشت کرو گے انشاء اللہ اس کا ثمرہ پاؤ گے' دوسرے یہ کہ اس وقت کے امراء سے اگر کوئی ناگواری کی بات تم کو پیش آئے تو اس کو برداشت کرو کہ یہ بہت غنیمت ہے ان حالات کے اعتبار سے جو عنقریب آنے والے ہیں۔

**(۷) حدثنا عبداللہ بن عبدالرحمن حدثنا روح بن اسلم ابو حاتم البصری حدثنا حماد بن سلمة حدثنا ثابت عن انسؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذٰى اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَيَّ ثَلٰثُوْنَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ وَ مَالِيْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَاْكُلُهٗ ذُوْ كَبِدٍ اِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيْهِ اِبْطُ بِلَالٍ**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کے راستہ میں اس وقت خوف دلایا گیا ہوں جس وقت کوئی بھی نہیں ڈرایا گیا اور اس قدر ستایا گیا ہوں کہ کوئی شخص بھی نہیں ستایا گیا مجھے تیس شب و روز ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال رضی اللہ عنہ کے کھانے کے لیے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے بجز اس تھوڑی سی مقدار کے

جو بلال رضی اللہ عنہ کے بغل میں چھپی ہوئی تھی۔"

ف: یہ قصہ جیسا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں لکھا ہے کسی وقت مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے جانے کے زمانہ کا ہے جو ہجرت کا زمانہ نہیں اس لیے کہ ہجرت کے سفر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ نہ تھے بلکہ اس کے علاوہ کسی اور موقع پر یہ قصہ پیش آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں اس وقت خوف دلایا گیا ہوں کا یہ مطلب ہے کہ ابتدائی زمانہ میں جب میں اکیلا تھا کوئی رفیق اور ساتھی نہ تھا اس وقت مجھے اللہ کے راستہ میں اذیت و تکالیف پہنچائی گئیں اور ڈرایا گیا اور قاعدہ کی بات ہے کہ مجمع میں مصیبت ہلکی بن جاتی ہے کہ تنہا شخص کو اذیت زیادہ پہنچتی ہے۔

**(۸) حدثنا عبداللہ بن عبدالرحمن انبانا عفان بن مسلم حدثنا ابان بن یزید العطار حدثنا قتادة عن انس بن مالکؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَجْتَمِعْ عِنْدَهٗ غَدَاءٌ وَلَا عَشَاءٌ مِنْ خُبْزٍ وَلَحْمٍ اِلَّا عَلٰی ضَفَفٍ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ قَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ كَثْرَةُ الْاَیْدِیْ**

"حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر صبح کے کھانے میں یا شام کے کھانے میں روٹی اور گوشت دونوں چیزیں جمع نہیں ہوتی تھیں مگر حالت ضفف میں۔"

ف: ضفف کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گزارہ اوقات کے بارے میں جو باب پہلے ذکر ہو چکا ہے اس کی اخیر حدیث کے ذیل میں اس کی مفصل تقریر گزر چکی ہے۔ اگرچہ اس حدیث کا مضمون اس سے مختلف ہے جو وہاں گزری ہے اس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ہوتے تھے جب تو جو میسر ہوتا وہی نوش فرما لیتے خواہ خالی روٹی ہو یا تنہا گوشت ہو البتہ جب مہمان ہوتے تو اس کا اہتمام فرماتے کہ دونوں چیزوں کو مہیا کیا جائے اس لیے دونوں کا اجتماع مجمع ہی کے وقت ہوتا تھا۔

**(۹) حدثنا عبد بن حمید حدثنا محمد بن اسمٰعیل بن ابی فدیک حدثنا ابن ابی ذئب عن مسلم بن جندب عن نوفل بن ایاس الهذلی قَالَ كَانَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍؓ لَنَا جَلِیْسًا وَكَانَ نِعْمَ الْجَلِیْسُ وَاِنَّهُ انْقَلَبَ بِنَا ذَاتَ یَوْمٍ حَتّٰی اِذَا دَخَلْنَا بَیْتَهٗ وَدَخَلَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ خَرَجَ وَاُوْتِیْنَا بِصَحْفَةٍ فِیْهَا خُبْزٌ وَلَحْمٌ فَلَمَّا وُضِعَتْ بَكٰی عَبْدُالرَّحْمٰنِ فَقُلْتُ لَهٗ یَا اَبَا مُحَمَّدٍ مَا یُبْكِیْكَ قَالَ هَلَكَ**

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَشْبَعْ هُوَ وَاَهْلُ بَيْتِهٖ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ فَلَا اُرَانَا اُخِّرْنَا لِمَا هُوَ خَيْرٌ لَّنَا

''نوفل بن ایاس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ایک صحابی ہیں ہمارے ہم نشین تھے اور حقیقت میں بہترین ہم نشین تھے۔ ایک مرتبہ ہم ان کے ساتھ کسی جگہ سے لوٹے واپسی میں ان کے مکان پر چلے گئے۔ انہوں نے گھر جا کر اول غسل کیا جب وہ غسل سے فارغ ہو چکے تو ایک بڑے برتن میں روٹی اور گوشت لایا گیا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس کو دیکھ کر رونے لگے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہوئی کیوں روتے ہو؟ کہنے لگے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال تک کبھی بھی اس کی نوبت نہیں آئی کہ آپ نے یا آپ کے گھر والوں نے جو کی روٹی ہی سے شکم سیری فرمائی ہو۔ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جہاں تک میرا خیال ہے ہم لوگوں کی یہ ثروت کی حالت کسی بہتری کے لیے نہیں ہے۔''

ف: حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسی حالتوں میں اس کا خوف ہوتا تھا کہ خدانخواستہ ہم اس وعید میں داخل نہ ہو جائیں کہ تم اپنی خوبیوں کا بدلہ دنیا میں پا چکے ہو جس کا قرآن شریف کی اس آیت میں ذکر ہے۔ ﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيٰوتِكُمُ الدُّنْيَا الاية﴾

❀❀❀

# باب ما جاء فی سن رسول اللہ ﷺ

# باب حضور اقدس ﷺ کی عمر شریف کا ذکر

ف: حضور اکرم ﷺ کی عمر شریف کے بارے میں تین روایتیں وارد ہوئی ہیں سب سے پہلے زیادہ صحیح جو جمہور محدثین اور مورخین کے نزدیک راجح ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی عمر شریف تریسٹھ سال کی ہوئی ہے دوسری روایات میں ساٹھ برس کی بھی وارد ہوئی ہے جس کے متعلق خیال ہے کہ گننے میں بسا اوقات کسر کو چھوڑ دیا جاتا ہے اس لیے ساٹھ کہہ دیا اور تیسری روایت پینسٹھ کی ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں سن ولادت اور سن وفات دونوں کو مستقل سال شمار کر لیا گیا۔
اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

**(۱) حدثنا احمد بن منیع حدثنا روح بن عبادة حدثنا زکریا بن اسحق حدثنا عمرو بن دینار عن ابن عباسؓ قال مَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ سَنَةً يُوْحٰى اِلَيْهِ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرًا وَتُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ**

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نبوت کے بعد تیرہ برس مکہ مکرمہ میں رونق افروز رہے ان تیرہ برس میں حضور اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی اس کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اور دس سال مدینہ منورہ میں قیام رہا اور تریسٹھ سال کی عمر میں وصال ہوا۔''

ف: حضور اقدس ﷺ کی عمر شریف میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں جن کا مختصر تذکرہ کتاب کے شروع میں بھی گزر چکا ہے محدثین اور اہل تاریخ کے نزدیک یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔

**(۲) حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر عن شعبة عن ابی اسحٰق عن عامر بن سعد عن جریر عن معاویةؓ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يَخْطُبُ قَالَ مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَسِتِّيْنَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ رضی اللہ عنهما وَاَنَا ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ**

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا وصال بھی تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا میری بھی اس وقت تریسٹھ سال کی عمر ہے۔''

ف: یعنی کیا بعید ہے کہ مجھے بھی یہ طبعی اتباع نصیب ہو جائے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تمنا پوری نہیں ہوئی اس لیے کہ ان کا وصال تقریباً اسی سال کی عمر میں ہوا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر اس حدیث میں نہیں کیا حالانکہ ان سے بہت خصوصیت تھی اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال اسی سال سے زیادہ عمر میں ہوا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس روایت کے ذکر کرنے سے پہلی روایت کی تائید اور تقویت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا اور اس بارے میں طبعی اتباع حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو بھی نصیب ہوا۔

**(۳) حدثنا حسین بن مهدی البصری حدثنا عبدالرزاق عن ابن جریج عن الزهری عن عروة عن عائشةؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّیْنَ سَنَةً**

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔"

ف: اس روایت سے بھی اس پہلے مضمون کی تقویت مقصود ہے۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تریسٹھ سال کی عمر میں وصال متعدد روایات سے ثابت ہے لہٰذا اس کے خلاف جو روایتیں ہیں وہ صحیح نہیں ہیں یا اپنے ظاہر پر نہیں ہیں۔

**(۴) حدثنا احمد بن منیع ویعقوب بن ابراهیم الدورقی قالا حدثنا اسمٰعیل بن علیة عن خالد الحذاء حدثنی عمار مولٰی بنی هاشم قال سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍؓ یَقُوْلُ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَّسِتِّیْنَ**

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال پینسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔"

ف: یہ روایت پہلی سب روایتوں کے خلاف ہے۔ باب کے ختم پر بھی اس کی کچھ گفتگو آئے گی اور پہلے بھی گزر چکی ہے۔

**(۵) حدثنا محمد بن بشار و محمد بن ابان قالا حدثنا معاذ بن هشام حدثنی ابی عن قتادة عن الحسن عن دغفل بن حنظلةؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَّسِتِّیْنَ سَنَةً قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی وَ دَغْفَلٌ لَا نَعْرِفُ لَهٗ سِمَاعًا مِّنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانَ فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا**

"دغفل بن حنظلہ سدوسیؒ سے بھی یہی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال پینسٹھ سال

کی عمر میں ہوا۔"

ف: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے فرماتے ہیں کہ دغفل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور بڑی عمر کے تھے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ گویا یہ بھی اشارہ ہے اس طرف کہ ان کی یہ روایت بھی کسی دوسرے سے سنی ہوئی ہے۔

**(٦) حدثنا اسحٰق بن موسٰی الانصاری حدثنا معن حدثنا مالك بن انس عن ربیعة بن ابی عبدالرحمن عن انس بن مالكؓ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ یَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ بِالطَّوِیْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِیْرِ وَلَا بِالْاَبْیَضِ الْاَمْهَقِ وَلَا بِالْاٰدَمِ وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ وَلَا بِالسَّبِطِ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی رَاْسِ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِیْنَ وَبِالْمَدِیْنَةِ عَشْرَ سِنِیْنَ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی رَاْسِ سِتِّیْنَ سَنَةً وَلَیْسَ فِیْ رَاْسِهٖ وَلِحْیَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَیْضَاءَ حدثنا قتیبة بن سعید عن مالك بن انس عن ربیعة بن ابی عبدالرحمن عن انس بن مالكؓ نحوه**

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لمبے قد تھے نہ پستہ قد (نیز رنگ کے لحاظ سے) بالکل سفید نہ تھے نہ بالکل گندمی رنگ' آپ کے بال مبارک نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن لیے ہوئے) چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی اور اس کے بعد دس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور دس سال مدینہ منورہ میں۔ ساٹھ سال کی عمر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ اس وقت آپ کے سر مبارک اور ڈاڑھی شریف میں تقریباً بیس بال بھی سفید نہیں ہوں گے۔"

ف: حضرت انسؓ کی یہ حدیث کتاب کے بالکل شروع میں گزر چکی ہے اس کے فائدہ میں بھی ان تینوں روایتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور مختلف روایات میں توجیہ بھی ذکر کر دی گئی' علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عمر شریف کے بارے میں تریسٹھ سال کی روایت صحیح ہے باقی روایتیں اس کی طرف راجع کی جا سکتی ہیں یا ان میں نیچے کے راویوں سے کسی قسم کی غلطی ہوئی ہو۔ چنانچہ حضرت انسؓ کی اس روایت کے متعلق یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ گنتی میں بسا اوقات صرف دھائیاں ذکر کر دی جاتی ہیں اوپر کی اکائیوں کو چھوڑ دیا جاتا کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے بھانجے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباسؓ کی پینسٹھ برس والی روایات کو غلط بتلایا ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو وضاحت سے تحریر فرمایا ہے۔

❀❀❀

# باب ما جاء فی وفات رسول اللہ ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کے وصال کا ذکر

ف: حضور اقدس ﷺ کا وصال باتفاق اہل تاریخ دوشنبہ کے روز ہوا ہے۔ لیکن تاریخ میں اختلاف ہے اکثر مورخین کا قول ۱۲ ربیع الاول کا ہے مگر اس میں ایک نہایت قوی اشکال ہے وہ یہ کہ ۱۰ھ کو نو ذی الحجہ جس میں حضور اقدس ﷺ حج کے موقعہ پر عرفات میں تشریف فرما تھے وہ جمعہ کا دن تھا اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے نہ محدثین کا نہ مورخین کا۔ حدیث کی روایات میں بھی کثرت سے اس کی تصریح ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا حج یعنی نو ذی الحجہ جمعہ کو ہوئی اس کے بعد خواہ ذی الحجہ محرم اور صفر تینوں مہینے ۳۰ دن کے ہوں یا ۲۹ دن کے یا بعض مہینے ۲۹ کے اور بعض ۳۰ کے غرض کسی صورت میں بھی بارہ ربیع الاول دوشنبہ کی نہیں ہو سکتی اس لیے بعض محدثین نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال دو ربیع الاول کو ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کے مرض کی ابتداء سر کے درد سے ہوئی اس روز حضرت اقدس ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تھے اس کے بعد حضرت میمونہؓ کی باری کے دن میں مرض میں شدت پیدا ہوئی۔ اسی حالت میں حضور اکرم ﷺ ازواج مطہرات کی باری کی تقسیم پوری فرماتے رہے مگر جب مرض میں زیادہ شدت ہو گئی تو حضور اکرم ﷺ کے ایماء پر تمام بیبیوں نے حضرت عائشہؓ کے مکان پر بیماری کے ایام گزارنے کا اختیار دے دیا تھا۔ اس لیے حضرت عائشہؓ کے دولت کدہ پر حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا' کل مدت مرض بارہ یا چودہ یوم ہے۔ اور دوشنبہ کے روز چاشت کے وقت وصال ہوا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وصال دوشنبہ کے روز ہوا اور چاشت کے وقت ہوا اس کے خلاف جو روایت ہوگی اس کی توجیہ کی ضرورت ہوگی۔

(۱) حدثنا ابو عمار الحسین بن حریث وقتیبة بن سعید وغیر واحد قالوا حدثنا سفیان بن عیینة عن الزهری عن انس بن مالكؓ قال اٰخِرُ نَظْرَةٍ نَظَرْتُهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَشَفَ السِّتَارَةَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فَنَظَرْتُ اِلٰى وَجْهِهٖ كَاَنَّهٗ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ خَلْفَ اَبِىْ بَكْرٍ فَكَادَ النَّاسُ اَنْ يَّضْطَرِبُوْا فَاَشَارَ اِلَى النَّاسِ اَنِ اثْبُتُوْا وَاَبُوْبَكْرٍ يَؤُمُّهُمْ وَاَلْقَى السِّجْفَ وَتُوُفِّيَ

مِنْ اٰخِرِ ذَالِكَ الْيَوْمِ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری دیدار نصیب ہوا وہ وقت تھا جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں دوشنبہ کے روز صبح کی نماز کے وقت دولت کدہ کا پردہ اٹھایا کہ امتیوں کی نماز کا آخری معائنہ فرمالیں۔ اس وقت آپ کا چہرۂ مبارک صفائی اور انوار اور چمک میں گویا مصحف شریف کا ایک پاک صاف ورق تھا۔ لوگ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے (صحابہؓ آپ کو دیکھ کر فرط خوشی میں پیچھے ہٹنے لگے اس خیال سے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہوں اس لیے کہ اس سے پہلے بھی بیماری کے ایام میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے اور جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوتا تھا تشریف لا کر جماعت میں شرکت فرماتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور اسی دن وصال ہو گیا۔''

ف: یہ وہی دوشنبہ کے روز کا آخری نظارہ ہے جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اندازہ فرمایا کہ نظام شرعی قائم ہو گیا اور قدیمی رفیق ابو بکر رضی اللہ عنہ نیابت کا حق ادا کر دے گا اور امت کا بوجھ سنبھال لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جس کو دنیا کی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا حادثہ جس کے سامنے دنیا کے سارے ہی حوادث کالعدم اور لاشئی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ارتداد کا فتنہ اور ساری دنیا کا مقابلہ۔ لیکن اس کوہ استقلال نے سب ہی کو برداشت کیا اور پتھر کی چٹان سے زیادہ سخت بن کر ہر ٹکراؤ کو پاش پاش کر دیا۔ حق یہ ہے کہ نیابت کا حق ادا کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا اسلامی ستون کہ دوست دشمن سب ہی ان کی بہادری، شجاعت، قوت کی دھاک مانتے ہیں اور وہ بھی نرمی کی درخواست کریں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو بزدلی کا طعنہ دیں۔

(۲) حدثنا محمد بن مسعدة البصری حدثنا سليم بن احمد عن ابن عون عن ابراهيم عن الاسود عن عائشةؓ قالت كُنْتُ مُسْنِدَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى صَدْرِيْ اَوْ قَالَتْ اِلٰى حِجْرِيْ فَدَعَا بِطَسْتٍ لِيَبُوْلَ فِيْهِ ثُمَّ بَالَ فَمَاتَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت میں نے حضور عالی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے سینہ پر سہارا دے رکھا تھا کہ آپ نے پیشاب کے لیے طشت منگایا اور پیشاب سے فراغت حاصل کی اس کے بعد پھر وصال ہو گیا۔''

ف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ مفاخر میں ہے کہ آخری تلبس ان کو حاصل ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے جب تشریف لے گئے اور وصال ربی حاصل ہوا تو سر مبارک ان کی گود میں تھا۔

(۳) حدثنا قتيبة حدثنا الليث عن ابن الهاد عن موسى بن سرجس عن القاسم بن محمد عن عائشةؓ انها قالت رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهٗ قَدَحٌ فِيْهِ مَآءٌ وَّهُوَ يُدْخِلُ يَدَهٗ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهٗ بِالْمَآءِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى مُنْكَرَاتِ الْمَوْتِ اَوْ قَالَ عَلٰى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ایک پیالہ میں پانی رکھا ہوا تھا کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار ہاتھ ڈالتے تھے اور چہرۂ مبارک پر پھیرتے تھے (کہ یہ شدت حرارت اور گھبراہٹ کے وقت سکون کا سبب ہوتا ہے) اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں یہ دعا فرمارہے تھے کہ یا اللہ موت کے شدائد پر میری امداد فرما۔''

ف: یہ ایک جانب امت کو تعلیم ہے تو دوسری جانب نزع کے وقت جب کہ روح بدن سے نکل رہی ہو نہایت ثبات اور استقلال اور اللہ جل جلالہ کی غایت توجہ کا مظہر ہے کہ نزع کے وقت جب کہ روح بدن سے جدا ہو رہی ہو تکلیف کا ہونا طبعی اور فطری امر ہے اس وقت اللہ ہی سے سہولت کی طلب تھی۔

(۴) حدثنا الحسن بن الصباح البزار حدثنا مبشر بن اسمٰعيل عبدالرحمن بن العلآء عن ابيه عن ابن عمر عن عائشةؓ قَالَتْ لَا اَغْبِطُ اَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِيْ رَاَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال ابو عيسٰى سالت ابا زرعة فقلت له من عبدالرحمن بن العلآء هذا قال هو عبدالرحمن بن العلاء بن الجلاج

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت تکلیف کے بعد اب مجھے کسی شخص کے مرض الموت میں تکلیف نہ ہونے پر رشک نہیں ہوتا۔''

ف: اس لیے کہ شدت مرض گناہوں کے سقوط اور مراتب کے بلند ہونے کا سبب ہوتا ہے اور مریض کی شدت پیام اجل ہونے کی وجہ سے استغفار کی کثرت اور موت کی تیاری کا ذریعہ ہے۔

(۵) حدثنا ابو کریب محمد بن العلاء حدثنا ابو معاویة عن عبدالرحمن بن ابی بکر هو ابن الملیکی عن ابن ابی ملیکة عن عائشةؓ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوْا فِيْ دَفْنِهٖ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍؓ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مَا نَسِيْتُهٗ قَالَ مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ يُحِبُّ اَنْ يُّدْفَنَ فِيْهِ اُدْفِنُوْهُ فِيْ مَوْضِعِ فِرَاشِهٖ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کے دفن میں صحابہؓ کا اختلاف ہوا۔ (کسی نے مسجد نبوی کو پسند کیا اور کسی نے آپ کے صحابہ کے مدفن کی وجہ سے بقیع کو کسی کا خیال جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مدفن پر پہنچانے کا ہوا تو کسی کا وطن اصلی مکہ مکرمہ واپس لانے کا۔ غرض مختلف رائیں ہو رہی تھیں) کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی ہے جو مجھے خوب یاد ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا وصال اسی جگہ ہوتا ہے جہاں ان کا پسندیدہ مدفن ہو اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے وصال ہی کی جگہ دفن کرنا چاہیے۔''

چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھ سے یہ سب امور انجام پانے مقدر ہو چکے تھے اس لیے اس نوع کے مسائل بھی خصوصیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو معلوم تھے۔ نمونہ کے طور پر چند حدیثیں مختصر طور پر نقل کرتا ہوں۔

۱. کسی نبی کی وفات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ امت میں سے کسی کا مقتدی بن کر نماز نہ پڑھے۔
۲. زکوٰۃ وصول کرنے کی حدیثیں اور اس کے نصاب۔
۳. میرے گھر یعنی قبر اور منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔
۴. انبیاء علیہم السلام کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔
۵. حق تعالیٰ شانہ جب کسی نبی کو کوئی رزق عطا فرماتے ہیں تو اس کا متولی وہ شخص ہوتا ہے جو نبی کا خلیفہ ہو۔
۶. جو شخص خلیفہ اور بادشاہ بنے اور وہ لاپرواہی سے کسی کو نائب بنائے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ لاپرواہی کا مطلب یہ ہے کہ حق کی رعایت نہ کرے۔
۷. حد زنا کی حدیث

8 جہاد میں مشورہ کی حدیث

9 دین کا مدار لا الہ الا اللہ پر ہے

10 خلافت کا قریش میں ہونا

11 انصار کے فضائل اور ان کے بارے میں خلیفہ کو خیر خواہی کی وصیت

12 چوری کی سزا

13 منصف متواضع بادشاہ زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔

14 جو یہ چاہے کہ جہنم کی سختی سے محفوظ رہے اور اللہ کے سایہ میں رہے تو مومنین پر سختی نہ کرے۔ ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرے۔

15 جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے عذاب عامہ میں مبتلا ہوتی ہے (تاریخ الخلفاء) ان کے علاوہ اور بھی ایسی روایات ہیں جن کا تعلق حضور اکرم ﷺ کے وصال اور وصال کے بعد کے انتظامات سے ہے۔

**(٦) حدثنا محمد بن بشار وعباس العنبری وسوار بن عبدالله وغير واحد قالوا حدثنا يحيى بن سعيد عن سفيان الثوری عن موسى بن ابی عائشة عن عبيدالله بن عبدالله عن ابن عباس وعائشة رضی اللہ عنہم اَنَّ اَبَابَكْرٍ قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَامَاتَ**

''حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد تشریف لائے اور آپ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔''

ف: یہ حدیث مختصر ہے۔ آئندہ مفصل قصہ آرہا ہے۔ یہ بوسہ دینا تبرک اور تیمن کا تھا۔ جیسا کہ شارحین حدیث نے لکھا ہے اور بندہ کے ناقص خیال میں الوداع کا تھا کہ محبوب کی دائمی مفارقت ہو رہی تھی۔

**(٧) حدثنا نصر بن علی الجهضمی حدثنا مرحوم بن عبدالعزيز العطار عن ابی عمران الجونی عن يزيد بن بابنوس عن عائشةؓ اَنَّ اَبَابَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ فَوَضَعَ فَمَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى سَاعِدَيْهِ وَقَالَ وَا نَبِيَّاهُ وَا صَفِيَّاهُ وَا خَلِيْلَاهُ**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ

تشریف لائے آپ کی پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور آپ کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر یہ فرمایا ہائے نبی، ہائے صفی اور ہائے خلیل۔''

ف: یہ الفاظ نوحہ کے طور پر نہیں تھے' اس لیے کوئی اشکال نہیں ہے۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کی طرف تشریف لائے اور چہرۂ انور پر سر جھکایا اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور فرمایا واخلیلاہ

**(۸) حدثنا بشر بن هلال الصواف البصری حدثنا جعفر بن سليمان عن ثابت عن انسؓ قال لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِی دَخَلَ فِيهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِی مَاتَ فِيهِ اَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ وَمَا نَفَضْنَا اَيْدِيَنَا عَنِ التُّرَابِ وَاِنَّا لَفِی دَفْنِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا**

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے مدینہ کی ہر چیز منور اور روشن بن گئی تھی (اور جب انوار کی کثرت ہوتی ہے تو اس قسم کی روشنی محسوس بھی ہو جاتی ہے) رمضان المبارک کی اندھیری راتوں میں بسا اوقات انوار کی کثرت سے روشنی سی ہو جاتی ہے اور جس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو مدینہ کی ہر چیز تاریک بن گئی تھی ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مٹی سے ہاتھ بھی جھاڑنے نہ پائے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب میں تغیر پایا تھا۔''

ف: یہ مطلب نہیں کہ کسی قسم کا اعمال وعقائد میں تغیر ہو گیا تھا۔ بلکہ فیض صحبت اور مشاہدہ ذات کے انوار جو ہر وقت مشاہدہ میں آتے تھے وہ حاصل نہ رہے تھے۔ چنانچہ اب بھی سالکین کو مشائخ کے یہاں کی حاضری اور غیبت میں انوار کا بین فرق محسوس ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان انوار کے حاصل کرنے کے لیے اب مجاہدات' ذکر کی کثرت اور مراقبہ کا اہتمام کرایا جاتا ہے اور اس وقت کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی۔ جمال جہاں آراء کی زیارت ہی سینکڑوں جلووں سے زیادہ تھی اور ایمان واحسان کی اس انتہائی نسبت کو پیدا کرنے والی تھی جو سینکڑوں مجاہدوں سے بھی پیدا نہیں ہوتی کہ صحابی بننے کے بعد اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کے مقابلہ میں تن من جان و مال سب بے حقیقت چیزیں بن جاتی تھیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی اس کی شاہد ہے۔

**(۹) حدثنا محمد بن حاتم حدثنا عامر بن صالح عن هشام بن عروة عن ابيه**

عن عائشۃؓ قَالَتْ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دوشنبہ کے روز ہوا۔''

ف: یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ دوشنبہ کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہونا محدثین ومورخین کا اجماعی مسئلہ ہے۔

(۱۰) حدثنا محمد بن ابی عمر حدثنا سفیٰن بن عیینۃ عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ فَمَکَثَ ذٰلِکَ الْیَوْمَ وَلَیْلَۃَ الثُّلٰثَاءِ وَدُفِنَ مِنَ اللَّیْلِ وَقَالَ سُفْیٰنُ وَقَالَ غَیْرُہٗ یُسْمَعُ صَوْتُ الْمَسَاحِیْ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ

''امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دوشنبہ کے روز ہوا۔ یہ روز اور سہ شنبہ کا روز انتظام میں گزرا اور منگل بدھ کی درمیانی شب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں اتارا گیا۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام باقرؒ کی حدیث میں تو یہی ہے جو گزرا لیکن اور روایت میں یہ بھی ہے کہ اخیر حصہ شب میں پھاوڑوں کی آواز آتی تھی۔''

ف: گویا اخیر حصہ شب میں قبر شریف کھودی گئی۔ اس حدیث میں یہ خلجان کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں اس قدر تاخیر کیوں کی گئی حالانکہ دفن کی تعجیل میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر جس قدر مراحل درپیش تھے ان کے لحاظ سے یہ بھی کچھ تاخیر نہیں ہوئی بلکہ تعجیل ہی تھی کہ اول تو اس حادثہ ہائلہ کی وجہ سے ہوش وحواس ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کس کے رہ گئے تھے کوئی مدہوش تھا' کوئی حیرت زدہ کہ زبان سے بات نہ نکلتی تھی' کوئی صدمہ کی شدت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا یقین ہی نہ کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا بہادر استقلال وشجاعت کا مجسمہ بے قابو تھا۔ اس کے بعد مراحل انتظامیہ درپیش تھے وہ ایک سے ایک بڑھ کر۔ اس لیے کہ سب سے اہم کام اس وقت خلافت کا مسئلہ تھا کہ تجہیز وتکفین کے ہر ہر جزو میں اس کی ضرورت تھی کہ ہر جزو میں اختلاف ہو رہا تھا۔ نیز نبی ہونے کی وجہ سے ہر ہر جزو میں حکم معلوم کرنے کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ گزشتہ اختلاف سے معلوم ہو گیا کہ کوئی مکہ مکرمہ واپس لے جانے پر مصر تھا اور کوئی مدفن ابراہیمی پر لے جانا چاہتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی تجہیز وتکفین اور صلوٰۃ الجنازہ میں اشکالات تھے کہ عام لوگوں کی تجہیز وتکفین ہمیشہ دیکھنے میں آئی مگر کسی نبی کو اس سے قبل دفنانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ کس طرح

غسل دیا جائے کس طرح نماز پڑھی جائے۔ ہر مسئلہ میں احادیث کے معلوم کرنے کی ضرورت تھی چنانچہ کپڑوں ہی میں حضور اکرم ﷺ کو غسل دیا گیا اور بغیر جماعت کے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی گئی۔ جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے اور تمام مسلمانوں کی علیحدہ علیحدہ نماز کے لیے جتنا وقت چاہیے تھا وہ بھی ظاہر ہے اس کے علاوہ انصار میں بیعت کا مسئلہ بحث میں آ جانے سے یہ مہم اور بھی زیادہ سخت بن گئی تھی کہ اگر کوئی نااہل امیر بن گیا تو دین کا سنبھالنا مشکل پڑ جائے گا اور اس کو امارت سے ہٹانا ایک مستقل فتنہ کا دروازہ ہوگا اس لیے اس وقت دین کا تحفظ صرف امارت ہی کے مسئلہ پر موقوف بن گیا تھا۔ چنانچہ شام تک بیعت کا مسئلہ طے ہوا اور دوسرے دن بیعت عامہ ہو جانے کے بعد پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے موافق ہر ہر مرحلہ سہولت سے طے ہوتا گیا۔

**(۱۱) حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا عبدالعزيز بن محمد بن شريك بن عبدالله بن ابی نمر عن ابی سلمة بن عبدالرحمن بن عوفؓ قال تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَدُفِنَ يَوْمَ الثَّلٰثَاءِ قال ابوعيسٰى هذا حديث غريب**

''حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال دوشنبہ کے روز ہوا اور سہ شنبہ کو دفن کیے گئے۔''

ف: منگل بدھ کی درمیانی شب میں حضور اکرم ﷺ دفن فرمائے گئے جس کو عرفاً منگل کا دن بھی کہا جا سکتا ہے اور بدھ کا دن بھی۔ اس لیے یہ روایت پہلی روایت کے کچھ خلاف نہیں۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا کہ خلافت کے مسئلہ سے فراغت کے بعد سہ شنبہ کے دن میں تجہیز و تکفین کی ابتداء ہوئی اور چہار شنبہ کی شب میں فراغت ہوئی۔

**(۱۲) حدثنا نصر بن علی الجهضمی حدثنا عبدالله بن داؤد قال حدثنا سلمة بن نبيط اخبرنا عن نعيم بن ابی هند عن نبيط بن شريط عن سالم بن عبيدؓ وكانت له صحبة قال اُغْمِيَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهٖ فَاَفَاقَ فَقَالَ حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَقَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ مُرُوْا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ وَمُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ النَّاسِ اَوْ قَالَ بِالنَّاسِ ثُمَّ اُغْمِيَ عَلَيْهِ فَاَفَاقَ فَقَالَ حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ قَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ مُرُوْا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ وَمُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ اِنَّ اَبِيْ رَجُلٌ اَسِيْفٌ اِذَا قَامَ ذٰلِكَ الْمَقَامَ بَكٰى فَلَا**

يَسْتَطِيْعُ فَلَوْ اَمَرْتَ غَيْرَهٗ قَالَ ثُمَّ اُغْمِيَ عَلَيْهِ فَاَفَاقَ فَقَالَ مُرُوْا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ وَمُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَاِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ اَوْصَوَاحِبَاتِ يُوْسُفَ قَالَ فَاُمِرَ بِلَالٌ فَاَذَّنَ وَاُمِرَ اَبُوْبَكْرٍ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ خِفَّةً فَقَالَ انْظُرُوْا اِلٰى مَنْ اَتَّكِيءُ عَلَيْهِ فَجَاءَتْ بَرِيْدَةُ وَرَجُلٌ اٰخَرُ فَاتَّكَاَ عَلَيْهِمَا فَلَمَّا رَاٰهُ اَبُوْبَكْرٍ ذَهَبَ لِيَنْقُصَ فَاَوْمَاَ اِلَيْهِ اَنْ يَّثْبُتَ مَكَانَهٗ حَتّٰى قَضٰى اَبُوْبَكْرٍ صَلٰوتَهٗ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ فَقَالَ عُمَرُ وَاللّٰهِ لَا اَسْمَعُ اَحَدًا يَذْكُرُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ اِلَّا ضَرَبْتُهٗ بِسَيْفِيْ هٰذَا قَالَ كَانَ النَّاسُ اُمِّيِّيْنَ لَمْ يَكُنْ فِيْهِمْ نَبِيٌّ قَبْلَهٗ فَاَمْسَكَ النَّاسُ قَالُوْا يَا سَالِمُ انْطَلِقْ اِلٰى صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَادْعُهٗ فَاَتَيْتُ اَبَابَكْرٍ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَاَتَيْتُهٗ اَبْكِيْ دَهِشًا فَلَمَّا رَاٰنِيْ قَالَ لِيْ اَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ اِنَّ عُمَرَ يَقُوْلُ لَا اَسْمَعُ اَحَدًا يَذْكُرُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ اِلَّا ضَرَبْتُهٗ بِسَيْفِيْ هٰذَا فَقَالَ لِيْ انْطَلِقْ فَانْطَلَقْتُ مَعَهٗ فَجَاءَ هُوَ وَالنَّاسُ قَدْ دَخَلُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اَفْرِجُوْا لِيْ فَجَاءَ حَتّٰى اَكَبَّ عَلَيْهِ وَمَسَّهٗ فَقَالَ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ ثُمَّ قَالُوْا يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ فَعَلِمُوْا اَنْ قَدْ صَدَقَ قَالُوْا يَا صَاحِبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالُوْا وَكَيْفَ قَالَ يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيُكَبِّرُوْنَ وَيَدْعُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ حَتّٰى يَدْخُلَ النَّاسُ فَيُكَبِّرُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَدْعُوْنَ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ حَتّٰى يَدْخُلَ النَّاسُ قَالُوْا يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَيُدْفَنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالُوْا اَيْنَ قَالَ فِي الْمَكَانِ الَّذِيْ قَبَضَ اللّٰهُ فِيْهِ رُوْحَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَقْبِضْ رُوْحَهٗ اِلَّا فِيْ مَكَانٍ طَيِّبٍ فَعَلِمُوْا اَنْ قَدْ صَدَقَ ثُمَّ اَمَرَهُمْ اَنْ يُّغَسِّلَهٗ بَنُوْ اَبِيْهِ وَاجْتَمَعَ الْمُهَاجِرُوْنَ يَتَشَاوَرُوْنَ فَقَالُوْا انْطَلِقْ بِنَا اِلٰى اِخْوَانِنَا مِنَ الْاَنْصَارِ نُدْخِلُهُمْ مَعَنَا فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ مِنَّا اَمِيْرٌ وَّمِنْكُمْ اَمِيْرٌ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ لَّهٗ مِثْلُ هٰذِهٖ

الثَّلٰثِ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِه لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا مَنْ هُمَا قَالَ ثُمَّ بَسَطَ یَدَهٗ فَبَایَعَهٗ وَبَایَعَهُ النَّاسُ بَیْعَةً حَسَنَةً جَمِیْلَةً

''سالم بن عبید رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض الوفات میں بار بار غشی ہوتی تھی اور جب افاقہ ہوتا تو زبان سے یہ نکلتا کہ نماز کا وقت ہو گیا یا نہیں؟ اور نماز کا وقت ہو جانے کا حال معلوم ہونے پر چونکہ مسجد تک تشریف لے جانے کی طاقت نہ تھی اس لیے ارشاد عالی ہوتا کہ بلال رضی اللہ عنہ سے کہو کہ نماز کی تیاری کریں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں متعدد مرتبہ ایسا ہی ہوا (لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ طبعی طور پر نرم دل پیدا ہوئے تھے رقت اکثر طاری ہو جاتی تھی اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کا تعلق۔ ان کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی جانتی تھیں کہ میرے باپ سے آپؐ کی خالی جگہ نہ دیکھی جائے گی اس لیے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ میرا باپ ابو بکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھائیں گے تو رونے لگیں گے اور نماز پڑھانے کی طاقت نہیں رکھیں گے اس لیے کسی اور کو فرما دیجیے کہ نماز پڑھائیں اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعدد مرتبہ سوال و جواب پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم یوسف علیہ السلام کے قصہ والی عورتیں بننا چاہتی ہو؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔''

ف: اس قول کی شرح میں کہ تم یوسفؑ والی عورتیں ہو علماء کے چند اقوال ہیں اول یہ کہ تم سے مراد صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ان عورتوں سے مراد صرف زلیخا ہیں اور جمع کا لفظ تعظیمی محاورہ کے اعتبار سے فرما دیا۔ اس قول کے موافق۔

(ا) تشبیہ بے جا بات پر اصرار کرنے میں ہے کہ جیسا زلیخا نے ایک ناحق اور نامناسب بات پر حضرت یوسفؑ پر بہت زیادہ اصرار کیا ایسے ہی تم بھی بے جا بات پر اصرار کر رہی ہو۔

(ب) یہ کہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ جیسے زلیخا نے اپنی ملامت کرنے والیوں کو دعوت کے نام سے بلایا اور ظاہر یہ کیا کہ دعوت مقصود ہے۔ لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھ کر زلیخا کو معذور سمجھیں، ایسے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ظاہر تو یہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہیں وہ آپؐ کی جگہ پر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتے لیکن دل میں یہ ہے جیسا کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسری جگہ منقول ہے کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار مراجعت کرنے کا تقاضا اس وجہ سے ہو رہا تھا کہ میرے نزدیک

لوگ اس شخص کو کبھی بھی پسند نہ کریں گے' جو حضور اکرم ﷺ کی جگہ پر کھڑا ہو اور اس کو منحوس سمجھیں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ تم سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں اور حضرت یوسفؑ والی عورتوں سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو زلیخا نے دعوت کے نام سے بلایا تھا اس قول کے موافق بھی۔

(ا) تشبیہ بے جا بات پر اصرار میں ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بے جا بات پر اصرار فرما رہی تھیں۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس چیز پر اصرار کیا۔

(ب) یہ کہ تشبیہ وہی دل کے خلاف بات ظاہر کر کے اصرار میں ہے کہ (عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذہن میں تو یہ مضمون تھا کہ لوگ حضور اکرم ﷺ کی جگہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کھڑا ہوا دیکھیں گے تو نحوست کا وسوسہ کریں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی اپنی موافقت پر اصرار کرایا اور ان کے دل میں اپنے والد کی بڑھوتری ہو کہ نبی کی نیابت کا حق ادا کرنے کا واہمہ ہو اس لیے حضور اکرم ﷺ نے ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ والیوں کے ساتھ تشبیہ دی کہ وہ ظاہر میں تو حضرت یوسف علیہ السلام پر زلیخا کی موافقت کا اصرار کر رہی تھیں۔ لیکن در حقیقت ہر ایک اپنی طرف مائل کرنے کا انداز برت رہی تھی۔ بعض علماء نے وجوہ تشبیہ اور بھی بتلائی ہیں۔ چونکہ حدیث طویل تھی اس لیے اس فائدہ کو مختصر طور پر درمیان میں لکھ دیا آگے بقیہ حدیث کا ترجمہ آتا ہے اور کچھ فوائد بھی مختصر درمیان میں آ گئے۔ بعض روایات میں اس جگہ حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ اللہ جل شانہ اور مسلمان حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کو نہیں مانیں گے) امتثال حکم پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور حضور اکرم ﷺ کے وصال تک سترہ نمازیں ادا فرمائیں اس لیے کہ یہ قصہ جس کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے پنجشنبہ کی شام کا ہے کہ پنج شنبہ کے روز حضور اقدس ﷺ کی طبیعت مبارک زیادہ ناساز رہی اور جمعہ کی شب میں عشاء کی نماز کے وقت کی یہ تمام گفتگو ہے اور عشاء کی نماز سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھنا شروع کی اور دوشنبہ کے روز چاشت کے وقت حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا اس لیے کل سترہ نمازیں ہوئیں جو مسلسل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے شدت مرض کے ایام میں پڑھائیں۔ بندہ ناکارہ کے نزدیک چونکہ مرض کی ابتداء اس سے بہت پہلے سے تھی اس لیے حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان ایام میں بھی کبھی کبھی نماز پڑھائی دوران مرض میں ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ ہوا تو فرمایا دیکھو کوئی سہارا دے کر مسجد تک لے جانے والا ہے؟ اس ارشاد پر دو شخصوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک پکڑا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سہارے مسجد تک تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے کا ارادہ فرمایا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے منع فرما دیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نماز پوری کر دی بالآخر (دوشنبہ کے روز) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوپر یہ سخت وقت جس قدر بھی مشکل اور کٹھن تھا وہ ظاہر ہے منافقین اور مخالفین کے فتنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیئس سالہ باغ کی حفاظت اور ان سب کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی قدوسی ذات کی مفارقت اور اس محبوب کی جدائی جس کی بدولت گھر بار خویش و اقارب مال و متاع سب لٹا دیا تھا اور چونکہ آج صبح سے افاقہ کے آثار معلوم ہو رہے تھے جو درحقیقت سنبھالا تھا نہ کہ افاقہ۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر کا باوجود بہت جلد خبر مشہور ہو جانے کے بہت سے حضرات کو یقین نہیں آیا) چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (جیسے باعظمت اور قوی القلب آدمی بھی بایں فضل و کمال اور بایں شجاعت و ہمت تحمل نہ فرما سکے اور از خود رفتہ ہو کر برہنہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور) یہ فرمانے لگے کہ واللہ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا) جو شخص یہ کہے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے اس کی گردن اڑا دوں گا چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کسی نبی کی وفات کا پہلے سے تجربہ نہیں تھا کہ ان سے پہلے کوئی نبی نہیں ہوا تھا اور عام طور سے امی تھے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتب اور حالات بھی نہ پڑھ سکتے تھے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر سب ساکت ہو گئے کہ ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سالم سے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر لاؤ۔ (وہ ہی اس طغیانی کے وقت اس کشتی کو کنارہ لگائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افاقہ کی صورت دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے گھر والوں کی خبر لینے کے لیے اپنے مکان پر تشریف لے گئے ہوئے تھے جو تقریباً ایک میل دور تھا) سالم کہتے ہیں کہ میں روتا ہوا متحیرانہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میری مضطربانہ حالت دیکھ کر دریافت فرمایا کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا؟ میں نے اس کی اطلاع کی اور یہ بھی عرض کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ میں جس کو یہ کہتے ہوئے سنوں

گا کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوگیا ہے اس کی گردن اڑادوں گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ تشریف لائے اور مجمع کو ہٹا کر حضور اکرم ﷺ کے پاس تشریف لے گئے اور حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک پر گہری نظر ڈال کر آپ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور یہ آیت پڑھی ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ (اے محمد (ﷺ) بے شک تم بھی وفات پانے والے ہو اور سب دشمن بھی مرنے والے ہیں) صحابہ نے پوچھا کہ اے حضور اکرم ﷺ کے رفیق! کیا آپ کی وفات ہوگئی؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک آپ دار البقاء کو روانہ ہوگئے ہیں اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کو یقین ہوگیا۔ پھر انہوں نے (آپ سے دیگر امور دریافت کیے اس لیے کہ ہر ہر جزو میں احتمال خصوصیت تھا اس لیے) اول نماز جنازہ کے متعلق پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پڑھی جائے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کس طرح پڑھیں؟ (تمام اہل مدینہ مشتاق ہیں) آپ نے فرمایا کہ ایک جماعت حجرہ کے اندر جائے اور بلا جماعت نماز پڑھ کر چلی آوے اسی طرح سب لوگ نماز پڑھیں۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کیا حضور اکرم ﷺ دفن کیے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا یقیناً دفن کیے جائیں گے۔ انہوں نے پوچھا کہ کس جگہ قبر شریف بنائی جائے گی؟ آپ نے فرمایا جس جگہ آپ کا وصال ہوا ہے وہی جگہ مدفن ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کا وصال اسی جگہ فرمایا جو جگہ حق تعالیٰ کو پسندیدہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہر ہر بات پر اطمینان ہوتا رہا اور بے شک سچ فرمایا کہتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اہل بیت اور حضور اکرم ﷺ کے قریبی رشتہ داروں کو تجہیز و تکفین کے انتظام کا حکم فرمایا۔ (اور حفاظت اسلام اور رفع اختلافات کے لیے کسی شخص کو مدار رائے بنانے کی تجویز شروع ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب تلوار سونتے ہوئے کھڑے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوگیا اس کی گردن اڑادوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مقولہ پر تنبیہ فرمائی اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں کلام پاک کی آیت ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾ تلاوت فرمائی اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا ہو تو حضور اکرم ﷺ کا تو وصال ہو چکا لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا ہو تو اللہ جل جلالہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ لوگ سب کے سب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کی آواز سن کر منبر کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ایک

روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ دین کی حفاظت کے لیے ایک شخص کی ضرورت ہے جو اس کی نگرانی کرے اور اس کی حفاظت کرے تم لوگ اپنی اپنی رائیں اس بارے میں بتاؤ) مہاجرین نے آپس میں مشورہ کیا پھر یہ تجویز ہوا کہ انصار کی شرکت بھی اس مشورہ میں ضروری ہے ان کی شرکت سے کوئی امر قرار پانا چاہیے اس لیے ان کی مجلس میں یہ حضرات گئے وہاں یہ مسئلہ پہلے سے چھڑا ہوا تھا۔ انصار نے یہ تجویز کی کہ انصار میں ایک امیر مستقل ہو اور مہاجرین میں علیحدہ علیحدہ امیر ہو (اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد الائمة من قریش امیر قریش میں سے ہو نقل کیا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کون ہے وہ شخص جس کے لیے ایک ہی واقعہ میں تین فضیلتیں ہوں چہ جائیکہ اور فضائل؟ اور پھر یہ تین بھی ایسی کہ جن میں ہر ایک کمال فضل پر دال ہو۔ اول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتحاد و ارتباط اور تنہائی کے وقت ساتھ دینا جس کو حق تعالیٰ ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ سے ارشاد فرما رہے ہیں۔ دوسرے حق تعالیٰ شانہ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی اور رفیق فرما رہے ہیں۔ تیسرے اللہ جل شانہ کی معیت کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ﴿ان اللہ معنا﴾ اللہ ہمارے ساتھ ہے فرمایا اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں حضرات وہاں تھے جن کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ فرمایا۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ دو کون تھے جن کا آیت میں ذکر ہے؟ کس قدر بڑی ذات ہے ان دونوں حضرات کی (یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر کونسی ہستی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ اور بھی گفتگو درمیان میں ہوتی رہی جو مختلف روایات میں وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے انصار کی جماعت! تمہیں معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مصلیٰ پر کھڑا کیا اور بیماری کے زمانہ میں حکماً نماز پڑھوائی تم میں سے کون گوارہ کر سکتا ہے کہ ایسے شخص کو امامت سے ہٹائے جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بنایا ہو انصار نے کہا اللہ کی پناہ ہم حضرت ابوبکر کے آگے نہیں بڑھ سکتے) اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لیے ہاتھ پھیلا دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اس کے بعد سقیفہ کے سب لوگوں نے برضا و رغبت بیعت کی۔

ف: یہ ابتدائی بیعت تھی جو انصار کی مجلس میں ہوئی اس کے بعد دوسرے دن مسجد نبوی میں بیعت

عامہ ہوئی جس میں اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل بھی تھے اور دیگر امور ارشاد فرمایا اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم میں کبھی بھی خلیفہ بننے کا خواہش مند نہیں ہوا۔ نہ مجھے کبھی اس کی ترغیب ہوئی نہ کبھی بھی پوشیدگی میں یا علانیہ اس کے حصول کی دعا کی۔ اپنے انکار پر امت میں فتنہ پیدا ہو جانے کے ڈر سے میں نے اس کو قبول کیا ہے مجھے اس میں کوئی راحت نہیں ہے اور جو کام مجھ پر ڈال دیا گیا میری طاقت سے باہر ہے۔ اللہ ہی کی مدد سے کچھ کام چل سکتا ہے۔

**(۱۳) حدثنا نصر بن علی حدثنا عبداللہ بن الزبیر شیخ باھلی قدیم بصری حدثنا ثابت البنانی عن انس بن مالکؓ قال لَمَّا وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ کَرْبِ الْمَوْتِ مَا وَجَدَ فَقَالَتْ فَاطِمَۃُ وَا کَرْبَاہُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا کَرْبَ عَلٰی اَبِیْكِ بَعْدَ الْیَوْمِ اَنَّہٗ قَدْ حَضَرَ مِنْ اَبِیْكِ مَا لَیْسَ بِتَارِكٍ مِنْہُ اَحَدًا نِ الْوَفَاۃُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ**

”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مرض الوفات کی سخت تکلیف برداشت فرما رہے تھے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ہائے ابا کی تکلیف۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے بعد تیرے باپ پر کچھ تکلیف نہیں رہے گی بے شک آج تیرے باپ پر وہ اٹل چیز اتری ہے یعنی موت جو قیامت تک کبھی کسی سے ٹلنے والی نہیں۔“

ف: ہائے کا لفظ عربی میں اظہار افسوس کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے مقصود رنج کا اظہار ہے۔

**(۱۴) حدثنا ابوالخطاب زیاد بن یحیی البصری ونصر بن علی قالا حدثنا عبدربہ بن بارق الحنفی قال سمعت جدی ابا امی سماك بن ولید یحدث انہ سمع ابن عباسؓ یحدث اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ کَانَ لَہٗ فَرَطَانِ مِنْ اُمَّتِیْ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِھِمَا الْجَنَّۃَ فَقَالَتْ لَہٗ عَائِشَۃُ فَمَنْ کَانَ لَہٗ فَرَطٌ مِنْ اُمَّتِكَ قَالَ وَلِمَنْ کَانَ لَہٗ فَرَطٌ یَا مُوَفَّقَۃُ قَالَتْ فَمَنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ فَرَطٌ مِنْ اُمَّتِكَ قَالَ فَاَنَا فَرَطٌ لِّاُمَّتِیْ لَنْ یُّصَابُوْا بِمِثْلِیْ**

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دو بچے ذخیرہ آخرت بن جائیں تو حق تعالیٰ شانہ ان کی بدولت اس کو ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کا ایک ہی بچہ

ذخیرہ بنا ہو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کا ایک ہی بچہ چل دیا ہو وہ بخش دیا جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ جس کا ایک بھی بچہ نہ مرا ہو تو؟ آپ نے فرمایا کہ ان کے لیے میں ذخیرہ آخرت بنوں گا۔ اس لیے میری وفات کا رنج آل و اولاد سب سے زیادہ ہوگا۔"

ف: یقیناً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی ایسی ہی چیز ہے کہ ماں باپ، اعزہ، احباب بیوی، اولاد ہر شخص کی جدائی اور موت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی اور وفات کے مقابلہ میں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اس لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو میری جدائی کی مصیبت سے تسلی حاصل کرے۔ یعنی یہ سوچے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کو صبر کر لیا تو اس کے مقابلہ میں یہ کیا حقیقت رکھتی ہے۔

○○○

# باب ما جاء فی میراث رسول اللہ ﷺ

## باب حضور اقدس ﷺ کی میراث کا ذکر

ف: اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سات حدیثیں ذکر فرمائی ہیں سب کا حاصل یہی ہے کہ آپ ؐ کا جملہ متروکہ مال صدقہ ہے وہ وارثوں پر تقسیم نہیں ہوگا۔ یہ علماء کا اجماعی مسئلہ ہے اس میں کسی عالم کا بھی اہل سنت والجماعت میں اختلاف نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ترکہ میں وراثت نہ تھی البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم حضور اقدس ﷺ کے ساتھ خاص تھا یا تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی حکم ہے جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ تمام انبیاءؑ کا یہی حکم ہے کہ ان کے متروکہ مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا اس کی وجوہ میں علماء کے متعدد اقوال ہیں اور متعدد وجوہ ہونے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے مختصراً چند وجوہ لکھی جاتی ہیں۔

① انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں لہٰذا ان کی ملک باقی رہتی ہے اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی بیبیوں سے کسی کے نکاح کرنے کی قرآن پاک میں صاف لفظوں میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

② نبیؑ کی کوئی چیز زندگی میں بھی ملک نہیں ہوتی وہ متولیانہ تصرف کرتے ہیں صوفیہ میں بھی یہ مقولہ مشہور ہے الصوفی لا یملک صوفی مالک کسی چیز کا نہیں ہوتا۔ یہ مطلب نہیں کہ شرعاً مالک نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ان ناپائیدار چیزوں کو اپنی نہیں سمجھتا۔

③ دنیا کی ہر چیز اللہ کی ملک ہے اور نبی اللہ کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تصرف کرتا ہے۔

④ اگر انبیاءؑ کے مال میں میراث جاری ہو تو احتمال ہے کہ کوئی بدنصیب وارث مال کی طمع میں نبی کی ہلاکت کا ذریعہ بنے یا تمنا کرے اور دونوں چیزیں اس کی بربادی کا سبب ہوں گی۔

⑤ لوگوں کو یہ واہمہ نہ گزرے کہ نبوت کا دعویٰ مال جمع کرنے کے واسطے اور اپنے اہل وعیال کو مال دار چھوڑ کر جانے کے واسطے ہے۔

⑥ مال کے زنگ اور میل کچیل سے ان کی قدسی ذات کو محفوظ رکھنے کی وجہ سے ہے۔

⑦ نبیؑ تمام امت کے لیے بمنزلہ باپ کے ہے لہٰذا اس کا مال تمام اولاد کا مال ہے وغیرہ وغیرہ

اللہ کے احکامات کی حکمتیں بے نہایت ہوتی ہیں، آدمی اپنی اپنی سمجھ کے موافق حکمتوں کا بیان کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ نہ معلوم کتنی حکمتیں اللہ کے علم میں ہیں۔

**(۱) حدثنا احمد بن منیع حدثنا حسین بن محمد حدثنا اسرائیل عن ابی اسحق عن عمرو بن الحارثؓ اخی جویریة له صحبة قال مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا سِلَاحَهٗ وَبَغْلَتَهٗ وَاَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً**

''عمرو بن الحارثؓ جو ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکہ میں صرف ہتھیار اور اپنی سواری کا خچر اور کچھ حصہ زمین کا چھوڑا تھا اور ان کو بھی صدقہ فرما گئے تھے۔''

ف: چونکہ یہ چیزیں صدقہ کی حدود میں داخل ہو گئی تھیں۔ اس لیے ان میں میراث جاری نہیں ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمالی کپڑوں کا ذکر معمولی چیز ہونے کی وجہ سے نہیں کیا گیا۔

**(۲) حدثنا محمد بن المثنی حدثنا ابو الولید حدثنا حماد بن سلمة عن محمد بن عمرو عن ابی سلمة عن ابی هریرة قال جَاءَتْ فَاطِمَةُ اِلٰى اَبِىْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقَالَتْ مَنْ يَرِثُكَ فَقَالَ اَهْلِيْ وَوَلَدِيْ فَقَالَتْ مَا لِيْ لَا اَرِثُ اَبِيْ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا نُوْرَثُ وَلٰكِنِّيْ اَعُوْلُ عَلٰى مَنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْلُهٗ وَاُنْفِقُ عَلٰى مَنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ**

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائیں اور دریافت فرمایا کہ تمہارا کون وارث ہوگا؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے اہل وعیال۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا پھر میں اپنے والد کے متروکہ کی وارث کیوں نہیں بنی؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ البتہ (میں وقف کا متولی ہونے کی وجہ سے) جن لوگوں کا روزینہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرما رکھا تھا اس کو میں بھی ادا کروں گا۔ اور جن لوگوں پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فرمایا کرتے تھے، ان پر میں بھی خرچ کروں گا۔''

ف: بظاہر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ خیال فرماتی تھیں کہ بادشاہ ہونے کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مال کو ترکہ میراثی قرار نہیں دیا گیا اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا بھی

کوئی وارث ہوگا یا نہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرعی مسئلہ کے موافق جواب مرحمت فرمادیا ورنہ ان کی اپنی وصیت کے موافق جس میں انہوں نے فرمایا کہ اس مال کو بیت المال میں واپس کر دینا۔ اس کے موافق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی کوئی وارث نہیں ہوا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا مشہور حدیث ہے جو مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔ بعض روایات میں اتنا ہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ ہم انبیاءؑ کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسوّیٰ میں لکھا ہے کہ یہ مضمون کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث نہیں ہے دس صحابہ سے زیادہ حضرات سے منقول ہے۔

**(۳) حدثنا محمد بن المثنی حدثنا یحیی بن کثیر العنبری ابو غسان حدثنا شعبة عن عمرو بن مرة عن ابی البختری اَنَّ الْعَبَّاسَؓ وَعَلِيًّاؓ جَاءَ اِلٰی عُمَرَؓ يَخْتَصِمَانِ يَقُوْلُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا لِصَاحِبِهٖ اَنْتَ كَذَا اَنْتَ كَذَا فَقَالَ عُمَرُ لِطَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ وَعَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدٍ اَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ اَسَمِعْتُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّ مَالِ نَبِيٍّ صَدَقَةٌ اِلَّا مَا اَطْعَمَهٗ اِنَّا لَا نُوْرَثُ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ**

''ابوالبختری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے پاس تشریف لائے۔ ہر ایک دوسرے پر اعتراض کر رہا تھا اور اس کو انتظام کے ناقابل بتا رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ان سب حضرات کو متوجہ فرما کر یہ فرمایا کہ تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم سب نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا کہ نبی کا تمام مال صدقہ ہوتا ہے بجز اس کے جو وہ اپنے اہل کو کھلائے ہم انبیاءؑ کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے؟ اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔''

ف: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود صرف میراث نہ ہونے کا ذکر تھا وہ حاصل ہوگیا تھا اس لیے پورا قصہ طویل ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں فرمایا۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ذرا تفصیل سے ذکر کیا اور تھوڑا سا ذکر کرنے کے بعد مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر جو نمبر ۶ پر آ رہی ہے حوالہ کر دیا اس لیے کہ مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت مشہور تھی۔ حدیث کی سب کتابوں میں کثرت سے ذکر کی گئی۔ بخاری شریف' مسلم شریف اور خود ابوداؤد شریف میں مفصل مذکور تھی اس لیے ایک قصہ کو پورا کا پورا ہر

جگہ ذکر کرنا تطویل کا سبب تھا۔ ابوداؤد شریف کی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ ابوالبختریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے ایک حدیث سنی جو مجھے بہت پسند آئی میں نے ان سے درخواست کی کہ یہ حدیث مجھے لکھ دیجیے تو وہ ایک نہایت پختہ تحریر لائے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ شخص غالباً مالک بن اوس رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ اس تحریر میں یہ لکھا تھا کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم پہلے موجود تھے۔ وہ دونوں حضرات یعنی حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آپس میں جھگڑ رہے تھے یعنی ایک دوسرے کو بدنظمی کا الزام دے رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ چاروں حضرات کو مخاطب بنا کر یہ دریافت فرمایا کیا تم لوگ یہ نہیں جانتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ نبی کا ہر مال صدقہ ہوتا ہے مگر وہ مال جو وہ اپنے اہل وعیال کو کھلائے یا پہنائے اس لیے کہ ہم لوگوں کا (یعنی انبیاء علیہم السلام) کا کوئی وارث نہیں ہوتا؟ ان چاروں حضرات نے اقرار کیا کہ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں اس میں سے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے رہے اور جو بچ جاتا تھا اس کو صدقہ کر دیتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور اپنی دو سالہ زندگی میں وہی عمل درآمد کرتے رہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ اس کے بعد امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے قریب قریب آگے سارا قصہ ہے۔

**(۴) حدثنا محمد بن المثنی حدثنا صفوان بن عیسٰی عن اسامة بن زید عن الزهری عن عروة عن عائشةؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ**

"حضرت عائشہؓ سے بھی یہی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم انبیاءؑ کی جماعت جو مال چھوڑتی ہے وہ صدقہ ہوتا ہے۔"

ف: یعنی صدقات کے مواقع میں خرچ کیا جاتا ہے۔

**(۵) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی حدثنا سفیان عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لَا يَقْسِمُ وَرَثَتِيْ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِيْ وَمُؤْنَةِ عَامِلِيْ فَهُوَ صَدَقَةٌ**

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے ورثہ

دینار اور درہم تقسیم نہ کریں۔ میرے ترکہ میں سے اہل وعیال کا نفقہ اور میرے عامل کا نفقہ نکالنے کے بعد جو کچھ بچے وہ صدقہ ہے۔''

ف: عامل سے مراد وہ شخص بھی بتلایا ہے جو حضور اکرم ﷺ کے بعد خلیفہ وقت ہونے والا ہے۔ اور وہ بھی کہا گیا ہے جو زمینوں کی پیداوار جمع کر کے لانے والا ہو۔ یعنی ان زمینوں کا منتظم اور نگران ہو' دونوں متحمل ہیں کہ خلیفہ کی تنخواہ بھی بیت المال کے ذمہ ہے۔ اور ہر وقف کے نگران اور منتظم کو اس وقف سے حق الخدمت لینے کا حق ہے۔ دینار و درہم کی تخصیص مقصود نہیں ہے' تمثیل کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ یہ کہہ دیا جائے کہ روپیہ پیسہ تقسیم نہ کریں کہ اور چیزیں بطریق اولیٰ داخل ہو گئیں۔ یا یہ کہا جائے کہ تقسیم ہمیشہ قیمت لگا کر ہوتی ہے جو روپیہ پیسہ کی طرف لوٹ آئے۔

**(٦) حدثنا الحسن بن علی الخلال حدثنا بشر بن عمر قال سمعت مالك بن انسؓ عن الزهری عن مالك بن اوس بن الحدثان قال دَخَلْتُ عَلٰی عُمَرَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَطَلْحَةُ وَسَعْدٌ وَجَآءَ عَلِیٌّ وَالْعَبَّاسُ يَخْتَصِمَانِ فَقَالَ لَهُمْ عُمَرُ اَنْشُدُكُمْ بِالَّذِیْ بِاِذْنِهٖ تَقُوْمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ فَقَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ وَفِی الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ**

''مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے پاس عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ' اور طلحہؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ بھی تشریف لائے (اس کے تھوڑی دیر بعد) حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جھگڑتے ہوئے تشریف لائے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب حضرات کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس ذات پاک کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں۔ کیا تمہیں حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کا علم ہے کہ ہم انبیاءؑ کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم ترکہ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔ ان سب حضرات نے فرمایا کہ بے شک یہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔''

ف: یہ وہی قصہ ہے جس کی طرف نمبر ۳ پر ابوالبختری کی روایت میں بھی اشارہ گزرا ہے۔ قصہ طویل ہے اور حدیث کی تقریباً سب کتب میں مختصر یا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث سے اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ اور توضیح کے طور پر فتح الباری وغیرہ سے دوسری روایات میں جو

اضافے ہیں' وہ بھی بقدر ضرورت ساتھ ہی ذکر کیے جا رہے ہیں۔ مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں تھا' دن کچھ چڑھ گیا تھا' کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاصد مجھے بلانے آیا' میں حاضر خدمت ہوا تو حضرت عمرؓ ایک بوریے پر بیٹھے ہوئے تھے' جس پر کوئی اور کپڑا بچھا ہوا نہ تھا' میں سلام کر کے بیٹھ گیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہاری قوم کے ضرورت مند لوگ آئے تھے میں نے ان کو کچھ دینے کو کہہ دیا ہے۔ تم اس کو لے جا کر ان پر تقسیم کر دو' یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ آپ کے خادم جن کا نام یرفا تھا' حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت عثمان' عبدالرحمٰن بن عوف' زبیر' سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم حاضری کی اجازت چاہتے ہیں' بعض روایات میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضری کی اجازت دے دی' یہ حضرات تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں یرفا دوبارہ آئے اور عرض کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت فرما دی اور دونوں حضرات تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے اور اس ظالم کے درمیان میں فیصلہ کر دیجیے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ظالم کے علاوہ اور بھی کچھ سخت لفظ کہے۔ دونوں حضرات میں آپس میں سخت کلامی ہو گئی۔ حضرت عثمان وغیرہ حضرات جو پہلے سے بیٹھے تھے' انہوں نے ان کی تائید و سفارش کی کہ آپ ان کا فیصلہ ضرور کر دیجیے۔ اور ایک کو دوسرے سے نجات دیجیے۔ مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے' مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے ان کی سفارش اور تائید کے انداز سے یہ خیال ہوا کہ ان دونوں حضرات نے ان سب حضرات کو اپنی تائید ہی کے لیے آگے بھیجا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو اس کے بعد اس جماعت کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ تم کو اس پاک ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ کیا تم کو معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں صدقہ ہوتا ہے۔ اس جماعت نے اقرار کیا کہ بے شک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات عباس اور علی رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اسی طرح ان سے قسم دے کر دریافت فرمایا ان دونوں حضرات نے بھی اس کا اقرار کیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غور سے سنو۔ اللہ جل شانہ نے یہ فئے کا مال (باغ وغیرہ) مخصوص طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا' کسی دوسرے کی اس میں شرکت نہ تھی۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے لیے مخصوص نہیں فرمایا' بلکہ تم لوگوں پر مخصوص فرمایا اور بہت تھوڑا سا حصہ زمین کا اپنے اور اپنے عیال کے گزران کے لیے رکھا۔ اور اس

میں بھی گھروں میں تھوڑا سا دینے کے بعد جو بچتا وہ اللہ کے راستے میں خرچ فرما دیتے تھے۔ میں تم لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا ایسے ہی تھا یا نہیں؟ اول ان پانچوں حضرات کو قسم دے کر ان سے ان کی تصدیق کرائی۔ اس کے بعد ان دونوں حضرات سے قسم دے کر تصدیق کرائی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنے اور انہوں نے اس سب پیداوار میں اسی طرز کو جاری رکھا' جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ اور اللہ پاک کی قسم ابوبکرؓ اپنے اس رویہ میں نیکی پر تھے' راہ راست پر تھے۔ حق کا اتباع کرنے والے تھے۔ لیکن تم لوگوں نے ان کو چناں چنیں سمجھا۔ تم (حضرت عباس) اپنے بھتیجے (صلی اللہ علیہ وسلم) کی میراث طلب کرنے آئے اور تم (حضرت علی) اپنی بیوی کے حصہ کا مطالبہ کرنے آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا سنایا تم نے ان کی بات کو صحیح نہ سمجھا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور میں خلیفہ بنا۔ اور اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے موافق اس میں عمل کرتا رہا۔ اور جل شانہ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے اس طرز عمل میں سچا ہوں' نیکی پر عمل کرنے والا ہوں' حق کا اتباع کرنے والا ہوں۔ اس کے بعد تم دونوں میرے پاس آئے۔ اور وہی ایک کلمہ ایک بات بھتیجے کی میراث کا مطالبہ اور بیوی کا حصہ' میں نے تم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا سنا دیا۔ اس کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ بطور تولیت کے تمہارے حوالے کر دوں۔ تو میں نے تم سے عہد و پیمان لیا کہ تم اس میں اسی طرح عمل درآمد کرو گے جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عمل کیا۔ اور دو برس تک میں خود عمل کرتا رہا ہوں۔ تم نے اس کو قبول کیا۔ اور اس طرح میں نے اس کو تمہارے حوالہ کیا۔ تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا میں نے اسی طرح حوالہ نہیں کیا تھا؟ اس جماعت نے بھی اس کا اقرار کیا اور ان دونوں حضرات نے بھی اس کا اقرار کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب تم اس کے خلاف فیصلہ کرانا چاہتے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں' اس کے خلاف ہرگز فیصلہ نہ کروں گا۔ اگر تم اس کے انتظام سے عاجز ہو' تو مجھے واپس کر دو' میں خود انتظام کر لوں گا۔ یہ ہے وہ طویل قصہ جس کی طرف امام ترمذیؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث میں طویل قصہ ہے۔ اس میں چند امور قابل لحاظ ہیں۔

۱۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ظالم وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا۔ اور دونوں حضرات میں سخت کلامی ہوئی۔ یہ چیز بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے مگر ایک تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت

علی رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں۔ اس حیثیت سے ان کو تنبیہ کا حق ہے۔ دوسرے جب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ناحق پر سمجھ رہے ہیں جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ تو ان کے فعل کو ظلم سمجھنا چاہیے۔

۲۔ یہ کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث معلوم تھی جیسا کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال پر اقرار کیا' تو پھر کیوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا اور کیوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ پہلے سے معلوم نہ تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہنے سے معلوم ہوئی تو پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس حدیث کی وجہ سے انکار فرما چکے تھے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دوبارہ کیوں سوال کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تو یقیناً ان کو معلوم تھی۔ مگر بظاہر اس حدیث کو وہ مخصوص سمجھتے تھے مثلاً درہم اور دینار ہی کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہوں جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں ان دونوں کا ذکر آ چکا ہے لیکن اور سب حضرات کے نزدیک سب چیزوں کو شامل ہے جیسا کہ بہت سی حدیثوں میں جو کچھ چھوڑوں وہ صدقہ ہے کا لفظ آیا ہے۔ اس صورت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اولاً سوال پہلے اس خیال کے موافق ہو کہ یہ حضرات اس کو خصوصیت سمجھتے تھے اور اس کے بعد دوبارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان سے سوال اس خیال سے ہو کہ شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ان دونوں حضرات کے موافق ہو۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس کو مخصوص خیال فرماتے ہیں۔ لیکن مطالبہ کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے بھی وہی ہے جو اور سب حضرات کی ہے۔ اور حدیث کے الفاظ کا ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ ارشاد سب چیزوں کو شامل ہے' کسی چیز کی تخصیص نہیں یہاں ایک نہایت اہم اور ضروری چیز یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ جب حضرات شیخین کے متعلق ہم جو لوگ یہ سمجھے ہیں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کی وجہ سے میراث تقسیم کرنے سے معذور و مجبور تھے۔ اور باوجود ان حضرات کے اصرار کے تقسیم نہ فرمایا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ان اکابر کی شان میں کسی قسم کا سوء ظن کرنا کہ حب مال کی وجہ سے بار بار اصرار کرتے تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اوصاف اور صریح ارشاد کے خلاف عمل چاہتے تھے انتہائی بے ادبی ہے۔ ان کا اصرار اس وجہ سے تھا کہ یہ حضرات اس کو ایک شرعی حق سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے اپنی تحقیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مخالفت کرنے والوں پر انکار کرتے تھے۔ جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس کلام سے

ظاہر کیا کہ تم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو چناں چنیں سمجھا۔

۳۔ یہ کہ جب حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے انکار پر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کہ ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا۔ ان دونوں حضرات نے متفقہ طور پر اپنی ولایت میں لے لیا تھا۔ تو اب آپس میں جھگڑا پیدا ہونے کی کیا وجہ ہے جس کی وجہ سے آپس میں سخت کلامی کی نوبت آئی؟ اور اب تقسیم کی استدعا کس وجہ سے تھی جب کہ پہلے ہی سے تقسیم کا انکار ہوتا چلا آیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز تو متحقق ہوگئی تھی کہ اس میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے حضرات شیخین نے بھی انکار کر دیا تھا اور ان حضرات نے قبول بھی کر لیا تھا۔ اس کے باوجود پھر ان دونوں حضرات کا آپس میں تقسیم کے مطالبہ کی وجہ سے اختلاف کیوں تھا؟ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ وجہ ارشاد فرمائی تھی کہ کیفیت خرچ میں دونوں حضرات میں کثرت سے اختلاف ہوتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت منتظم اور مدبر تھے' دور اندیش تھے وہ ہر مال کو نہایت احتیاط سے خرچ فرمانا چاہتے تھے۔ اور ضرورت کے مواقع کے لیے پس انداز اور ذخیرہ فراہم رکھنا چاہتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نہایت فیاض اور سخی' زاہد اور متوکل تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز کے موافق جو آیا فوراً تقسیم کرا دینا چاہتے تھے کہ ایک درہم بھی باقی نہ بچے۔ اس وجہ سے دونوں حضرات میں ہر وقت کشاکش پیش آتی تھی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں دار قطنی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ان حضرات کا آپس کا اختلاف میراث کے بارے میں نہیں تھا۔ بلکہ تولیت اور مصارف کے بارے میں تھا کہ اس پیداوار کو کس طرح صرف کیا جائے۔ امام ابوداؤد نے لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات کی درخواست یہ تھی کہ اس مال کو دونوں میں نصف نصف تقسیم کر دیا جائے نہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بعد اب میراث کا مطالبہ کیا تھا۔

یہ کہ جب یہ حضرات تولیت علیحدہ کرنا چاہتے تھے میراث نہیں چاہتے تھے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیا مانع تھا؟ اس میں بظاہر کوئی اشکال نہ تھا کہ ہر ایک کا تولیت نامہ علیحدہ ہوتا۔ وہ اپنی رائے سے اپنی پیداوار کو جلد یا بدیر تقسیم کرتا۔ اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ اس صورت میں بعد میں میراث بن جانے کا احتمال تھا اور اس پر استدلال کی گنجائش ملتی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے پہلے فیصلے سے رجوع کر لیا۔ اس لیے کہ دونوں میں نصف نصف تقسیم ہی میراث کی تقسیم تھی کہ آدھا بیٹی کا حصہ ہے اور آدھا عصبہ ہونے کی وجہ سے چچا کا۔ اس لیے اگر یہ فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منظور فرما لیتے تو بعد میں آنے

والوں کو اس جائیداد کے میراث ہونے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ہی دلیل اور حجت بن جاتا۔

۵۔ یہ کہ ابتداءً ان حضرات اہل بیت کا خیال اگرچہ یہی تھا کہ یہ میراث ہے اور اسی لیے اس کا حضرات شیخین کی رائے کے موافق ہوگئی تھی۔ اس لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کو اسی طرح باقی رکھا ورنہ اگر وہ میراث سمجھتے تھے تو اپنی خلافت کے زمانہ میں اس کی تقسیم کر دیتے۔ ابتدا میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی مشترک تولیت رہی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے علیحدگی اختیار فرمائی۔ تنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں رہی' پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے' پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پھر علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے۔ [فتح الباری]

یہ چند ضروری ابحاث مختصر طور پر اس قصہ کے متعلق ذکر کر دی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ابحاث اس میں ہیں جن کو اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا گیا۔

**(۷) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی حدثنا سفیان بن عاصم بن بَهْدَلة عن ذر بن حبیش عن عائشة قالت مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّلَا شَاةً وَّلَا بَعِيْرًا قَالَ وَاَشُكُّ فِي الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ**

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم' نہ بکری نہ اونٹ۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے غلام اور باندی کے ذکر میں شک ہوگیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ نہ غلام نہ باندی' یا نہیں فرمایا۔''

ف: کسی نقل کرنے والے کو اس روایت میں تردد ہوگیا۔ اس لیے انہوں نے اس پر متنبہ کر دیا۔ دوسری روایات میں اس کی تصریح ہے کہ نہ غلام نہ باندی۔

# باب ما جاء فی رؤیة رسول الله ﷺ فی المنام

## باب حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھنے کا تذکرہ!

ف: خواب کی حقیقت کیا ہے اور یہ واقعی چیز ہے یا مجرد خیالات ہیں؟ طویل بحثیں ہیں جو اس جگہ کے مناسب نہیں ہیں۔ مثلاً اطباء کا قول ہے کہ آدمی کے مزاج میں جس خلط کا غلبہ ہوتا ہے اس کے مناسبات خیال میں آتے ہیں جیسے کسی کا مزاج بلغمی ہو تو پانی اور اس کے متعلقات دریا، سمندر، پانی میں تیرنا وغیرہ دیکھے گا اور جس کے اندر صفراء کا غلبہ ہو وہ آگ اور اس کے متعلقات دیکھے گا یا ہوا میں اڑنا وغیرہ اسی طرح دوسرے اخلاط دم اور سوداء کا حال ہے فلاسفہ کے نزدیک جو واقعات عالم میں رونما ہوتے ہیں ان کی صورت مثالیہ فوٹو کی طرح علم بالا میں منقوش ہے اس لیے نفس کے سامنے ان میں سے کوئی چیز آتی ہے تو اس کا انعکاس ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ اقوال مختلفہ ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک یہ تصورات ہیں جن کو حق تعالیٰ بندہ کے دل میں پیدا کرتے ہیں اور جو کبھی بواسطہ فرشتہ پیدا کیے جاتے ہیں اور کبھی شیطان کے ذریعہ سے۔ علماء نے لکھا ہے کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے ایک تو اس فرشتہ کے تصرف سے ہوتا ہے جو اس پر مقرر ہے یہ حق ہوتا ہے اور دوسرا شیطانی اثر سے ہوتا ہے کہ شیطان اپنے تصرف سے کچھ مثالیں اور تصویریں دکھاتا ہے۔ تیسرے نفسانی خطرات بھی اس کا سبب ہوتے ہیں کہ جس قسم کے خیالات جاگتے میں آتے ہیں وہی سوتے ہوئے دل میں گزرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے پاک ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ابوداؤد شریف میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ذکر کیا ہے کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک رویائے صالحہ یعنی مبارک خواب، یہ اللہ کی طرف سے بشارت ہوتی ہے۔ دوسرا ڈراونا خواب جو شیطان کی طرف سے رنج پہنچانا ہوتا ہے۔ تیسرا وہ خواب جو آدمی کے اپنے وساوس ہوتے ہیں۔ علمائے تعبیر نے لکھا ہے کہ جو فرشتہ خواب دکھانے پر متعین ہے اس کا نام صدیقون ہے جو مثالوں سے آدمی کو خواب کی شکل سمجھاتا ہے۔ یہ عام خواب کے متعلق ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی زیارت اگر خواب میں ہو تو وہ تصرفات شیطانی سے خالی ہوتی ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد متعدد احادیث میں آ رہا ہے کہ جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھی کو خواب میں دیکھا۔ اس لیے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ میری صورت بنا لے۔ اس کے

باوجود اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ایسی طرح کرے کہ حضور اکرم ﷺ کے شان کے مناسب نہیں ہے۔ مثلاً جو حلیہ شریف آپ کا شروع کتاب میں گزرا ہے اس کے خلاف دیکھے یا کوئی اور ایسی بات دیکھے جو آقائے نامدار ﷺ کی بیماری یا پریشانی وغیرہ کو ظاہر کرے یا کسی ایسے کام کا حکم کرتے یا منع کرتے ہوئے دیکھے جو خلاف شرع ہو یا شان نبوی ﷺ کے مناسب نہ ہو تو وہ دیکھنے والے کی غلطی کوتاہی اور قصور کی بناء پر ہوتا ہے اس کو شراح ومشائخ آئینہ سے تشبیہ دیا کرتے ہیں کہ ایک شے کو اگر سرخ آئینہ میں دیکھو تو سرخ نظر آتی ہے اور سبز میں سبز ایسے ہی سیاہ سفید اور لمبی چوڑی۔ غرض مختلف الانواع نظر آتی ہے۔ اسی طرح خواب میں ذات تو نبی کریم ﷺ ہی کی نظر آتی ہے لیکن اس ذات اقدس کے ساتھ جو احوال اور اوصاف نظر آتے ہیں وہ خواب دیکھنے والے کے تخیل اور ادراک کا اثر ہے کہ جس قسم کے احوال دیکھنے والے کے ہوں گے ویسے ہی صفات کے ساتھ زیارت نصیب ہوگی۔ مثلاً بعض صوفیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص خواب میں دیکھے کہ نبی کریم ﷺ اس کو دنیا کمانے کی ترغیب دے رہے ہیں تو اس میں دیکھنے والے کی ظلمت کا شمول ہے کہ وہ کسی مکروہ فعل کے ارتکاب میں بلا ارادہ مبتلا ہے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں سات حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

**(۱) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدی حدثنا سفیٰن عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن عبداللّٰہ عن النبی ﷺ قَالَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ**

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھی کو دیکھا ہے اس لیے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔''

**(۲) حدثنا محمد بن بشار ومحمد بن المثنی قالا حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن ابی حصین عن ابی صالح عن ابی هریرةؓ قال قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَصَوَّرُ اَوْ قَالَ لَا یَتَشَبَّهُ بِیْ**

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی آپ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے حقیقتاً مجھی کو دیکھا ہے اس لیے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔''

ف: حق تعالیٰ جل شانہ نے جیسا کہ عالم حیات میں حضور اقدس ﷺ کو شیطان کے اثر سے محفوظ

فرمادیا تھا ایسے ہی حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی شیطان کو یہ قدرت مرحمت نہیں فرمائی کہ وہ آپ کی صورت بنا سکے۔ یہ امر طے شدہ ہے کہ اس کے بعد یہ بحث ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ذات مبارک بعینہٖ نظر آتی ہے یعنی یہ کہ دیکھنے والے میں اپنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ذات اقدس کی زیارت اپنی جگہ پر کرے یا صورت مثالی کی زیارت ہوتی ہے جیسے کوئی شخص آڑ میں بیٹھ کر اپنے سامنے ذرا فصل سے ایک بڑا آئینہ رکھ لے اور دوسرا شخص جو اس آڑ کے پیچھے ہے جو اس آئینہ کو دیکھے تو اس آئینہ میں اس بیٹھنے والے شخص کی مثال ہوگی بعینہٖ اس کی ذات آئینہ میں نہیں آ رہی ہے۔ صوفیہ کا قول ہے کہ دونوں طرح زیارت ہوتی ہے بعض لوگوں کو بعینہٖ ذات اقدس کی زیارت ہوتی ہے اور بعض کو آئینہ کی طرح مثال کی' یہی وجہ ہے کہ بعض مرتبہ دوسرے لوگوں کی صورت میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت ہوتی ہے کہ گویا وہ آئینہ ہے نبی کریم ﷺ کی صورت کا۔

**(۳) حدثنا قتیبة حدثنا خلف بن خلیفة عن ابی مالك الاشجعی عن ابیه قال قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ قال ابو عیسٰی و ابومالك هذا هو سعد بن طارق بن اشیم وطارق ابن اشیم هو من اصحاب النبی ﷺ وقد روی عن النبی ﷺ احادیث وسمعت علی بن حجر یقول قال خلف بن خلیفة رایت عمرو بن حریثؓ صاحب النبی وانا غلام صغیر**

''طارق بن اشیم سے بھی یہ ارشاد نبویؐ منقول ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھی کو دیکھا اس لیے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔''

ف: ان روایات پر یہ اشکال کہ نبی کریم ﷺ کی ایک ہی وقت میں مختلف شہروں میں' مختلف ملکوں میں' مختلف لوگ زیارت کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ بیک وقت کہاں کہاں تشریف لے جا سکتے ہیں؟ کچھ وقعت نہیں رکھتا اس لیے کہ مختلف لوگوں کی زیارت کے لیے ضروری نہیں کہ حضور اکرم ﷺ سب جگہ تشریف لے جائیں بلکہ ایک ہی جگہ سے سب کو زیارت ہو سکتی ہے کہ آفتاب اپنی جگہ قائم ہے اور مختلف لوگ دور دور کے شہروں سے اس کو دیکھتے ہیں اور پھر جس قسم کی عینک سبز' سرخ' سیاہ لگا کر دیکھیں گے آفتاب ویسا ہی نظر آئے گا حالانکہ آفتاب ایک ہی صورت پر ہے۔

**(۴) حدثنا قتیبة هو ابن سعید حدثنا عبدالواحد بن زیاد عن عاصم بن کلیب حدثنی ابی انه سمع ابا هریرةؓ یقول قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ**

وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُنِیْ قَالَ اَبِیْ فَحَدَّثْتُ بِهٖ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ قَدْ رَاَیْتُهٗ فَذَکَرْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ فَقُلْتُ شَبَّهْتُهٗ بِهٖ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّهٗ کَانَ یُشْبِهُهٗ

''کلیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک سنایا کہ جو مجھے خواب میں دیکھے وہ حقیقتاً مجھی کو خواب میں دیکھتا ہے اس لیے کہ شیطان میرا ہم شبیہ نہیں بن سکتا۔ کلیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ مجھے خواب میں زیارت اقدس میسر ہوئی اس وقت مجھے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا خیال آیا میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں نے اس خواب کی صورت کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صورت کے بہت مشابہ پایا۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تصدیق فرمائی کہ واقعی حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے بہت مشابہ تھے۔''

ف: بعض روایات میں آیا ہے کہ سینہ اور اس کے اوپر کا حصہ بدن کا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھا اور بدن کا نیچے کا حصہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مشابہ تھا۔

**(۵) حدثنا محمد بن بشار حدثنا ابن ابی عدی ومحمد بن جعفر قالا حدثنا عوف بن ابی جمیلة عن یزید الفارسی وکان یکتب المصاحف قال رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ زَمَنَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اِنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی النَّوْمِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّتَشَبَّهَ بِیْ فَمَنْ رَاٰنِیْ فِی النَّوْمِ فَقَدْ رَاٰنِیْ هَلْ تَسْتَطِیْعُ اَنْ تَنْعَتَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِیْ رَاَیْتَهٗ فِی النَّوْمِ قَالَ نَعَمْ اَنْعَتُ لَکَ رَجُلًا بَیْنَ الرَّجُلَیْنِ جِسْمُهٗ وَلَحْمُهٗ اَسْمَرُ اِلَی الْبَیَاضِ اَکْحَلُ الْعَیْنَیْنِ حَسَنُ الضَّحِکِ جَمِیْلُ دَوَائِرِ الْوَجْهِ قَدْ مَلَاَتْ لِحْیَتُهٗ مَا بَیْنَ هٰذِهٖ اِلٰی هٰذِهٖ قَدْ مَلَاَتْ نَحْرَهٗ قَالَ عَوْفٌ وَلَا اَدْرِیْ مَا کَانَ مَعَ هٰذَا النَّعْتِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَوْ رَاَیْتَهٗ فِی الْیَقْظَةِ مَا اسْتَطَعْتَ اَنْ تَنْعَتَهٗ فَوْقَ هٰذَا قال ابو عیسٰی ویزید الفارسی هو یزید بن هرمز وهو اقدم من یزید الرقاشی**

**وروی یزید الفارسی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما احادیث ویزید الرقاشی لم یدرك ابن عباس وهو یزید بن ابان الرقاشی وهو یروی عن انس بن مالك ویزید الفارسی ویزید الرقاشی کلاهما من اهل البصرة وعوف بن ابی جمیلة هو عوف الاعرابی حدثنا ابو داود سلیمان بن سلم البلخی حدثنا النضر بن شمیل قال قال عوف الاعرابی انا اکبر من قتادة**

''یزید فارسی کلام اللہ شریف لکھا کرتے تھے ایک مرتبہ خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس وقت حیات تھے ان سے خواب عرض کیا انہوں نے اول ارشاد نبوی ﷺ سنایا کہ جو مجھے خواب میں دیکھتا ہے وہ حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھتا ہے اس لیے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ یہ ارشاد سنا کر پوچھا کیا خواب کی دیکھی ہوئی صورت کا حلیہ بیان کر سکتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ آپؐ کا بدن اور آپؐ کا قامت دونوں چیزیں معتدل اور درمیانی (یعنی جسم مبارک نہ زیادہ موٹا نہ زیادہ دبلا ایسے ہی قد نہ زیادہ لمبا نہ زیادہ کوتاہ' بلکہ معتدل) آپ کا رنگ گندمی مائل بسفیدی' آنکھیں سرمگیں خندہ دہن' خوب صورت گول چہرہ داڑھی نہایت گنجان جو پورے چہرۂ انور کا احاطہ کیے ہوئے تھی اور سینہ کے ابتدائی حصہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ عوف رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے ایک راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ میرے استاد یزید نے جو اس خواب کے دیکھنے والے ہیں ان مذکورہ صفات کے ساتھ اور کیا کیا صفتیں بیان فرمائی تھیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم حضور اکرم ﷺ کو عالم حیات میں دیکھتے تو اس سے زیادہ حلیہ اقدس نہ بتا سکتے گویا بالکل ہی صحیح بیان کر دیا۔''

**ف:** چنانچہ اس کتاب شمائل کے سب سے پہلے باب میں جو حضور اقدس ﷺ کا حلیہ مبارک نقل کیا گیا ہے وہ ان ہی صفات کے ساتھ ذکر کیا گیا جیسا کہ مفصل گزر چکا۔

**(۶) حدثنا عبداللہ بن ابی زیاد حدثنا یعقوب بن ابراهیم بن سعد حدثنا ابن اخی ابن شهاب الزهری عن عمه قال قال ابو سلمة قال ابو قتادةؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ یَعْنِیْ فِی النَّوْمِ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ**

''ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے واقعی امر دیکھا۔''

ف: یعنی حقیقتاً مجھی کو دیکھا یہ نہیں کہ شیطان کسی اور چیز کو دکھائے اور مجھے بتائے بعض علماء نے اس کا یہ مطلب لکھا ہے کہ یہ سچا خواب ہے خیالات کا مجموعہ نہیں ہے۔

(۷) حدثنا عبدالله بن عبدالرحمن حدثنا معلی بن اسد حدثنا عبدالعزیز بن المختار حدثنا ثابت عن انس ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ لَا يَتَخَيَّلُ بِیْ قَالَ وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ

''حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے خواب میں دیکھے اس نے حقیقتاً مجھی کو دیکھا اس لیے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مومن کا خواب (جو فرشتہ کے اثر سے ہوتا ہے) نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔''

ف: علماء نے اس کے مطلب میں مختلف عنوانات اختیار فرمائے ہیں۔ بالخصوص حافظ حدیث ابن حجر ؒ نے شرح بخاری میں بہت تفصیل سے اس کے متعلق علماء کے اقوال کو ذکر کیا ہے۔ اور صاحب تبریز نے بھی بہت زیادہ تفصیل اس کی ذکر کی ہے۔ لیکن ملا علی قاری وغیرہ حضرات نے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ چونکہ اس کو علم نبوت کا ایک جزو فرمایا ہے اور علوم نبوی انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اس لیے اس کو بھی انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص سمجھنا چاہیے مجملاً اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ مبارک اور اچھا خواب ایک بڑی بشارت ہے جو نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے اتنا ہی اس کی شرافت اور عظمت و برکت کے لیے کافی ہے باقی نبوت کے چھیالیس جزو نبی ہی صحیح طور پر معلوم کر سکتے ہیں۔ اس لیے وہی اس جزو کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں یہ چھیالیسواں جزو کیسے ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کے خواب میں دیکھنے کا ذکر ختم ہو چکا۔ امام ترمذی ؒ نے اپنی کتاب کو دو اثروں پر ختم کیا ہے جو حقیقت میں دو نصیحتیں ہیں اور مہتم بالشان تنبیہیں ہیں اول یہ کہ کسی چیز پر حکم لگانا انکل سے نہیں ہونا چاہیے بلکہ دین کا مدار حضور اکرم ﷺ کے اتباع پر ہے لہٰذا ہر فیصلہ میں حضور اکرم ﷺ کا اتباع کرنا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ ہر کس و ناکس کی بات نہ سننی چاہیے بلکہ دیندار شخص کی بات ماننا چاہیے بے دین قابل اتباع نہیں ہے درحقیقت ہر دو نصیحتیں اہم ہیں۔

(۱) حدثنا محمد بن علی قال سمعت ابی یقول قال عبدالله ابن المبارك اِذَا بُتَلِيْتَ بِالْقَضَآءِ فَعَلَيْكَ بِالْاَثَرِ

''عبداللہ بن مبارکؒ بڑے ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ فقہاء اور صوفیہ میں بھی ان کا شمار ہے بڑے شیخ عابد زاہد تھے اور حدیث کے حافظوں میں گنے جاتے ہیں تاریخ کی کتابوں میں فضائل ان کے لکھے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کبھی قاضی اور فیصل کنندہ بننے کی نوبت آئے تو منقولات کا اتباع کیجیو۔''

ف: مقصود یہ کہ خود رائی اور اپنی عقل پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اکابر کے کلام' احادیث اور اقوال صحابہ کا اتباع کرنا چاہیے۔ یہ امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت ہے جو عام ہے ہر فیصلہ کے متعلق یہی بات ہے خواہ وہ فیصلہ قضا کے قبیل سے ہو یا کوئی اور فیصلہ ہو۔ جیسا کہ ابھی گزرا امام ترمذیؒ نے ان کا یہ ارشاد نصیحت عامہ کے قبیل سے ذکر کیا ہے جیسا کہ عام شراح شمائل کی رائے ہے بندہ کے نزدیک اس باب سے بھی اس کو ایک خاص مناسبت ہو سکتی ہے وہ یہ کہ خواب کی تعبیر بھی ایک فیصلہ ہے اس میں بھی اپنی رائے سے غتربودنہ کرنا چاہیے بلکہ اسلاف کی تعبیروں کو دیکھنا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمھم اللہ سے بکثرت خوابوں کی تعبیریں نقل کی گئی ہیں۔ فن تعبیر کے علماء نے لکھا ہے کہ تعبیر دینے والا شخص ضروری ہے کہ سمجھ دار' متقی' پرہیزگار' کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا واقف ہو۔ عرب کے لغات اور زبان زد مثالوں کو جانتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ بہت سے شرائط اور آداب علم تعبیر کی کتابوں میں لکھی ہیں۔

**(۲) حدثنا محمد بن علی حدثنا النضر اخبرنا ابن عوف عن ابن سیرین قالؒ هٰذَا الْحَدِیْثُ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ**

''ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ علم حدیث (اور ایسے ہی اور دینی علوم سب) دین میں داخل ہیں لہٰذا علم حاصل کرنے سے قبل یہ دیکھو کہ اس دین کو کس شخص سے حاصل کر رہے ہو۔''

ف: ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے وقت کے امام اور مشہور بڑے تابعی ہیں بہت سے صحابہ کرام سے علوم حاصل کیے فن تعبیر کے بھی امام ہیں خواب کی تعبیر میں ان کے ارشادات حجت ہیں ان کے ارشاد کا مقصود یہ ہے کہ جس سے دین حاصل کرو اس کی دیانت' تقویٰ' مذہب' مسلک اچھی طرح تحقیق کر لو۔ ایسا نہ کرو کہ ہر شخص کے کہنے پر عمل کر لو خواہ وہ کیسا ہی بے دین ہو۔ اس لیے کہ اس کی بد دینی اثر کیے بغیر نہیں رہے گی۔ بعض روایات میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے یہ نصیحت عامہ ہے جیسا کہ پہلے نمبر پر گزر چکا ہے اور اس باب کے ساتھ بھی مناسبت ہو سکتی ہے کہ علم تعبیر بھی ایک اہم علم ہے جب کہ خواب نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہوتا ہے تو اس کی تعبیر جتنی

بھی مہتم بالشان ہو ظاہر ہے اس لیے بغور دیکھا کرو کہ کس سے تعبیر لے رہے ہو وہ اس کا اہل ہے یا نہیں اس مناسبت سے گویا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ذکر کیا لیکن ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اور احادیث کا مضمون خواب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر علم کو شامل ہے اور جتنا مہتم بالشان علم ہوگا اتنے ہی زیادہ واقف سے معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اس ہمارے زمانہ میں جو قیامت کے بہت ہی قریب ہے ایک یہ بھی سخت خطرہ کی بات ہوگئی ہے کہ ہر شخص خواہ کتنا ہی جاہل' کتنا ہی بددین ہو تھوڑی سے صفائی تقریر و تحریر سے علامہ اور مولانا بن جاتا ہے اور رنگین کپڑوں سے صوفی اور مقتداء بن جاتا ہے عام لوگ ابتداءً ایک عام غلط فہمی کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پھر اپنی ناواقفیت سے ان کا شکار بن جاتے ہیں وہ غلط فہمی یہ ہے کہ عامۂ قلوب میں یہ سما گیا ہے کہ انظروا الی ما قال ولا تنظروا الی من قال (آدمی کو یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا کہا' یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ کس نے کہا) حالانکہ یہ مضمون فی نفسہ اگرچہ صحیح ہے لیکن اس شخص کے لیے ہے جو سمجھ سکتا ہو کہ کیا کہا' جو کہا وہ حق کہا یا باطل اور غلط کہا۔ لیکن جو لوگ اپنی ناواقفیت دینی کی وجہ سے کھرے کھوٹے صحیح اور غلط میں تمیز نہ کر سکتے ہوں ان کو ہر شخص کی بات سننا مناسب نہیں کہ اس کا نتیجہ مآل کار مضرت و نقصان ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں کوئی دعویدار اگر ولایت امامت' نبوت' رسالت حتیٰ کہ خدائی تک کا بھی نعوذ باللہ دعویٰ کرے تو ایک گروہ فوراً اس کا تابع بن جاتا ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ وھو المستعان

الحمد للہ والمنۃ کہ ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۴ھ شب جمعہ میں اس ترجمہ سے فراغت ہوئی فقط

زکریا عفی عنہ کاندھلوی

(مقیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور)

چونکہ اس ناکارہ کو اپنی ناقابلیت کا اعتراف ہے اس لیے اس ترجمہ کو نظر ثانی کے لیے اپنے استاد بزرگ الفاضل العلا مولانا عبدالرحمٰن صاحب صدر المدرسین مدرسہ مظاہر سہارنپور کے حوالہ کیا مولانا نے اپنے مشاغل علمیہ اور عدیم الفرصتی کے باوجود اس کی بالاستیعاب نظر ثانی فرما کر اکثر جگہ اصلاح بھی فرمائی ''الحمد للہ یہ عاجز بھی ۲۷ رجب ۱۳۴۴ھ بروز پنجشنبہ کو اس کے دیکھنے سے فارغ ہوا۔''

مکرر آنکہ یہ ترجمہ ابتداء ۴۴ھ میں لکھا گیا تھا جیسا کہ عبارت مندرجہ بالا سے معلوم ہوا اس کے بعد متعدد مرتبہ اس کے طبع ہونے کی نوبت آئی اور ہر مرتبہ طباعت کی غلطیوں میں اضافہ ہوتا رہا اب بھی عرصہ سے کمیاب ہو جانے کی وجہ سے طباعت کا تقاضا ہوا۔ میرے چند مخلص دوستوں نے

کثرت اغلاط طباعت کی وجہ سے اس کی نظر ثانی پر اصرار کیا میں ایک سال تک اپنی مشغولی کے عذر سے انکار کرتا رہا مگر وجہ اصرار قوی تھی کہ واقعی طباعت میں بعض غلطیاں فحش واقع ہوگئی تھیں اس لیے نظر ثانی شروع کی۔ مصنف کی نظر ثانی میں بلا قصد بھی کمی زیادتی ہو جایا کرتی ہے اس لیے کہیں کہیں کمی اور اکثر جگہ زیادتی ہوتی رہی ہر چند اختصار کی کوشش کی مگر پھر بھی بہت سی جگہ اضافہ ہو ہی گیا فالحمدللہ ثم الحمدللہ کہ آج ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ شب دوشنبہ میں اس نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے حبیب کے اخلاق کا کچھ حصہ اس سیہ کار کو بھی ان احادیث کے طفیل نصیب فرمائے تو اس کے کرم اور لطف سے بعید نہیں۔

**واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا ونبینا ومولانا محمد والہ وصحبہ اجمعین**